# تہذیب و تمدّن

## اور

# اسلام

رحمان مذنب

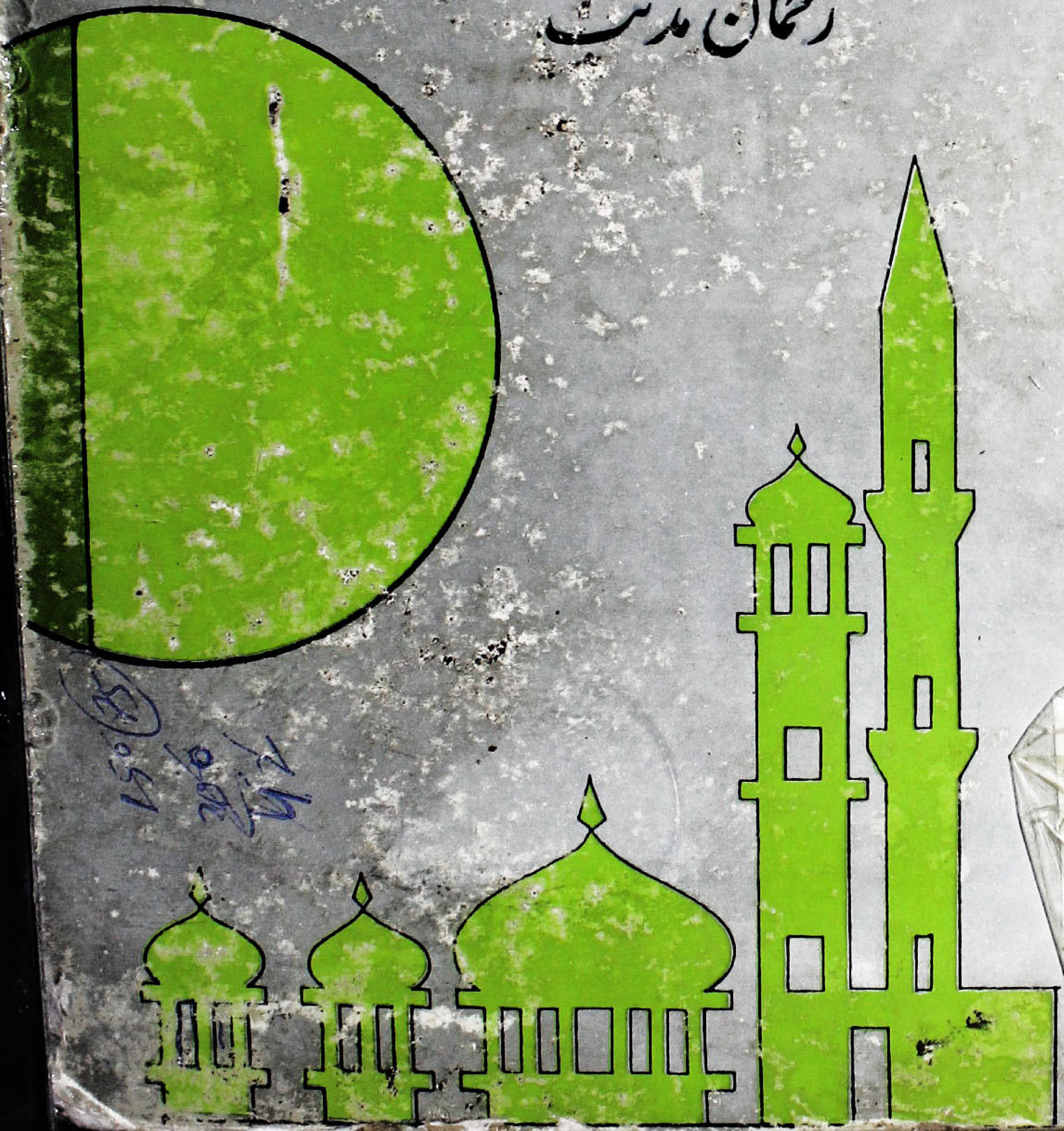

Marfat.com

# تہذیب و تمدّن
## اور
# اِسلام

رحمان مذنب

مقبول اکیڈمی ۔ سرکلر روڈ چوک اُردو بازار لاہور

Marfat.com

۲۹۷، ۹۰۹
۵۱ ت
۹۶۲۸۱

2006ء

جملہ حقوق محفوظ ہیں

اہتمام
ملک مقبول احمد

مقبول اکیڈمی
سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور

قیمت : 400 روپے

مطبع :- خورشید مقبول پریس لاہور

Marfat.com

٠٧-٠٢-٢٠١٢

Marfat.com

Marfat.com

# مندرجات

تہذیب و تمدّن اور اسلام، رحمان مُذنب ۱۲
ایک ایمان افروز تالیف ۱۰۸
پیش لفظ ۱۱۳
ابتدائیہ ۱۱۶

• اسلام اور سائنس ۱۲۰
ریاضی، میکانیات، بصریات، علم النجوم، کیمیا، جغرافیہ، جہاز رانی کا علم، فن بحری کشتی، نباتیات اور تاریخ حیاتیات، علم الادویہ، شفاخانے، قرآن اور سائنس، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور علم۔

• ٹیکنالوجی میں اسلام کا حصّہ ۱۶۵
صنعتی فنون اور زراعت، کاغذ سازی، ہسپانیہ میں اسلامی صنعتی مرکز، جڑاؤ کام، یورپ میں مسلمانوں کی دستکاریوں کا فروغ، مسلمانوں کی برآمدی اور بین الاقوامی تجارت، نیا معیارِ زندگی، زراعت کے شعبے میں مسلمانوں کا حصّہ، اسلام اور ملکیتِ زمین۔

Marfat.com

• اسلام، فنونِ شریفہ اور فنونِ لطیفہ ۱۸۵

اسلام اور فلسفہ، اسلام اور فن تاریخ نویسی، اسلام اور ادب و کتب خانے، اسلام اور خطابت، اسلام اور مصوّری، اسلام اور فن تعمیر، اسلام اور موسیقی، اسلام اور شہسواری، دیگر تفریحی فنون۔

• اسلام اور تعلیم ۲۰۷

اسلامی دور میں تعلیم، اسلامی اندلس میں تعلیم، ہندوستان میں مسلمانوں کا تعلیمی کارنامہ، دنیا میں مسلمانوں کی تعلیم کے پھیلاؤ کے اسباب، اسلام میں تعلیم کی بنیاد پڑھنے پڑھانے کی آزادی، اشتمالیت، عیسائیت اور اسلام، قرآن پاک اور تعلیم، حدیثِ نبویؐ اور علم۔

• اسلامی عہد میں زندگی کے دوسرے شعبوں کی ترقّی ۲۲۶

فوجی امور میں مسلمانوں کی کارگزاری ___ نظم و ضبط اور انسان دوستی، جنگ میں انسان دوستی کا رویّہ، سائنسی طرز کی جنگ، توپ اور بحری سرنگ کی ایجاد، ایمبولنس اور جنگی شفاخانے، مسلمانوں کے لشکر میں بیماری کا فقدان، اسلامی لشکر کے بارے میں ہمعصروں کی دو رائیں، اسلامی تجربے کی فوقیت ڈاکخانے کا نظام، سول سروس کا قیام، پولیس کے محکمے کا قیام، بغداد ___ دورِ عباسیہ میں، مالیات، غیر جانبدار اور آزاد عدلیہ۔

• حصّہ اوّل کا تتمّہ ۲۵۲


Marfat.com

• **ضمیمہ ایک**

مسلمان اور اسکندریہ کا کتب خانہ ۲۵۴

• **ضمیمہ دو**

عرب بحیثیت مترجمین اور خلّاق مفکرین ۲۵۸


## دوسرا حصہ


• **تمہید** ۲۶۱

اسلام اور مذہبی رواداری، دین میں جبر نہیں، خلیفہ حضرت عمرؓ، صلاح الدین یروشلم اور مصر میں، عیسائی اپنے ہم مذہب فاتحین پر مسلمان فاتحین کو ترجیح دیتے رہے۔ عثمانی سلاطین کی رواداری، اندلس میں مسلمانوں کی رواداری، جبری مذہبی تبدیلی اسلام میں گوارا نہیں، عیسائی مذہب میں دخل دینا جرم تھا، مصر کے عیسائیوں سے مسلمانوں کی رواداری، گرجوں اور مندروں کے باب میں مسلمانوں کی رواداری، ہر دور میں رواداری، رواداری اسلام کے خمیر میں ہے، برضا و رغبت قبول اسلام، رواداری اسلام کی قوت ہے۔

• **حقوقِ انسانی اور اسلام** ۲۶۲

غیر مسلموں کے شہری حقوق، مسلمان مہاجرین کے حقوق، اسلام اور حقوق نسواں، شادی اور کثرت ازدواج ـــــ اسلام میں، اسلام کے مخفی پھول، اسلام اور


Marfat.com

غلامی، اسلام اور تمیز رنگ و بُو۔

• اسلام اور جمہوریت ۲۳۰

اسلام اور پروہتی نظام، انفرادی ذمہ داری اسلام میں فی نفسہ موجود ہے، اسلام میں اجتماعی ذمہ داری، اسلام اور مطلق العنانی، اسلام میں قائد کے انتخاب کی ضرورت، اسلام اور سرکاری حکّام، نماز ــــ ایک عظیم جمہوری قوت، افریقہ میں اسلامی جمہوریت کا ارتقاء، قرآن مجید اور آئین، نسل کی بجائے مذہب کی بنیاد پر سلطنت کا قیام، اسلام کی صلائے عام۔

• اسلام اور بین الاقوامیت ۲۵۶

اخوتِ اسلامی، اخوتِ اسلامی کے بارے میں مغربی اور ہندو اہلِ فکر کی شہادت، اسلام اور اقوامِ متحدہ، اسلام اور بین الاقوامی قانون، عہد و پیماں کا تقدس، ذاتی دفاع کا حق، سفیروں کے حقوق، خارجہ پالیسی کا اصول، مغربی قومیت لازماً بین الاقوامیت کو جگہ دے گی، اسلام میں پہلی لیگ آف نیشنز۔

## تیسرا حصّہ ۲۷۷

• اِحیاء ۲۷۸

اسلام ــــ ایک جاں بخش قوّت، احیائے اسلام کے بارے میں مغرب کے چند دانشوروں کی آراء، ابتدائی کامیابی کے اسباب، زوالِ اسلام کے اسباب، مسلمان مبلّغوں کا جذبۂ اسلامی، مشرقی افریقہ میں اشاعتِ اسلام، اسلام کے

Marfat.com

مستقبل کا دار و مدار ہر مسلمان پر ہے، قرآن سے رجوع کرو، جدید طرزِ زندگی کے لیے ترقی پسند ضابطہ۔

## ضمیمہ

قرونِ اولیٰ میں دیانتداری کی دو مثالیں —— ۴۲۸

پیغمبرِ اسلام — اہلِ مغرب کی نظر میں —— ۴۳۳

Marfat.com

# تہذیب و تمدّن اور اسلام

رحمان مُذنِب

مسجد کی چٹائی اور گھر کا بوریا اسلامی کلچر (تہذیبی فکر) اور تمدّن کا سرچشمہ ہیں۔ روشن خیالی اور توانائی کا بھی یہی سرچشمہ ہیں۔ تاریخِ عالم گواہ ہے کہ اس نے بہت کم مدت میں بڑی سے بڑی، مستحکم سے مستحکم اور شاندار سے شاندار حکومت کی بساط الٹ دی۔ تاریخ کا رخ موڑ دیا۔ حیرت خیز اخلاقی اور روحانی اقدار سے لیس عالمگیر انقلاب آیا۔ آسمان تلے قبل ازیں ایسا انقلاب نہیں آیا جس نے انسان کو قابلِ رشک اور اس کے شایانِ شان مرتبہ دیا۔ غلامی اور استحصال کی زنجیریں کاٹ دیں۔

آج سے کوئی تینتیس ۳۳ صدی قبل دینِ ساحری اور دیو مالا کی نہایت عظیم الشّان بھول بھلیاں (مملکتِ قیمُوط ــــ قدیم مصر) میں فرعون آخنِ عطُون نے [1] تمام پیشرو فراعنہ کے زبردست مذہبی نظام ــــ ربِّ عمُون (سورج دیوتا) کی پروہتی اجارہ داری کو پارہ پارہ کیا، عمُون کے تمام مندر اجاڑے، ایک خدا کا تصور پیش کیا۔ ۱۳۷۵ سے ۱۳۵۰ ق۔م تک نئے فرعون نے کسی کو سر نہ اٹھانے دیا البتہ اس کی مملکت کی حدود ضرور سکڑیں۔ اس کے مرتے ہی عمُون کا دین لوٹ آیا اور اس نے آخنِ عطُون کے مُوحّدانہ نظریے کا پیٹرا کر دیا [1]۔ توحید کا تصوّر معدوم ہوگیا۔

---

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

Marfat.com

ادھر قدیم ہند میں کپل وستو کے شہزادے سدھارتھ نے تخت و تاج پر لات ماری اور جنگل کی راہ لی تاکہ حقیقت کا سراغ لگائے۔ شدید جسمانی تکالیف گوارا کیں۔ آخر بڑ تلے نِروان حاصل ہوا ــــ گوتم بدھ کا نام پایا۔ اس نے برہمنی سامراج کو پٹخنی دی۔ عدم تشدد کی تلقین اور منو مہاراج کی تعلیمات مسترد کیں جو ذات پات کی تمیز اور چھوت چھات کی بیماری پھیلا رہی تھیں۔ برہمن، کشتری اور ویش کی شودروں پر برتری کا رویہ منسوخ کیا۔ بالآخر زور آور برہمنی سامراج نے اسے ملک بدر کیا۔

---

لہ پروفیسر جیمز ہنری بریسٹیڈ نے اپنی تالیف HISTORY OF EGYPT میں بتایا ہے کہ موسٰی مصری نژاد ہی نہیں بلکہ شاہی خاندان میں پیدا ہوئے تھے۔ فرعون اخین عطون کے گورنر اور نوبیا میں سونے کی کانوں میں کام کرنے والے اسرائیلی مزدور لشکر کے نگران تھے۔ پھر جب ان کے مربی اور موحد فرعون پر زوال آیا اور سابقہ مذہبی پروہتی نظام رائج ہوا تو انھوں نے اسی میں خیریت سمجھی کہ سرزمین مصر کو خیرباد کہیں چنانچہ بنی اسرائیل کو لے کر عازم فلسطین ہوئے جو مملکت شام کا حصہ تھا۔ یاد رہے کہ موسیٰؑ کو پیدا ہوتے ہی ہلاک کرنے کی تدبیر ہوئی تھی۔ بابائے بشریات سر جیمز جارج فریزر کی تحقیق کی رو سے زمانۂ قدیم میں سرداری یا سربراہی کا منصب حاصل کرنے کے لیے حکمران باپ کو مارنا پڑتا۔ اس طرح بیٹا حکومت کی گدی، سردار کی عورتوں اور املاک پر قبضہ جما لیتا۔ جان کا خطرہ ٹالنے کے لیے سردار اپنے بیٹے کو موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ اس قدیم رویے کو یونانی ڈراما نگار سوفوکلیز نے اپنے شاہکار "ٹائیرنیٹ ایڈی پس" میں ظاہر کیا ہے ــــ جہاں تک نظریۂ توحید کا تعلق ہے یہ 'ہکسوس' ــــ چرواہا حکمرانوں کے عہد میں مشرق سے مصر میں آیا۔ ہکسوس نے فراعنہ کے تیرھویں سے ۱۷ ویں خاندان کے دورِ حکومت میں ۱۷۸۸ تا ۱۵۸۰ ق م کی وقت حملہ کیا اور ایک زمانے تک حکمرانی کی۔ یہی وہ زمانہ ہے جب یوسفؑ بازار مصر میں اور پھر عزیز مصر کے دربار میں پہنچے ــــ موسیٰ مصر کے شاہی خاندان میں بعض فراعنہ کے نام کا لاحقہ ہے جیسے رع موسیٰ، عاح موسیٰ، فتاح موسیٰ اور تُوط موسیٰ۔

Marfat.com

رسولِ اکرم کی آمد سے قبل بنی اسرائیل کے پیغمبر عیسٰی علیہ السلام نے قیصرِ روم کی ملوکیت کو مسترد کیا۔ مخلوقِ خدا کو قیصرِ روم کی بجائے بندۂ خدا بننے کی تلقین کی لیکن بنی اسرائیل نے روما کے گورنر کے ہاتھوں انہیں سُولی پر چڑھوایا۔ یہی نہیں بلکہ ان کی تعلیمات لوگوں تک پہنچانے کی بجائے ہیکلوں میں لے گئے۔ یہودی کاہنوں نے کتر بیونت کی، ان میں اپنے ملحدانہ نظریات شامل کئے اور سو سال تک مخلوقِ خدا کو اپنی کرتوتوں سے بے خبر رکھا۔ جب انجیل منظرِ عام پر آئی تو وہ بدل ہوئی تھی۔

۵۷۱ء میں عرب کی غیر ذی زرع زمین پر نیا سورج چمکا جس کی روشنی افق تا افق پھیل گئی اور تمام عالم اس کی خوشبو سے مہک اٹھا۔[1] آپ کی پیغمبرانہ شان روزِ اوّل ہی رونما ہوئی۔ دیکھتے دیکھتے تاریخ کے خط و خال بدلنے لگے، ہزاروں سال پرانی دینِ ساحری کی مضبوط و مستحکم تعمیریں اور تہذیبی سرحدیں معدوم ہوگئیں۔ اسلامی تہذیب کو ہر طرف پھیلنے کی راہ مل گئی

رہن سہن کا عالمی انداز بدل گیا، آداب بدل گئے، فکری طور طریقے بدل گئے۔ بوریئے اور چٹائی کی ہیبت سے غلام گردشیں سُونی ہوگئیں۔ ہزاروں سال پرانی کیسی کیسی تہذیبیں جڑ بنیاد سے اکھڑ گئیں اور کیسی کیسی سلطنتیں صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں۔ ایران اور بازنطین کے عروج کا سورج ڈوب گیا ـــــ جادوگر ـــــ پروہت کے ذہن کے تانوں بانوں میں الجھے ہوئے ادیان اور تمدن تنکے کی طرح اسلامی انقلاب کے ریلے میں بہہ گئے لافانی اور لازوال خداؤں کے سینکڑوں سلسلے نیست و نابود ہو گئے۔

---

[1] محمد عربی کی تاریخ پیدائش دوشنبہ، ۹ ربیع الاوّل سنہ ۱ عام الفیل مطابق ۲۲ اپریل ۵۷۱ء مطابق یکم جیٹھ سمہ ۶۲۸ بکرمی بعد از صبحِ صادق و قبل از طلوعِ آفتاب (رحمۃ للعالمین ۱۹۲۴ء بار دوم)

Marfat.com

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جان نثار، وفا شعار اور بے مثال ساتھیوں کی مدد سے کوئی ایک سو مربع گز زمین پر مدینے میں مسجد بنائی۔ بنیادیں صرف تین تین ہاتھ گہری تھیں لیکن اہل ایمان کے دل کی "سمندروں ڈونگھی" گہرائی میں اتر گئیں۔ ان بنیادوں کو ابد تک جسم وجاں کا بوجھ سہارنے کا فرض سونپا گیا۔ پتھروں کے اوپر کچی اینٹوں سے دیواریں چنی گئیں۔ کھجور کے تنوں سے ستون تیار ہوئے۔ ان کے اوپر پتوں کا چھپر ڈالا گیا۔ بارش ہوتی تو ٹپکتا۔ کچا فرش کیچڑ ہو جاتا۔ اسی حالت میں فخر موجودات اور آپ کے اصحاب —— تاریخ کی بے مثال ہستیاں اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوتیں۔

دنیا کی مذہبی اور تہذیبی تاریخ میں آج تک اس سے سادہ تر تعمیر معرض وجود میں نہیں آئی جس نے سلاطین عالم کو للکارا، ان کے سنگی محلات کو لرزایا اور خاک میں ملایا۔ جس نے اپنے عبادت گزاروں کو دیکھتے دیکھتے سپر پاور بنا دیا۔ جس کی چار دیواری میں پہلی اسلامی ریاست کا مرکز قائم ہوا۔ مدینہ اگر اسلامی ریاست کا دارالحکومت تھا تو مسجد نبوی اس کی جان تھی۔ یہاں ہمہ وقت انوار الٰہی کا نزول ہوتا، آیات کریمہ نازل ہوتیں۔ رسول اکرمؐ بہ نفس نفیس قولاً اور فعلاً مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کرتے، انہیں آئین حیات سکھاتے۔ دنیا کے مہذب ترین انسان یہیں سے نکلے اور انہوں نے تہذیب و تمدن کے بہترین اسباق کرۂ ارض میں بسنے والوں کو دیئے۔ ابن آدم کو اس لائق کیا کہ اخلاقی اور روحانی اقدار سے لیس ہو کر مشرق و مغرب کو مسخر کرے۔ ملک خدا پر جہاں جہاں انسان بستے ہیں وہاں وہاں تک کلمۂ حق —— لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پہنچ گئے —— ایسا ہوا اور دنیا نے دیکھا۔

مسلمانوں نے کلمے کی ضرب سے ہزاروں بستیاں زیر کیں۔
مسجد نبوی دنیا کی عظیم ترین یونیورسٹی تھی ——

Marfat.com

دار الاصلاح بھی تھی، دار العلوم بھی۔ سرچشمۂ فیض بھی، باعثِ رحمت و برکت بھی۔
یہاں اللہ کے بندے بلا تخصیص و تمیز انصاف پاتے اور ان کے ہر نوع کے قضیے نمٹائے جاتے۔
یہ مسجدِ شوریٰ بھی تھی جہاں دشمنوں کی مسلم آزاد تحریکوں، کفار کی سازشوں اور ان کے جنگی عزائم کو خاک میں ملانے کی تدبیر کی جاتی۔
محکمۂ داخلہ و خارجہ بھی یہیں تھا۔ یہیں سے قیصر و کسریٰ اور شاہانِ عالم کو قبولِ اسلام کے لئے دعوت نامے بھیجے گئے۔ یہیں پر چہار اطراف سے دیسی اور بدیشی وفود ملنے آتے۔
ایمان کی تلوار یہیں صیقل کی گئی، تزکیۂ نفس کیا گیا۔ فرماں روائی کے آداب و فرائض بتائے گئے، عملاً سکھاتے گئے۔
اتنی وقیع اور وسیع المقاصد، ہمہ گیر اثرات اور معمولی ہیئت والی عبادت گاہ کبھی تعمیر نہیں ہوئی۔ دنیا جہان کی وجاہتیں اور سطوتیں اس کے سامنے ہیچ ہو کر رہ گئیں۔ دل کی دھڑکنیں فرش سے عرش تک پہنچیں۔ کہاں کہاں تک انہوں نے دستک دی!
یہاں کے تربیت یافتہ لوگ اپنے سادہ، پیوندی جاموں اور معمولی طبیعتوں کے ساتھ دنیا بھر میں قابلِ صد احترام اور لائقِ تقلید ہوئے۔ انہی نے آنے والی نسلوں کی رہنمائی کے لیے علم و عمل اور تہذیب و تمدن کی نہ بجھنے والی مشعلیں روشن کیں۔ ان کے ناقابلِ شکست عزائم نے ہر سرکش نمرود، ہر متکبر فرعون کو پامال کیا۔

جس دور اور گرد و پیش کے جن حالات میں محمدؐ عربی نے اسلام ــــــ حق و صداقت اور امن و امان کا عَلَم بلند کیا وہ نہایت ژولیدہ، پراگندہ اور اسلامی تعلیمات کے سراسر منافی تھے۔ لوگوں کے معمول میں ہر نوع کے ظلم و ستم داخل تھے۔ دکھ دینے والے بھی تھے، احساسِ گناہ ناپید تھا۔ اس ماحول میں جو تہذیبی بلکہ تخریبی سوچ پنپ سکی اس سے انسان کا

Marfat.com

کیا بھلا ہوتا، کیسے ہوتا؟ مخلوقِ خدا جو ڈیڑدن، کاہنوں اور پروہتوں کے شکنجے میں تھی، صفرتھی، بے حیثیت تھی، مجبور و مقہور تھی۔

دینِ ساحری کی عملداری تھی ـــــ ہزاروں سال تک اس کے دائرۂ اثر و نفوذ میں بُت گری، بُت پرستی، نسلی تفاخر، ذات پات کی تمیز، غلام اور آقا میں امتیاز، شہری اور مذہبی حقوق میں عدم مساوات، اجارہ داری، سرداری، معاشرتی اور معاشی ناہمواری اور نارواداری کے سوا اور کچھ دیکھنے میں نہ آیا۔ لوگ اندھیرے اور ظلم و ستم کی دُنیا میں اسیر رہے۔

دینِ ساحری منفی سوچ اور منفی عمل کا مظہر ہے۔ اس کے زیرِ اثر قنوط ـــــ قدیم مصر، عراق اور ہند میں بڑی بڑی منفی طرز کی تہذیبیں رُونما ہوئیں۔ آج یہ دیکھنے والے کے لیے حیرت خیز ہیں اور محقق کے لیے تحقیق و تفتیش کا گرانمایہ خزانہ، دانشور جستجو میں ہیں کہ گڑے مُردے ہی نہ اکھاڑیں بلکہ ان کے ذریعے مٹی ہوئی تہذیبی سوچ معلوم کریں۔

محمد عربیؐ نے قبائلی سرداروں، کاہنوں اور پروہتوں کے خاتمے کی تحریک چلائی، ان کی جھوٹی برتری، جھوٹے اختیار و اقتدار اور فریب کا پول کھولا۔ جمہور کو پائیدار اقدار اور سچی راہ سے آشنا کیا۔ خواص کو جھوٹی شان و شوکت سے نجات پانے کا حوصلہ دیا۔ ان کے دل و دماغ میں امارت کا جو خناس جاگزیں تھا، اسے ہلاک کیا۔ صداقت، دیانت اور فلاح و بہبود کا خوگر کیا۔ ستم رسیدہ مخلوق کو ستمگروں کی گرفت سے چھڑایا۔ غلاموں کو ان کے مطلق العنان آقاؤں، خود پرست کاہنوں اور سرکش جادوگروں سے نجات دلائی۔ انہیں ان کے غصب شدہ شہری حقوق دلائے۔ جو راہِ راست پر آئے ان کے بشروں سے بشاشت اور فرحت جھلکی۔ زمین ان کے لیے جنت بن گئی۔ جنہوں نے روگردانی کی، ظلم و تعدی کی ڈگر نہ چھوڑی، وہ جہنم میں رہے، اسی میں جل کر خاک ہوئے۔

Marfat.com

رسول اکرمؐ کے ذہن میں تہذیب و تمدن کا جو تصور تھا وہ عہدِ جاہلیت کی خباثتوں، فریب کاریوں اور انسانیت سوز رویوں سے پاک تھا ـــــ مسجدِ نبوی میں بتوں، بت پرستی اور اس سے پرورش پانے والے فکر و عمل کے لئے کوئی گنجائش نہ تھی۔

پرانا نظام دور از کار تھا۔ کفار کے تہذیبی آلات کند ہوگئے۔ اب ایک نیا نظام وجود میں آیا جس نے ساری غلاظتیں چھانٹ دیں، ذہنوں اور ماحول کو صاف کر دیا۔ کفار میں جو قباحتیں اور برائیاں تھیں، ان کا یہاں کوئی دخل نہ تھا۔

کفارِ مکہ کے معاشرتی رویے اور زندگی کے معمولات میں قتل اور انتقام کو اولیت حاصل تھی۔ موت اور زندگی میں دوڑ لگی رہتی۔ موت اکثر جیت جاتی اور جلد ہی، قبل از وقت زندگی کی شہ رگ کاٹ دیتی۔ کبھی سرِعام اور کبھی دشت میں اسے جا لیتی۔ کفار ہر دم موت کو ہم رکاب رکھتے۔ بلکہ لوگ موت بن کر اپنوں میں چلتے پھرتے رہتے۔ اس کے بغیر زندگی کو بے معنی اور توہین آمیز سمجھتے۔ اگرچہ قبائلی نظام میں یہ لابدی شق تباہ کن تھی تاہم صدیوں کے عمل پیہم نے اس ریت کو اس قدر پختہ کر دیا تھا کہ اسے ترک کرنا ان کے بس میں نہ تھا۔ گھر گھر قتل نامے تیار ہوتے، داخل خارج کا سلسلہ جاری رہتا۔ لکھائی پڑھائی برائے نام تھی لیکن حافظہ بلا کا تھا۔ جہاں بھی ہوں ـــــ گھر میں، میلے میں یا بیاباں میں، بیلنس شیٹ از بر یاد رہتا۔ جہاں دشمن کو دیکھا، بھڑک اٹھے۔ اپنی جان داؤ پر لگا دیتے۔ دونوں طرف سے تلواریں میان سے باہر نکل آتیں۔ آن کی آن میں فیصلہ ہو جاتا۔ دونوں میں سے ایک یا دونوں ہی جہنم رسید ہوتے۔ ایک کھاتہ اور کھل جاتا۔ ان اندھوں کے نزدیک قبیلے کی شان اور پہچان حرام موت مرنے میں تھی۔ ان کا ادب اسی شان اور پہچان کا تھا۔ انتقام کے قصے اور جنگ کے نغمے ان کی شاعری کی جان تھے۔ انتقام کی آگ کس شدت سے ان کے اندر سلگتی رہتی۔ اس کی ایک مثال یہ ہے ـــــ

دوسری ہجری ـــــ کفارِ مکہ کا بہت بڑا تجارتی کارواں روپیہ اور سامان لے کر

Marfat.com

شام سے آرہا ہے۔ اسے بدر کی روایتی شاہراہ سے گزرنا ہے۔ رسولِ اکرمؐ جو کفارِ مکہ کے معاندانہ منصوبوں سے چوکس رہتے، ان کی ہر حرکت کا کھوج لگاتے ان کے کارواں سے بے خبر نہیں۔ قدرت نے ایک اچھا موقع دیا ہے کہ رسول اکرمؐ اپنے بدترین دشمن پر کاری ضرب لگائیں ـــــ

(ا) کفارِ مکہ کی کاروانی تجارت بند کرکے ان کی معاشی حالت کو اس حد تک متاثر کیا جا سکتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو مٹانے کا ارادہ ترک اور باہمی امن و صلح سے رہنے کا عزم کریں۔

(ب) یہ بھی مقصود ہے کہ کارواں پر قبضہ کرکے مسلمانوں پر کیے ہوئے ظلم کی تھوڑی سی قیمت وصول کی جائے۔ کفار نے مسلمانوں پر یہاں تک عرصۂ حیات تنگ کیا کہ انہیں اپنی املاک اور صدیوں کی یادوں سمیت سب کچھ وہیں چھوڑ کر مکے سے ہجرت کرنی پڑی۔ کفار ان املاک پر قبضہ کرکے نہال اور خوشحال ہو گئے ہیں۔

کفار کو اسلام دشمنی اور ناپاک ارادوں سے باز رکھنے کی یہ مؤثر تدبیر ہے چنانچہ رسولِ اکرمؐ مٹھی بھر مسلمانوں کو لے کر تعاقب فرماتے ہیں۔ کفار کا میر کارواں (جو بعد ازاں اسلام قبول کرکے اپنی بیٹی اُمّ المومنین کی بدولت رسول اکرمؐ کی عزیزداری کا نیا اعزاز پاتا ہے) خطرے کو بھانپ کر اپنی ایلچی کے ذریعے مکے خبر بھیجتا ہے کہ کارواں خطرے میں ہے۔ خبر ملتے ہی ابوجہل انتقام کی آگ بھڑکاتا، قبائلی سرداروں کو اکساتا اور عوام و خواص کا لشکر تیار کرتا ہے تاکہ مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسلام کا قصہ تمام کرے۔ قبائلی سردار لشکر کے ہمراہ بڑے ٹھاٹ سے ـــــ کبر و نخوت کے نشے میں چور چور ہوئے بدر روانہ ہوتے ہیں۔ راستے میں خبر ملتی ہے کہ کارواں مسلمانوں کے متوقع حملے سے بچ نکلا ہے،

Marfat.com

صحیح وسلامت ہے۔ لشکر کشی کی حاجت نہیں لیکن ابو جہل ادھر کان نہیں دھرتا انتقام کی آگ بھڑکی ہے تو اپنے آپ سرد نہ ہوگی۔ اسے تو خون کا دھارا ہی سرد کرے گا۔ انجام کار بدر کے مقام پر کفر جملہ ساز و سامان سے لیس ہو کر آتا ہے اونٹوں، گھوڑوں، تلواروں، نیزوں اور زرہ بکتروں کے ساتھ ساتھ خوش فہمیوں اور امیدوں کا وافر ذخیرہ ہمراہ لایا ہے۔ ادھر مسلمانوں کی تعداد ایک تہائی، تلواریں، زرہ بکتر اور گھوڑے برائے نام البتہ بت پرستوں کے طمطراق اور ان کی اکڑ کی بجائے ان کے دل اسلام کی بقاء اور جذبے سے لبریز ہیں۔ اللہ اور اللہ کے رسولؐ انہیں جان و مال سے کہیں زیادہ عزیز ہیں۔ اللہ کی رسی ـــــ حبل اللہ مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں۔ یکجان ہیں۔ کوئی دنیاوی حرص و ہوا نہیں۔ وفا شعاری، جاں نثاری اور انکساری ان کا شیوہ۔ حمزہؓ، ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ علیؓ بن ابی طالب، عبداللہ بن مسعودؓ، بلال حبشیؓ، سعد بن ابی وقاصؓ اور کتنے ہی جلیل القدر اصحاب اپنے سپہ سالار ـــــ محمد عربیؐ کی قیادت میں دفاع کے لیے آتے ہیں[1]۔ ان میں بڑی بڑی تاریخ ساز ہستیاں شامل ہیں[2]۔ یہ سب ایک ہیں، اللہ کے بندے ہیں۔ ان میں کوئی آقا ہے نہ غلام۔ دورِ جاہلیت کے باطل نقوش ـــــ قبائلی سوچ، قتل و غارت اور انتقام کا آئین مٹا چکے ہیں۔

---

[1] غزوۂ بدر سے چند دن پہلے جہاد (یعنی مسلمانوں کے قاتلوں اور مخلوقِ خدا کے دشمنوں سے لڑنے کا حکم نازل ہوا۔

[2] خلفائے راشدین بالخصوص حضرت عمرؓ نے حق و باطل، عدل و انصاف، سادگی، حقوق اللہ اور حقوق العباد، ایثارِ جسم و جاں اور جذبۂ ایمانی کے حوالے سے اس طور فرضِ خلافت ادا کیا کہ مہاتما گاندھی نے آزادی کے بعد اپنے حکمرانوں سے کہا کہ حکومت کرو تو ایسے جیسے حضرت عمرؓ نے کی۔ مترجم

Marfat.com

تلواروں سے محروم یہ حق کی برہنہ تلواریں میدانِ جنگ میں اسلام کے نام پر نکلی ہیں۔ معمولی پہناوا ہے۔ بعض نے ایک روز پہلے بدر کے ذخیرۂ آب پر کنوئیں پر کپڑے دھوئے ہیں۔ اسلحہ قلیل مگر حوصلہ بے پناہ رکھتے ہیں۔ عزم چٹانوں سے زیادہ مضبوط۔ دشمن کو اس کا علم نہیں۔ لشکرِ کفار کو تجارتی کارواں کی سلامتی کا مژدہ اور میرِ کارواں ابوسفیان کی طرف سے جنگ سے باز رہنے کا پیغام ملا لیکن ابوجہل جو فساد کو جڑ ہے، ادھر کان نہیں دھرتا۔ ایک قبیلہ بنوزہرہ میدان چھوڑ کر جا بھی چکا ہے۔ لڑائی کا اب جواز نہیں رہا چنانچہ سپہ سالار عتبہ بن ربیعہ بھی تیغ زنی کے جوہر دکھانے اور خون ریزی کا خیال ترک کر دیتا ہے۔ ابوجہل آگ بگولہ ہوتا ہے۔ ہارنا، پیچھے ہٹنا، پچھتانا اس کی خو نہیں۔ عامر بن الحضرمی کو بلاتا ہے جس کا بھائی عمرو بن الحضرمی کچھ دن پہلے سراغرسانی کے مشن پر رسول اکرمؐ کی بھیجی ہوئی جماعت میں سے حضرت واقدؓ بن عبداللہ التمیمی کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔ ابوجہل اسے طیش دلاتا اور کہتا ہے۔ "یہ تمہارا حلیف عتبہ بن ربیعہ ایسے میں لوگوں کو لے کر میدانِ جنگ سے لوٹنا چاہتا ہے جبکہ انتقام تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے۔"

عامر بن الحضرمی آگ بگولہ ہو جاتا ہے۔ یہ عزتِ نفس کا معاملہ ہے۔ ابوجہل نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا ہے۔ عریاں ہو کر چیخنا چلانا شروع کرتا ہے

یا عمرو یا عمرو! واویلا، واویلا!

یا عمرو یا عمرو! واویلا، واویلا!

عتبہ بن ربیعہ دم بخود دیکھتا رہ جاتا ہے۔ اسی آن جنگ کے شعلے بلند ہوتے ہیں۔ پہلے ہی ہلے میں عتبہ بن ربیعہ، اس کا بھائی شیبہ بن ربیعہ اور پسر ولید بن عتبہ تہ تیغ کر دیئے جاتے ہیں۔ بڑے بڑے سردار خصوصاً دارالندوہ میں بیٹھ کر حضورؐ کے

Marfat.com

قتل کی سازش کرنے والے سبھی مارے جاتے ہیں۔ قتل کو ہر مسئلے کا آخری حل جاننے والوں کا انجام عبرت خیز ہے۔[1] سازش کا محرکِ اعلیٰ ابوجہل بھی واصلِ جہنم ہوتا ہے ــــ معاذ اور معوذ دو نوعمر لڑکے! اسے ہلاکت کے کنارے پہنچاتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سر کاٹنے لگتے ہیں تو یہ مغرور و بدمست آدمی گستاخی سے پیش آتا اور بطورِ قاتل انہیں اپنی شان شایاں نہیں سمجھتا ــــ گنتی کے چند سانس رہتے ہیں۔ نخوت و تکبر کا آخری مظاہرہ کرتے ہوئے کہتا ہے "گردن نیچے سے کاٹنا تاکہ میرا سر دوسرے سرداروں کے ساتھ رکھا جائے تو یہ اونچا نظر آئے۔"

یہ تھے وہ لوگ جو ہر آن قبائلی آن دکھاتے، انتقام کی آگ میں سلگاتے، دلیل کا جواب تلوار سے دیتے اور موت آنے پر بھی اکڑتے۔ کس نوع کا یہ تمدن تھا؟ کیسی سوچ تھی؟ ان کی شاعری میں جنگی معرکہ آرائیوں کے قصے بڑھا چڑھا کر پیش کیے جاتے، جذبۂ انتقام کی آگ

---

[1] رسولِ اکرمؐ کی ملٹری سٹریٹیجی صدیوں کے مروّجہ دستور سے قطعاً الگ تھلگ تھی۔ یہاں قلت و کثرت کے مقبولِ عام اصول سے یکسر انحراف کیا گیا تھا۔ پیغمبرانہ فراست سے ایسی جنگی تدبیر اختیار کی گئی کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غلامانِ محمدؐ کا مقدر بن گئی۔ کفر کی بے تحاشا کثرت پر اسلام کی قلت اور کم سروسامانی غالب آتی ہے۔ حضورؐ کے تمام غزوات اور بعد ازاں غازیانِ اسلام کی تمام مہمات و فتوحات اسی رویے کی آئینہ دار ہیں ۲ھ کی یہ صداقت ۱۹۶۵ء تک بہ تسلسل تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے۔ ۱۹۶۵ء میں الٹی میٹم دیے بغیر بھارت نے پانچ گنا طاقت سے اچانک پاکستان پر حملہ کیا اور پانچ ہی دن میں اس کا بیڑا غرق ہوا۔ بھارتی فضائیہ کے کمانڈر انچیف نے اعلان کیا کہ وہ بھارتی آسمان کو پاکستانی فضائیہ سے بچا نہیں سکتا۔ تیئیس دن کے بعد بھارت سرکار نے اقوامِ متحدہ سے گڑگڑا کر کہا۔ جنگ بندی کی بھیک دیجیے۔ بھیک مل گئی۔ مسلمانوں کی یہی شان ہے۔ بوقتِ جنگ وہ دشمن کے بڑے بڑے لشکر اور بے پناہ سازوسامان کو خاطر میں نہیں لاتا۔ ایمان تازہ رکھتا ہے۔

۹۶۴۸۱

Marfat.com

لگائی بھڑکائی جاتی۔ قبائلی فضیلت انہیں بدست کر دیتی۔ یہ منفی تمدن جس پر کفار گزر اوقات کر رہے تھے انہیں اپنی کینچلی سے باہر نکلنے نہ دیتا اور ترقی کی راہ نہ دکھاتا۔ یہ کسی طور بھی لائق تقلید نہ تھا۔ یہ لوگ انسان نہیں آگ کے چلتے پھرتے پتلے تھے۔ اپنی ہی آگ میں جل مرتے اور ققنس کی طرح اپنی ہی خاکستر سے پیدا ہوتے۔ جینا مرنا اور کچھ نہ کرنا ان کا طرۂ امتیاز تھا۔

انتقام معاشرتی قدر کے طور پر ان کے معمولاتِ حیات میں سرفہرست تھا۔

ناپائیدار قبائلی زندگی میں انتقام کا آئین لاکھ بیہودہ اور انسانیت سوز سہی لیکن پائیدار تھا۔ قضیے کھڑے کرنا اور جھگڑنا فرضِ عین تھا۔ ہر بہانے تلوار نکلتی اور لہو بہتا۔ نبوت سے قبل کا واقعہ ہے ــــ

حضورؐ اکرم کی عمر شریف پینتیس ۳۵ برس کی ہے۔ کعبے کی نیچی دیواریں ہر بدقماش کو پھلانگ کر اندر جانے اور خزانہ لوٹنے کی دعوت دیتی ہیں۔ چوری کی ایک واردات میں ابولہب ــــ حضورؐ کے بدباطن چچا کا نام لیا جا چکا ہے۔

عمارت کی حالت تشویش ناک ہے۔ "سیلاب کے باعث بیرونی دیواروں کو نقصان پہنچا اور ان میں جگہ جگہ دراڑیں پڑ گئی ہیں۔" تعمیرِ نو ضروری ہے۔ پرانی ناقص دیواریں ڈھا کر نئی دیواریں کھڑی کی جا رہی ہیں۔ جب یہ قدِ آدم اونچی ہو جاتی ہیں تو حجرِ اسود کی تنصیب پر جھگڑا کھڑا ہو جاتا ہے۔ ہر قبیلہ اس بات پر اڑ جاتا ہے کہ اسے تنصیب کا حق ہے۔ کوئی قبیلہ اس حق سے دستبردار ہونے اور دوسرے قبیلے کو یہ حق دینے پر آمادہ نہیں۔ امن و صلح کی کوئی تدبیر کارگر نہیں۔ بات ہی ایسی ہے جو اپنا حق چھوڑے اس سربلندی سے محروم ہو جائے اور ذلت کا سامنا کرے نوبت حسبِ معمول لڑنے مرنے تک پہنچتی ہے چنانچہ رسم کے مطابق لہو سے پیالہ بھرا جاتا ہے۔ بنو عدی بن کعب اور بنو عبدالدار اس میں انگلیاں ڈبوتے ہیں جس

Marfat.com

کا مطلب ہے کہ اب خون کی ندیاں بہیں گی اور نہ جانے کتنی نسلوں تک بہتی رہیں گی۔ حجرِ اسود یونہی زمین پر پڑا رہے گا۔ اسے بھی کسی کے خون سے نہلایا جائے گا۔

حُسنِ اتفاق سے قبائلِ قریش کا ایک بزرگ ــــ اَبُو امیّہ بن مُغیرہ مخزومی بروقت آجاتا اور معاملے کی تہہ تک پہنچ کر تجویز پیش کرتا ہے کہ جو شخص سب سے پہلے صفا کے دروازے سے حرم میں داخل ہو، وہ جو فیصلہ کرے، اسے تسلیم کر لیا جائے۔ قبائل تجویز مان لیتے ہیں۔

اللہ کا کرنا کیا ہوتا ہے، محمد عربیؐ سب سے پہلے تشریف لاتے ہیں۔ سب بے ساختہ بول اٹھتے ہیں ــــ

هٰذَا الامین۔ رضینا بحکمہ

(یہ امین ہیں۔ ہم ان کے حکم پر راضی ہیں۔)

حضورؐ کمال دانش سے خطرناک صورتِ حال ٹال دیتے ہیں۔ زمین پر چادر بچھاتے ہیں۔ اس پر حجر اسود رکھا جاتا ہے۔ سب سردار مل کر چادر پکڑ کر اٹھاتے ہیں۔ حضورؐ حجرِ اسود کو اپنی جگہ پر جماتے ہیں۔ خوں ریزی کا امکان جاتا رہا۔

دورِ جاہلیت کے عربوں میں بعض خوبیاں بھی تھیں لیکن منفی سوچ، نظریے اور ہدایت کے فُقدان ــــ قتل و غارت اور انتقام کے وحشیانہ رویّے نے انہیں کہیں کا نہ رکھا تھا۔ نبیٔ آخر الزماںؐ جو سراپا رحمت تھے اپنی قوم کے اس رویّے کو کیونکر گوارا کرتے چنانچہ آپؐ نے انتقام کی خوں آشام ریت کی بیخ کنی کے لیے اپنے آخری خطبۂ حج میں اعلان فرمایا

جاہلیت کے دور میں جو وارداتیں ہوئیں ان کے جھگڑے ملیا میٹ کرتا ہوں
اپنے خاندان کا پہلا خون یعنی ابنِ ربیعہ بن الحارث کا خون معاف کرتا ہوں۔

Marfat.com

یہ خون ہذیل نے کیا تھا۔

اس کے ساتھ ہی عہدِ جاہلیت کی منات دیوی جسے                    نے گھوڑی پر پھینکا تھا صفحۂ ہستی سے مٹ گئی۔ اس کا کوئی نام لیوا نہ رہا۔ یہ دیوی ہنود کی کالی، چنڈی دیوی اور درگا دیوی کے ہم پایہ تھی۔ خون ریزی کی سرپرستی اس کا شیوہ تھا۔

ایسے ماحول میں کوئی اچھا تمدن کیونکر پنپتا جہاں انسانوں میں نسلی عصبیت اور انتقام کا جذبہ جڑ پکڑ چکا ہو! عہدِ جاہلیت میں کل چار مہینے ــــ شوال، ذیقعد، ذی الحج اور محرم ایسے تھے جن میں خوں ریزی موقوف تھی۔ ایسے میں وقتی طور پر انتقام کی بھٹیاں ٹھنڈی پڑ جاتیں ورنہ باقی ایام میں تیغ زنی کے جوہر دکھائے جاتے۔ اس میں بھی خرابی کی گنجائش رکھ لی جاتی۔ ضرورت کے مطابق تقویم میں ردّ و بدل کیا جاتا اور مہینے آگے پیچھے سرکائے جاتے۔ اسلام نے تمام مہینوں کو بلاتخصیص امن و امان کے لیے روا رکھا البتہ کفار کے حملے کا اسی آن جواب دیا گیا۔

جہاد اسی دفاع اور رفاہی مقصد کے لیے فرض ہوا۔ فوجی تدبیر سے جان دینا یا موقع کی مناسبت سے اپنا بچاؤ کرنا۔ اور شر کو مٹانا بہترین عبادت ہے۔ مسلمانوں کو حق دیا گیا کہ جو انہیں مٹانے کی سعی کرے، اسے مٹایا جائے، جو لشکرکشی کرے یا اس کی تیاری کرے اس سے جنگ کی جائے۔ انتظار نہ کیا جائے کہ دشمن حملہ آور ہو اور سرحد پار کر کے ملک میں داخل ہو جائے بلکہ آنکھ کھولی جائے اور اس کی آمد سے قبل اس کے گھر میں جا کر اسے تباہ و برباد کیا جائے جیسا کہ غزوۂ تبوک میں رسولِ اکرمؐ نے کیا۔ [1]

---

[1] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو راقم الحروف کا مضمون بعنوان 'غزوۂ تبوک' مطبوعہ اردو ڈائجسٹ لاہور مورخہ یہ غزوہ تاریخ اور سیرت کی کتب کا نہایت اہم، منفرد اور دل آویز موضوع ہے۔

Marfat.com

آپؐ کو اطلاع ملی کہ شام کی سرحد پر قیصر ہرقل جارحیت کی غرض سے بھاری لشکر جمع کر رہا ہے جس کی تعداد چالیس ہزار ہے۔ غسان کے حکمران نے بھی لشکر تیار کیا اور ہرقل کی اعانت سے مدینے پر حملہ کرنے کی ٹھانی ہے۔ مدینے میں ایک سال کی خشک سالی کے بعد موسم بدلا۔ کھجوریں پک گئیں جو معیشت کو سنبھالا دینے کا نہایت اہم ذریعہ ہیں۔ لوگ اس خوشگوار صورتِ حال سے بہت مطمئن ہیں لیکن بیرونی خطرے کے پیشِ نظر آپؐ نے فیصلہ کیا کہ جنگ دشمن کے گھر میں جا کر لڑی جائے اور میدانِ جنگ میں پہلے پہنچا جائے چنانچہ اعلان فرماتے ہیں کہ لوگ سرحدِ شام پر حملہ کرنے کی غرض سے تیار ہو جائیں۔ ادھر خوشحالی کے دن اور ادھر موسم اس قدر گرم کہ گھر سے باہر نکلنے کو جی نہ چاہے۔ کتنے ہی لوگ گھروں میں پناہ لئے بیٹھے ہیں لیکن آپؐ کے حکم کی سرتابی کون کرے؟ تیس ہزار کا لشکر تیار ہو گیا ہے اور آپؐ کی قیادت میں دنیا کے سب سے پہلے لانگ مارچ میں بطیبِ خاطر میں شریک ہوتے ہیں۔ نہ صرف شدید گرمی کا موسم ہے بلکہ غازیانِ اسلام سخت ناقص اور دشوار گزار راستے سے گزرتے ہیں۔ عاد اور ثمود کی حیرت انگیز، ہیبت ناک، عتاب زدہ بستیوں کے کھنڈروں میں سے ہو کر جانا پڑا ہے جہاں کنویں زہریلے اور ریگ زار طوفان انگیز ہیں۔ بہرحال آپؐ شام کی بستی میں پہنچتے ہیں۔ آپؐ کی آمد کی اطلاع پاتے ہی دشمن فرار ہو چکا ہے[1]

---

[1] عدم تشدد کی تمام تحریکیں ہمیشہ ناکام رہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کی یہ تعلیم عملی زندگی میں چنداں افادیت نہیں رکھتی کہ جو ایک گال پر طمانچہ مارے اس کے آگے دوسرا گال بھی کر دو! ——
اسلام ظلم اور زیادتی کے انسداد اور حق کی راہ پر چلنے کی تلقین ضرور کرتا ہے لیکن ظالموں کے ہاتھ پکڑنے سے نہیں روکتا۔ جب ابوجہل ایسے دشمن سے پالا پڑے تو پھر رعایت کی گنجائش نہیں۔

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

جہد للبقا کے ضمن میں جہاد ضروری اور قانونِ قدرت کے عین مطابق ہے۔ یہ عمل پیہم ہے۔ امن کے دنوں میں جہاد بالسّیف کے لئے مشقیں کرو، ہتھیاروں کی فراہمی اور تربیت میں مصروف رہو، تیاری کرو، دشمن کی تیاریوں اور چالوں کا کھوج لگاؤ۔ زبان اور قلم سے کام لو۔ مال وزر بیدریغ صرف کرو!

جب دشمن کسی دلیل سے قائل نہ ہو، امن و صلح کی تدبیریں ناکام ہو جائیں اور وہ اپنے ہلاکت خیز عزائم سے باز نہ آئے تو اس کی خبر تلوار سے لو جہاد بالسّیف ہی آخری علاج ہے۔

عہدِ جاہلیت میں ایک اور قبیح رسم عریانی کی صورت میں رائج تھی۔ یوں تو قدیم معاشروں میں عریانی عیب نہ سمجھی جاتی تھی۔ قدیم یونان میں کھیل کے میدان میں لوگ کپڑے اتار دیتے۔ ہر سال ننگی عورتوں کا جلوس نکلتا۔ اس طرح ناتواں عورتوں کو تندرست و توانا عورتوں کی معیت میں شرم دلائی جاتی۔ ان میں تندرست رہنے کا جذبہ پیدا کیا جاتا۔ ادھر افریقہ کی متعدد بستیوں

---

ہند میں گوتم بدھ نے عدم تشدّد کی تعلیم دی لیکن اس کا جو حشر ہوا وہ سب کو معلوم ہے۔ فرعون آخنِ عطون نے اپنے دین کی تلقین میں عمر گزار دی۔ اپنے محروسہ علاقوں میں دشمنوں کی سازشوں اور بغاوتوں کا سدِباب نہ کیا۔ آخر کار کمزور اور ناکام ہوا۔ ادھر اس کی آنکھیں بند ہوئیں اور ادھر حریف برسرِ اقتدار آگیا۔ اس کا دین بھی پلک جھپکتے میں مٹ گیا ــــ قوت اور توانائی کے بغیر نظامِ قدرت چل ہی نہیں سکتا۔ ع

ہے مرضِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

طاقت اور توانائی لابدی ہے۔ ان کا صحیح استعمال ہونا چاہیے۔ بے جا استعمال کی اجازت نہیں کہ اس سے امن غارت ہوتا ہے اور اسلام غارت گری کا رول ادا نہیں کرتا۔

Marfat.com

میں لوگ ننگے رہتے ہیں۔ ان کے یہاں ننگا پن عیب نہیں۔ ننگے مردوں اور ننگی عورتوں کی تصویریں مغرب کے رسائل و جرائد اور کتب میں بڑے اہتمام سے چھاپی جاتی ہیں۔ چند سال قبل افریقی رہنما لوممبا کے قتل پر اس کی بیوہ آہ و بکا کرتے وقت ننگے دھڑ سے تھی۔ مغرب کے مہذب و متمدن لوگ بلو پرنٹ میں کردار ادا کرنے کو معیوب نہیں جانتے۔ ٹاپ لیس اور باٹم لیس عورتوں کے مناظر دیکھے جا سکتے ہیں۔ وہاں بہزار شکل عریانی مروج ہے۔ ننگوں کے کلب، بڑے بڑے ہوٹل، ناچ گھر اور جھرکہ درشن والے منڈوے بے حیائی اور بے باکانہ عریانی کی بدولت بے تحاشا روپیہ کماتے ہیں۔ لاریب مغربی ممالک میں عریانی جنسی ترغیب، بے راہروی، سفلی جذبات کی تسکین اور ناجر پیشہ لوگوں کا محبوب و مرغوب دھندا ہے۔ جرائم پیشہ لوگ گروہ در گروہ جسم فروشی اور عریانی کے منفعت بخش کاروبار میں لگے ہیں۔ رسوائے زمانہ تنظیم ____ مافیا کی گرفت میں کال گرلز کی بہت بڑی کھیپ اور فحاشی کے بڑے بڑے اڈے بھی اس کی ملک ہیں۔ کیا مجال جو کوئی اسے چیلنج کرے اور اس کا راستہ روکے۔ اس کی بدولت بڑے بڑے سمگلر حکومت سے ٹکرانے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ بہر حال یہ سب کچھ اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ پھر کعبے میں تو عریانی ناقابلِ برداشت تھی مگر کعبہ تو تہذیب و تمدن کی اشاعت کا اہم ترین ذریعہ تھا۔ یہاں انسان کو مساوات اور اتحاد کی عملی تربیت دی جاتی۔ ابراہیمؑ نے اسے بہترین مقاصد کے لیے تعمیر کیا۔

پورِ آدم کعبہ را تعمیر کرد
از نگاہے خاک را اکسیر کرد

(اقبال علیہ الرحمۃ)

یہ بڑی افسوس ناک حقیقت ہے کہ عرب کی اقوام رفتہ رفتہ دینِ ابراہیم کی حقیقت سے نابلد ہو گئیں اور انہوں نے اللہ کے گھر کو بتکدہ بنا لیا۔ اس میں بت اور موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور مریمؑ کی تصاویر رکھ لیں۔ اللہ کو مانتے تو تھے ____ رسولِ اکرمؐ کے والدِ گرامی کا نام عبداللہ تھا

Marfat.com

لیکن کفار نے اللہ کے ذہنی بدوش لات، منات، عزیٰ، نائلہ اور سُواع دیویاں گھڑ لیں، دیوتا بھی گھڑ لیے۔ علاوہ ازیں گھوڑے، گدھ اور شیر کی شکل وصورت کے بت بھی بنا لیے ایک زانیہ اور ایک زانی کا بت بھی قربان گاہ کے پاس دھر لیا۔ بالعموم تجارتی کاروانوں کے ذریعے بت پرستی عرب کی حدود میں آئی۔ لوگ اپنے ناموں میں بتوں کے نام یوں شامل کرتے عبدالعزیٰ، عبدالود۔ شرک ان کے معتقدات اور معمولاتِ حیات کا جُزوِ لاینفک بن گیا۔ کعبے کے اندر اور صحن میں بھونڈی اور مضحکہ خیز شکلوں والے ۳۶۰ بُت رکھ لیے گئے

حج کے موقع پر عرب کے گوشے گوشے سے آنے والے حجّاج طواف کرنے کے لیے مقررہ قواعد کے مطابق قریش کے مجاوروں اور متولیوں سے دام دے کر کپڑے لیتے۔ اپنے کپڑوں میں حج نہ کرتے۔ جن مَردوں یا عورتوں کے پاس دام نہ ہوتے انہیں ننگے ہو کر طواف کرنا پڑتا ــــ مذہب کی اس سے بڑھ کر رسوائی اور کیا ہوگی ؛ علاوہ ازیں اس مذموم رویّے سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ عہدِ جاہلیت میں پیسہ نہ ہوتا تو لوگ (مرد وزن) عریاں ہونے میں جھجک محسوس نہ کرتے۔ اس سے لوگوں کے اخلاقی معیار اور معاشرتی رویّے کا بھی پتہ چلتا ہے۔

عورتیں پردہ نہ کرتیں۔ یہی نہیں کہ مَردوں سے ملنے میں انہیں عار نہ ہوتا بلکہ عشق کرنا انسانیت کے دائرے میں داخل ہوتا تھا[۱]۔ وہ بندہ گھٹیا سمجھا جاتا جو کسی نہ کسی عورت سے

---

[۱] آج کے تمدّن میں اہلِ مغرب میں کنوارپن ذریعۂ عزّت یا وجہِ امتیاز نہیں۔ شادی سے پہلے لڑکے لڑکیاں بے تکلف اختلاط کرتے ہیں۔ تعلیم کے دوران ہی میں ہر ایک اپنے اپنے جوڑے بنا لیتا ہے۔ جو لڑکی یا لڑکا جوڑا بنانے میں ناکام رہا، بدنام ہوتا ہے۔ کوئی جوڑا لازماً پائیدار نہیں ہوتا۔ آئے دن جوڑے ٹوٹتے بنتے رہتے ہیں۔ پھر شادی بھی ہوتی ہے لیکن شادی کے بعد طلاق کا سلسلہ شروع ہوتا اور بالعموم عمر بھر جاری رہتا ہے۔ ادھر شادی ہوئی، ادھر ٹوٹی، نئی شادی ہوئی،

Marfat.com

وہ بندہ گھٹیا سمجھا جاتا جو کسی نہ کسی عورت سے تعلق پیدا نہ کرتا اور لوگوں کو اس سے آگاہ نہ رکھتا۔ ہر ایک شاعر بھی ہوتا اور اپنی عُنیزہ کی تعریف کرتا۔ عریاں اشعار بلا تامّل پیش کرتا۔ عریاں نگاری معیوب نہ تھی۔

عُکاظ اور دوسرے میلوں پر قصیدے پڑھے جاتے۔ بہترین قصیدہ کعبے پر آویزاں کیا جاتا چنانچہ امراءُ القیس، لبید، عَنترہ، عمر بن کلثوم وغیرہ کے سات قصیدے آویزاں ہوئے جنہیں سبعہ معلّقات کے نام سے ادبی تاریخ میں یاد کیا جاتا ہے۔

شاعر نسائی حُسن اور معاملات کے بیان میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی

---

وہ بھی ٹوٹ۔ اس کی غور طلب مثال دنیا کی سب سے مہنگی اداکارہ ــــ الزبتھ ٹیلر ہے۔ اس کی شہرت کا کوئی ٹھکانا ہے، نہ دولت کی کوئی کمی۔ کمی ہے تو ایسے شوہر کی جو زندگی بھر کا ساتھی ہو اب تک آٹھ شوہر آزما چکی ہے، فہرست میں ہلٹن جوئیر ایسا کروڑپتی بھی شامل ہے۔ بڑے بڑے دولت مند اور شہرۂ آفاق لوگ اس کے طلبگار رہتے ہیں۔ بوڑھی ہو چکی ہے لیکن ندیدہ پن جوان عورتوں جیسا ہے۔

مغربی معاشرے میں الزبتھ ٹیلر ایسی عورتوں کی کوئی کمی نہیں۔

ذاتی مشاہدے کی بات ہے دوسری عالمگیر جنگ کے زمانے میں میں بھوپالی ملٹری ہیڈ کوارٹرز میں تھا جہاں ایک انگریز کرنل (سینیئر سپیشل سٹیشن آفیسر) مقامی معاملات کا نگران تھا۔ اس کی جواں سال لڑکی کم آمیز تھی۔ فوج کے فرنگی جوانوں کو سخت شکایت تھی۔ یہ شکایت کسی رنگ میں کرنل تک پہنچی تو اس نے کہا ــــ

I AM SORRY. SHE IS VERY SHY

اس جواب یا ریمارک سے عیاں ہے کہ اہلِ مغرب کو ایسے بچّے اچھے نہیں لگتے جو شرم وحیا کے باعث والدین کو شرمسار کریں۔ شرم وحیاء کی بناء پر انہیں معذرت کرنی پڑتی ہے۔

Marfat.com

سعی کرتے۔ گویا جنس، عریانی اور فحاشی ادب کی اہم جمالیاتی قدریں تھیں۔
قبائلی شاعروں کے لیے لڑائی بھڑائی اور نسلی برتری دل پسند موضوع تھے۔
کافر شعراء لغویات پر اپنی تخلیقی قوت صرف کرتے۔
بہادر اور بے باک تھے لیکن آپس ہی میں لڑتے اور تباہی مچاتے رہتے۔ اشہر حرام
۔۔۔ محرم، رجب، ذیقعد اور ذی الحج میں تلوار نیام میں رکھتے۔ انہی مہینوں میں تجارت کرتے، حج کرتے، میلے مناتے اور شاعروں کی تخلیقات سے لطف اندوز ہوتے۔ باقی مہینے لڑنے مرنے میں کٹتے۔ ایسے میں خاک کوئی تمدن بروئے کار آتا۔ اس اعتبار سے عرب خالی ورق کی طرح ہوا میں اڑتا رہتا۔

لوگ پڑھنے سے سروکار نہ رکھتے البتہ بلا کے حافظے تھے ان کے۔ ہزاروں شعر نوکِ زباں رہتے۔ قصیدے زبانی ہی سناتے۔ گنتی کے لوگ پڑھے لکھے تھے۔ وہی کاروبار اور تجارتی کاروانوں کے اموال اور سود و زیاں کا حساب رکھتے۔ عربوں نے دنیا میں سب سے پہلا بنک کھولا۔ بینکنگ سسٹم تجارتی نفع و نقصان اور سودی دھندے کے لیے تھا۔ آج کے کوآپریٹو بنکوں کے خط و خال چودہ سو سال قدیم کے ان کمرشل بنکوں سے ملتے جلتے ہیں جو عربوں نے مکے میں رائج کیے۔

ہر صبح و شام قبائلی سردار کعبے کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھتے۔ ان کے غلام احکام کی بجا آوری کے لیے ان سے دور جا بیٹھتے۔ ان میں اتنی جرأت نہ تھی کہ اپنے آقاؤں کی باتیں سنتے۔ بڑوں کی محفل میں دنیا جہان کے قصوں قضیوں پر گفتگو ہوتی۔ یہیں لوگ بیٹھتے، یہیں ان میں پھوٹ پڑتی۔ کوئی ایسا نظریہ یا رویہ درمیان میں نہ ہوتا جس کے ذریعے وہ قومی سطح پر سوچتے اور مربوط و متحد ہو سکتے۔ ہر بات نسلی اور قبائلی حوالے سے کی اور سنی جاتی۔

Marfat.com

پھر جب قرآن نازل ہوا تو حسن وجمال اور نورِ بصیرت کا ایسا سیل آیا کہ ایّامِ جاہلیت والی ساری فصاحت و بلاغت اور فہم و فراست کی ساری لغویات تنکے کی مانند بہہ گئی۔ اسلام کا سورج طلوع ہوتے ہی چٹائی اور بوریے کو عزّ و شرف ملا۔ سادگی اور افلاس کی قدریں جنہیں شاہانہ دور میں حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا، یکایک اپنی نئی انقلابی اور اخلاقی سرمائے کے باعث فرش تا عرش موجبِ احترام ٹھہریں۔ وہ بساط الٹ گئی جس پر نامی گرامی لوگ چالیں چلتے، بے بس اور بے کس پیادے پٹے جاتے۔ سیّدنا بلالِ حبشیؓ اہم شخصیت بن گئے، اب وہ غلام نہ تھے۔ بڑے بڑے آقا انہیں سلام کرتے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ ایسے بلند پایہ صحابی ان سے کاندھا جوڑ کر کھڑے ہوتے صفِ اوّل میں انہیں جگہ دیتے۔ وجاہت اور دبدبے والے لوگ پچھلی صفوں میں بخوشی کھڑے ہو جاتے۔ مسجد ہو یا کوئی محفل، خاندانی تفاخر بے معنی ہو گیا۔ حفظِ مراتب اور بڑے لوگوں کے آداب بدل گئے۔ جو کچھ غارت ہوا وہ غارت ہونے کے لائق تھا۔ جس نے اس کی جگہ لی وہ بے حساب اوصاف کا علمبردار اور آئینہ دار تھا۔

کفّار کے لیے یہ انوکھی صورتِ حال ان کی سوچ سے ماورا تھی۔ وہ اس ناقابلِ فہم انقلابی تمدنی ہیئت سے بلاوجہ خوف زدہ نہ ہوتے، انہیں اپنے پاؤں تلے سے زمین کھسکتی دکھائی دی اور وہ جان نہ سکے کہ یہ زمین کھسکی تو اس سے کہیں زیادہ خوبصورت تہذیبی فکر و عمل سے مالامال اور پائیدار اساس میسر آئے گی۔ وہ حیران اور پریشان ہوئے پوری فکرمندی سے اپنی قبائیں، قالین اور حویلیاں بچانے کے درپے ہوئے لیکن موج ہوا اتنی تند و تیز تھی کہ ان کی صدیوں کی متاع پرکاہ بن کر اڑ گئی۔ وہ رسولِ اکرمؐ سے اس بری طرح ڈرتے جس طرح الّو روشنی سے ڈرتے۔ ابولہب ہر وقت پیچھا کرتا اور لوگوں کو آپؐ کی باتیں سننے سے روکتا۔ طفیل دوسی نامی سردار نے جب تک آپؐ کی زبانِ مبارک

Marfat.com

سے کلمۂ حق نہ سنا اور اسلام قبول نہ کیا، کانوں میں روئی ٹھونس رکھی۔ خدائی کلام اور آپؐ کی باتوں میں کچھ ایسی تاثیر تھی، ایسا سحر تھا کہ بندہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔

جب رسول اکرمؐ نماز پڑھتے ہوئے بآوازِ بلند قرآن پڑھتے تو کفار وہاں سے ادھر ادھر سرک جاتے۔ کفار کو قرآن سننے کی اجازت نہ تھی[1]۔ اپنے بڑوں کے ڈر سے چھپ چھپ کر قرآن سنتے[2] لیکن اسلام قبول کر کے خطرہ جان مول لینے سے گھبراتے۔ سرداروں اور کاہنوں کی مرضی کے خلاف کوئی اقدام نہ کرتے۔

قرآن کا یہ معجزہ ہے کہ جو اسے سن لے، اس کے دل پر دستک دیتا ہے۔ عصبیت کا قفل ٹوٹنے میں کبھی وقت لگتا اور کبھی طالب حق اسی آن ایمان لے آتا ہے۔

نجاشی کا واقعہ بھی بیان کرنے کے لائق ہے ——

---

[1] رسول اکرمؐ کے بعد عبداللہ بن مسعودؓ پہلے صحابی تھے جو نماز پڑھتے وقت بالجہر (باآوازِ بلند) قرآن کی تلاوت کرتے۔

[2] ابن ہشام کی کتاب السیرت (ترجمہ اے۔ گلام مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۵۴) میں مذکور ہے کہ ابو سفیان بن حرب، ابوجہل (عمرو بن ہشام) اور اخنس بن شریق اپنے اپنے طور پر ایک رات چھپ کر حضورؐ سے قرآن سننے گئے۔ آپؐ گھر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ ہر ایک ایسی جگہ چھپ کر بیٹھا کہ اسے کوئی اور دیکھ نہ سکے۔ حضورؐ رات بھر تلاوت فرماتے رہے۔ یہ تینوں صبح ہوتے ہی وہاں سے رخصت ہوئے۔ راستے میں ایک دوسرے سے ملے۔ بھانڈہ پھوٹ گیا۔ لعن طعن کرنے لگے۔ یہ عہد کر کے الگ ہوئے کہ دوبارہ ایسی حرکت نہیں کریں گے لیکن اس پر قائم نہ رہ سکے۔ مزید دو رات تک یہی حرکت کرتے اور وعدہ شکنی پر ایک دوسرے پر لعنت بھیجتے رہے۔

Marfat.com

جب کفارِ مکہ نے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا اور ظالموں کے دل کسی طور نہ پسیجے تو رسولِ اکرمؐ کے ارشاد پر مسلمان ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے۔ کفار طیش میں آئے انہیں اس بات کا بڑا صدمہ تھا کہ مسلمان ان کی گرفت سے نکل گئے۔ اب وہ کیسے انہیں تختۂ مشق بنائیں گے اور انہیں دوبارہ کفر کے دائرے میں لائیں گے چنانچہ انہوں نے عبداللہ بن ابو رَبیعہ اور عمرؔو بن العاص بن وائل کو حبشہ بھیجا تاکہ مسلمانوں کو واپس لائیں۔ انہوں نے نجاشی اور اس کے امراء کے لیے تحائف بھی بھیجے۔

انہوں نے حبشہ جا کر مقامی امراء اور نجاشی سے شکایتاً کہا، "ہم لوگوں میں سے چند احمقوں نے شاہ کے ملک میں پناہ لی ہے۔ انہوں نے ہمارا آبائی مذہب ترک کر دیا ہے اور کوئی نیا مذہب لے آئے ہیں۔ اُس کے بارے میں ہم کچھ جانتے ہیں نہ آپ۔ انہیں ملک بدر کر کے ہمارے حوالے کیا جائے۔"

نجاشی نے مسلمانوں کو طلب کیا تاکہ کفار کی شکایت پر ان کا نقطۂ نظر معلوم کرے۔

مسلمان آئے تو ان کی طرف سے حضرت جعفر طیّار نے جواباً عہدِ جاہلیت کی بیہودگیوں اور اسلام کی خوبیوں کا تذکرہ کیا جس سے نجاشی مطمئن ہوا[1]۔ کفار نے نجاشی سے یہ بھی کہا کہ

---

[1] حضرت جعفر طیّارؓ نے کہا "اے بادشاہ! ہم غیر مہذّب تھے۔ بتوں کو پوجتے، مردار کھاتے، فحش حرکات کرتے، فطری رشتوں کی بے حرمتی کرتے، مہمانوں سے بری طرح پیش آتے اور ہم میں جو زبردست تھے وہ زیردستوں کو کھا جاتے۔ رسولؐ کے آنے تک ہم یہی کچھ کرتے رہے۔ رسول اکرمؐ کے خاندان، ان کی راست بازی، امانت و دیانت اور رحم و کرم سے ہم آگاہ تھے۔ انہوں نے خدا کی وحدانیت اور خدا کی عبادت کا درس دیا۔ پتھروں اور تماثیل کو مسترد کرنے کو کہا جنہیں ہمارے بڑے پوجتے تھے۔ رسولؐ نے ہمیں سچ بولنے، وعدہ پورا کرنے، رشتوں کا احترام کرنے اور مہمان نوازی کے لیے کہا۔ فحش حرکات اور جھوٹ سے منع فرمایا۔ عورتوں کی عصمت

Marfat.com

مسلمانوں کو مسیح ابن مریم کے بارے میں اپنا عقیدہ بیان کرنے کو کہا جائے۔ حضرت جعفر طیارؓ نے ایسا مسکت جواب دیا کہ کفار کی سازش ناکام رہی۔ انہوں نے سورۃ ۱۹ کی آیات سنائیں تو نجاشی اور اس کے امراء کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں پادری تک رو پڑے قرآن کا معجزہ ایک عیسائی مملکت میں عیاں ہوا تو کفارِ مکہ پریشان ہوئے۔

قرآن کے اس معجزے کو کون جھٹلائے جو اپنے مواد، بیان، اسلوب اور حرف و صوت کی شیرازہ بندی میں لاجواب ہے؟ جس کی ایک ایک آیت بے بدل ہے۔

اہل عرب کو ان کے جغرافیائی حالات اور طرزِ حیات نے بھی غیر متمدن اور جاہل رکھا۔ ان کے آس پاس بازنطینی اور ایرانی سلطنتوں نے تمدنی اعتبار سے خوب ترقی کی تھی لیکن یہ ترقی عارضی ثابت ہوئی اور اسلام کی آمد پر ان کے معاشرے دم توڑ گئے عہدِ جاہلیت میں عرب پر ایران اور بازنطین کا چنداں اثر نہ پڑا۔ صحرا اور پہاڑوں کی دنیا سے انہیں کیا لینا تھا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اہل عرب نے کبھی دیگر ملکوں پر کوئی اثر نہیں ڈالا۔ ایک دور ایسا بھی گزرا کہ عربوں کی سامانی نسل نے فراعنہ کو شکست دی اور چرواہا بادشاہوں ـــــ ہکسوس نے چند صدی تک مصر پر حکمرانی کی۔ عربوں

---

دری اور یتیموں کا مال ہڑپ کرنے سے روکا۔ صرف اور صرف خدا کی عبادت کرنے اور شرک سے باز رہنے کو کہا۔ عبادت کرنے، خیرات دینے اور روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ ہم نے ان کی سچائی کا اقرار کیا، ان پر ایمان لائے اور جو کچھ خدا کی طرف سے ان پر نازل ہوا اس کی بجا آوری کی۔ جس سے منع کیا، اس سے احتراز کیا۔ جسے انہوں نے باضابطہ قرار دیا، اسے ہم نے باضابطہ قرار دیا۔

(رحمۃ للعلمین، صفحہ ۱۵۱، ۱۵۲)

Marfat.com

ہی میں سے عاد اور ثمود تھے جنہوں نے پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر بے جوڑ عالیشان محل تعمیر کئے لیکن جب حضورؐ اکرم تیس ہزار جیالوں کا لشکر لے کر ادھر سے گزرے تو وہاں ویرانی کے سوا کچھ نہ تھا۔ دھول اڑتی تھی، آندھیاں چلتی تھیں اور کنویں زہریلے ہو چکے تھے۔ یمن نے بھی ترقی کی لیکن وہ بھی سفرِ حیات طے کر کے موت کے منہ میں جا چکا تھا۔ عرب کی سرزمین کا کوئی والی وارث نہ رہا۔ لوگ لڑکھڑا رہے تھے ____

"ملک کے اندر آزاد گروہ خانہ بدوشی کے عالم میں اونٹوں پر اپنے خیمے اور چھولداریاں لادے ہوئے سفر کرتے اور پھرتے ہوئے دیکھے جاتے رہے ہیں۔ سبزہ، پانی اور ضروریاتِ زندگی کی کمی نے ان کے تمدن کو ترقی کرنے نہیں دی اور ان کی معاشرت میں کوئی نمایاں اصلاح اور قابلِ ذکر تغیر واقع نہ ہوا۔ مشاغل کی کمی اور مناظر کی یک رنگی نے ان کی فرصتوں کو بہت وسیع اور فارغ اوقات کو بہت طویل کر دیا تھا۔ ریگستانوں کی وسعت وکثرت پیداوارِ ملکی اور قیمتی اشیاء کی ناپیدگی، آبادیوں اور شہروں کی قلت نے کسی بیرونی فتح مند قوم اور ملک گیر بادشاہ کو ملکِ عرب کی طرف متوجہ نہ ہونے دیا۔ سیاحوں اور تاجروں کو متوجہ کر لینے کا بھی کوئی سامان اس جزیرہ نما میں نہ تھا۔ لہٰذا غیر قوموں اور دنیا کے دوسرے ملکوں کو ترقیات سے اہلِ عرب عموماً بے خبر رہے اور کسی بیرونی ملک اور بیرونی قوم کے تمدنِ اخلاق اور معاشرت سے اہلِ مغرب متاثر نہ ہو سکے۔

خواجہ حالیؔ نے عرب کی نسبت بالکل صحیح لکھا ہے ؎

نہ وہ غیر قوموں پہ چڑھ کر گیا تھا

نہ اس پر کوئی غیر فرماں روا تھا"

("تاریخِ اسلام" از مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی، طبع یازدہم جلد اول ص ۵۶، ۵۷)

Marfat.com

صدیاں بیت گئیں۔ اہلِ عرب سمٹ سکڑ کر محدود پیرائے میں زندگی گزارتے رہے۔

حیرت ہے کہ رسول اکرمؐ کے آتے ہی عرب کے بند دروازے کھل گئے۔ ذہن اور قلب کے دریچے وا ہوئے تو فکر و نظر میں آفاقیت آ گئی۔ اخلاق کی معینہ آفاقی اقدار کی بدولت عرب کی سرحدیں پھیلنے لگیں اور پھر بہت کم مدت میں کرۂ ارض کا بہت بڑا حصّہ ان کے تصرف میں آ گیا اور وہ سُپر پاور بن گئے۔ یہ قرآن اور سُنّت کا فیض تھا جس نے صحرانشینوں کو دنیا بھر میں پھیل جانے کی راہ سُجھائی اور مسلمانوں نے علانیہ کہا ؎

ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست

قبائلی نظام ٹوٹ پھوٹ گیا۔ کلمہ گو ایک پرچم تلے جمع ہو گئے۔ پرانے طور طریقے ناکام ثابت ہوئے۔ روشنی اور روشن خیالی کا چلن ہوا۔ تمدّن کی اساس یکسر بدل گئی۔ اب پاکبازی اور خیر و شر کا تعیّن ان اقدار سے ہوتا جو قرآنی تعلیمات اور زندہ قرآن ـــــ محمد عربیؐ کی سیرت سے مرتّب ہوئیں۔ یہ تصوّر انقلاب آفریں بھی تھا اور عملاً ہر اعتبار سے سہل الحصول بھی۔ تب بھی تھا، اب بھی ہے آئندہ بھی ہوگا۔ امامت اور قیادت موروثی نہ تھی۔ دولت و ثروت اور رنگ و نسل کے حوالے سے کسی کو امامت اور قیادت نہ ملتی صرف صلاحیت دیکھی جاتی ـــــ تہذیب و تمدّن کی یہ رفیع الشان اساس تاریخِ مذاہب کا زریں ترین کارنامہ ہے۔ مسلمانوں کو زوال آیا اور دنیا پر وبال ٹوٹا تو اس کا سبب وہ اُلجھنیں اور مشکلات تھیں جنہیں اسلام حل کرتا ہے۔ اسلام کو نظر انداز کر کے بندہ اپنا سب کچھ کھو دیتا۔ آج لوگ مالدار ہیں، کروڑ پتی اور ارب پتی ہیں لیکن دیکھا جائے تو بڑے مفلس ہیں۔ دنیا کی ہر آسائش میسّر ہے لیکن دنیا کی سب سے بڑی نعمت جسے منڈی سے نہیں خریدا جا سکتا، انہیں حاصل نہیں۔ سکونِ قلب سے محروم ہیں۔

آج کا تمدّن نظر فریب اور دلآویز ہے لیکن فی الباطن بھیانک ہے۔ اس میں دنیّت

ضلالت اور ہلاکت کے عناصر فراوانی سے پائے جاتے ہیں۔ اس کی روشنی آنکھوں کو چندھیا دیتی ہے لیکن باطن میں اندھیرا پھیلاتی ہے۔ ستاروں پر کمندیں پھینکنے والے بے قراری، پریشانی اور TENSION کا شکار ہیں۔ مغرب کے بھولے بھٹکے لوگ جوگیوں، مہارشیوں اور سادھوؤں کے جال میں پھنس کر اور بھی بُرا حال کر لیتے ہیں۔ منشیات اور جنسی بے راہروی انہیں کہیں کا نہیں چھوڑتی۔ بھانت بھانت کے مذہب فروش انہیں لوٹتے ہیں۔ جُوں جُوں دوا کرتے ہیں مرض بڑھتا جاتا ہے۔ ان کا علاج اسلام کے سوا کسی کے پاس نہیں۔

دولت فی زمانہ عزت اور عظمت و احترام کا پسندیدہ ذریعہ ہے لیکن یہ مصیبت کا موجب بن گئی ہے۔ روپیہ کبھی منڈی میں اجناس کے تبادلے کی مشکل رفع کرنے کے لئے ایجاد ہوا تھا اور افادیت رکھتا تھا۔ آج یہ انتشار، اقتدار اور اختیار کا زبردست ہتھیار بنا لیا گیا ہے۔ روپے کی اصلی اور اساسی افادیت اور قدر و منزلت برائے نام رہ گئی ہے۔ یہ لوگوں، عورتوں، حکومتوں اور اداروں کو خریدنے، کمزور ملکوں کی معیشت تباہ کرنے، غلامی اور افلاس پھیلانے نیز استحصال کا سب سے بڑا حربہ بن گیا ہے۔ ذخیرہ اندوزی، چور بازاری اور کتنے ہی دوسرے بڑے بڑے جرائم اسی کے غلط استعمال سے پیدا ہوتے ہیں۔ اکتنازِ زر اور افراطِ زر اس دور کی بدترین لعنتیں ہیں۔

آج سیم و زر شیطانی چرخہ چلانے کے کام آتے ہیں۔ اس چرخے کی گردش سے ہوس، بے حیائی، لوٹ مار اور قتل و غارت کو فروغ ملتا ہے۔ چودہ صدی قبل محمد عربی پر آیۂ کریمہ نازل ہوئی تھی ـــــ

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ

Marfat.com

اللہ فبشرھم بعذاب الیم ۵

(اور جو لوگ سونا اور چاندی ذخیرہ کرتے ہیں اور انہیں اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ اے نبیؐ انہیں سخت عذاب کی خبر سنا دیں)

اس طرح اِنفاق فی سبیل اللہ (اللہ کے نام پر خرچ کرنے) کا حکم نازل کر کے معاشرے کے لئے انفرادی اور اجتماعی طور پر دولت و ثروت کی اِفادیت متعین کی۔ روپے کو گردش میں لانے، معاشرے کو افلاس کی لعنت سے پاک کرنے اور کالے دھن دھندے کی راہیں مسدود کرنے کا یہی بہترین طریقہ ہے۔ اس طرح درسگاہیں، شفاخانے، اور ضعیفوں کی نگہداشت کے ادارے کھولے جا سکتے ہیں۔ کارِ خیر کے لیے فاضل دولت صرف کرنے کا یہی صحیح راستہ ہے۔ اس آیتِ کریمہ سے تہذیب و تمدن کو نیا رہنما اصول ملا جس نے معاشرے کی صدیوں پرانی ہیئت بدل دی۔

آج لوگ ہوسِ زر میں مبتلا ہیں۔ روپیہ ہی ان کے لئے سب کچھ ہے۔ اپنے اور صرف اپنے لئے جائز ناجائز ذریعے سے کماتے اور اپنی ہی ذات پر صرف کرتے ہیں۔ ذخیرہ اندوزی اور معاشی اجارہ داری عالمگیر پیمانے پر ہو رہی ہے جس سے چند لوگ اور چند ملک بے حد مالدار ہو گئے ہیں، باقی تباہ حال ہیں۔ اس دور میں جو تمدن رونما ہوا ہے اس پر کالے دھن والوں اور لٹیروں کا قبضہ ہے۔ یہ سراسر استحصالی اور استعماری تمدن ہے۔ یہ سیم و زر کے کھونٹے سے بندھا ہے۔

دولت بندے کو اسی صورت میں زیب دیتی ہے کہ یہ اپنے ہاتھوں سے کمائی ہو اور اس سے نہ صرف اپنی بلکہ بندگانِ خدا کی بھی بھلائی ہو۔ رزقِ حلال بالخصوص غیر ملکی تجارت سے حصولِ زر کی حد مقرر نہیں۔ آدمی جائز اسلوب سے بے شک جتنا چاہے کمائے لیکن اپنی کمائی میں دوسروں کا حصہ رکھے۔ ناجائز کمائی یا رزقِ سہل اور اسرافِ بے

Marfat.com

جاسے شر کے دروازے کھلتے ہیں۔ معاشرے میں منفی رویے پنپتے اور تخریبی تمدن فروغ پاتا ہے۔ آدمی کا قد گھٹ جاتا ہے۔ مقام و مرتبہ بڑھانے کے لیے ضروری ہے کہ روپیہ حلال طریقے سے کمایا جائے اور نیک طریقے سے کام میں لایا جائے۔

رسولِ اکرمؐ کے عہد میں جن اہلِ ثروت کو عزت اور عظمت نصیب ہوئی ان میں حضرت عثمان غنیؓ بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں۔ ان کا درجہ اس لئے بلند ہے کہ وہ اپنے آقا و مولا محمد عربیؐ کے ارشاد اور اشارے پر تھیلیوں کے منہ بلا پس و پیش کھول دیتے تھے[1]۔ آپؐ کی فرماں برداری اور تابعداری ہی کو مقصودِ حیات سمجھتے تھے۔ ان کے لئے یہ دولت و ثروت سے بڑھ کر سرمایہ تھا۔

غزوۂ تبوک جو تاریخِ عالم میں
سب سے بڑی ملٹری ایکسرسائز تھی
سب سے پہلا مارچ تھا اور
سب سے دشوار مہم تھی۔

---

[1] اسلام کے لئے حضرت عثمان غنیؓ کی خدمات اور فتوحات لائقِ صد تحسین ہیں۔ دشمنانِ اسلام کی الزام تراشی اور جھوٹے پروپیگنڈے کے ذریعے ان کی کردارکشی نہایت مذموم حرکت ہے ان کی شہادت بہت بڑی سازش کے نتیجے میں ہوئی۔ اس میں یہودی منافق عبداللہ بن سبا اور ایسے دوسرے شرپسند شامل تھے جو اسلام کے فروغ اور انقلابی فلسفے سے خوفزدہ تھے وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح مسلمانوں کو آپس میں لڑایا اور اسلام کے اتحاد اور اس کی قوت کو پارہ پارہ کیا جائے۔ ان فتنہ گروں نے شہادتِ عثمانؓ سے شہادتِ حسینؓ تک ریشہ دوانیوں کا ایسا سلسلہ جاری رکھا کہ آج تک ہم سزا بھگت رہے ہیں۔ فرقہ پرستی اور عصبیت کا شکار ہیں۔

Marfat.com

اور جسے غزوۂ عسرت بھی کہا گیا ہے، تیس ہزار مسلمانوں کے جانی و مالی ایثار کی درخشاں ترین مثال ہے۔ ہر صحابی نے اس میں حسبِ استطاعت نذرانہ پیش کیا۔ اس وقت

"حضرت عثمانِ غنیؓ اپنا مالِ تجارت شام کی طرف روانہ کرنے والے تھے۔ انہوں نے وہ تمام مال لشکر کے سامان کی تیاری کے لیے چندے میں دے دیا جس کی مقدار نو سو اونٹ، سو گھوڑے مع سازو برگ اور ایک ہزار طلائی دینار تھی۔"

(مولانا اکبر شاہ خاں، جلد اوّل۔ ص ۱۹۲)

لیکن صرف مال و دولت اور انفاق فی سبیل اللہ وجہِ امتیاز نہ تھی۔ حضرت عثمانِ غنیؓ اخلاق و کردار کے اعتبار سے حیا اور شرم، امانت و دیانت، راست بازی اور تقویٰ ایسے اوصاف بھی بدرجۂ اتم رکھتے تھے۔ یہ اوصاف رسول اکرمؐ کی حیاتِ طیبہ ہی میں نہیں، اس کے بعد بھی قائم رہے۔

اسی طرح اسلامی تمدن میں کسی کا افلاس اسے بلند مقام پر فائز ہونے میں مانع نہیں۔ افلاس کسی طور بھی وجہِ کہتری نہیں۔ حضرت علیؓ اس کی درخشاں مثال ہیں۔ افلاس ان کا درجہ نہ گھٹا سکا۔ اسلامی تمدن میں بندے کے اعمال و افعال دیکھے جاتے ہیں۔ اگر وہ قرآن اور سنت کا اتباع کرتا ہے تو وقیع ہے۔

اسلامی انقلاب نئے رویّے، نئی طرزِ احساس اور نئی تمدنی سوچ لایا۔ اس کی بدولت امارت و ثروت، نسلی، خاندانی اور قبائلی وجاہت اور تصوّر کو مسترد کیا گیا۔ عہدِ جاہلیت کے گمراہ کن تمدن اور معاشرے کو نیست و نابود کیا گیا۔ معاشرتی اور معاشی ناہمواریاں جاتی رہیں۔ "خونِ شہ رنگین تر از معمار" نہ رہا۔ اخوت اور مساوات کا نظریہ فکری اور عملی شکل

Marfat.com

میں خلقِ خدا کو ملا اور رائج ہوا۔ اللہ کے حضور اور قاضی کے سامنے محمود و ایاز برابر ہو گئے عدل و انصاف کے معاملے میں کسی کی دولت و ثروت اور دنیاوی منصب کو خاطر میں نہ لایا جاتا۔ عدل و انصاف سب کو بلا تخصیص، بلا امتیاز اور بہ سہولت میسّر آتا۔

اسی طرح وہ تلوار بھی کند کر دی گئی جس سے بے گناہوں، مظلوموں اور معصوموں کا خون ٹپکتا رہتا تھا۔ جسے مادی وسائل کے حصول، لوٹ مار اور دنیاوی اعزاز کی خاطر کام میں لایا جاتا تھا۔ کھوپڑیوں کے مینار کھڑے کیئے جاتے، شہر اور ملک اجاڑے جاتے۔ سنگدل تیغ زن فاتحِ عالم بننے اور تاریخ کے صفحات میں اپنا نام محفوظ کروانے کی غرض سے بے دریغ انسانی خون بہاتے ـــــ رسولِ اکرمؐ نے اس وحشیانہ انداز کو یکسر موقوف کیا۔ اس کی بجائے آپؐ نے تلوار کو بوریے اور چٹائی کی حفاظت پر مامور کیا چنانچہ مؤرخین گواہ ہیں کہ بوریے اور چٹائی کے محافظ، مسلمان برائے نام لہو بہا کر سپر پاور بنے جب دیکھا کہ مغرور و متکبّر اور بے مہر لوگ طاقت کے نشے میں چُور ہیں، انسان دوستی سے نا آشنا ہیں، حرفِ حق و صداقت پر کان نہیں دھرتے اور راستی کا راستہ روکے کھڑے ہیں، زبان و کلام اور حجت کا دروازہ بند کر بیٹھے ہیں تو بامرِ مجبوری تلوار سے کام لیا گیا۔ بلا سبب کبھی بازوئے شمشیر زن حرکت میں نہیں آیا۔ انہوں نے اپنی بجائے اللہ کا نام بلند کیا۔ بوریے اور چٹائی کی سوچ بڑھائی پھیلائی۔ اس طرح اسلام میں تلوار حرفِ حق کے لیے بے نیام ہوئی۔ اس کی غایت ظالم کو ٹھکانے لگانا اور مظلوم کو پناہ دینا تھا[1]

---

[1] ہلاکو جب تیرھویں صدی کے نصف میں بغداد پر حملہ آور ہوا اور مستعصم باللہ کی خلافت اسی کے وزیر علقمی کی سازش سے ختم ہوئی تو فرات کے پانی کے ساتھ بے گناہ مخلوقِ خدا کا خون

(بقیہ اگلے ص پر)

Marfat.com

تاریخ عالم ایسے واقعات سے لدی پھندی ملے گی کہ مسلمان جس دیس میں گئے وہاں کی مقامی آبادی نے ان کا خیر مقدم کیا، ان کی آمد کو باعث رحمت سمجھا اور ان کے ماتحت سکھ کا سانس لیا۔ فلسطین جب فتح ہوا تو وہاں کی رعایا بہت خوش ہوئی۔ جسے کاہنوں نے بری طرح دبوچ رکھا تھا۔ غلاموں سے بدتر حالت تھی ان کی۔ مسلمانوں کے زیر تسلط انہیں آزادی اور شہری حقوق ملے، انصاف ملا، ترقی کے مواقع ملے، امن و سکون ملا، راحت ملی۔

اسی طرح جب نوجوان محمد بن قاسم نے سرزمین سندھ میں قدم رکھا تو رعایا کی جان عذاب میں تھی۔ بحری لٹیروں اور ڈاکوؤں کے سرپرست راجہ داہر نے ان پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ تب سندھ آج ہی کی طرح نہایت زرخیز ملک تھا لیکن عوام کو بھوک اور افلاس کے سوا کچھ حاصل نہ ہوتا۔ چنانچہ انہوں نے عدل پرور، رحمدل، بہادر اور بے باک محمد بن

---

بہہ گیا۔ بقول ابن خلدون بحوالہ سید امیر علی ہلاکو نے چھ ہفتوں میں دس لاکھ ساٹھ ہزار افراد کو موت کے گھاٹ اتارا۔ تاتاری حملے سے قبل بغداد کی آبادی بیس لاکھ نفوس پر مشتمل تھی۔ ہلاکو کی سٹریٹیجی مسلمانوں کے نظریاتی تمدن کے عین برعکس تھی۔ اس نے بے تحاشا خوں ریزی کی تاکہ ہر طرف دہشت پھیل جائے اور جس بستی کا رخ کرے وہ اپنے آپ زیر ہو جائے۔ اس کے بھائی خانِ خاناں منگو خاں نے اسے مسلمانوں کی غارت گری پر مامور کیا تھا۔ منگو خاں اس دوران میں فوت ہو گیا اور چنگیز خاں کے آئین کے مطابق ہلاکو اور اس کا بھائی قبلائی خاں جو چین کا فرماں روا تھا، تاتار چلے گئے تاکہ نیا خانِ خاناں منتخب کیا جائے۔ قدرت آڑے آئی۔ مصر کے مملوک حکمران نے موقع غنیمت جانا اور آلِ چنگیز کے روسی حکمران برقائی خان کی اعانت سے ہلاکو کے لشکر کو تہ تیغ کیا اور اسلامی مملکتوں کو بچا لیا ــــــ آگے چل کر تاتاریوں نے اسلام قبول کر لیا اور وہ دنیا پر مسلط ہو گئے۔

Marfat.com

قاسم کا ساتھ دیا۔ ہند کا پہلا بندہ اسی با برکت سپہ سالار کے ہاتھوں دائرۂ اسلام میں داخل ہوا۔ پھر جب دمشق میں حالات تبدیل ہوئے، نیا خلیفہ سلیمان بن عبد الملک برسر اقتدار آیا اور محمد بن قاسم کو واپس جانا پڑا تو غیر مسلم آبادی سخت مغموم ہوئی اور اس نے اشکبار ہو کر اس محسنِ اعظم کو رخصت کیا۔ مولانا اکبر شاہ خاں تاریخ اسلام میں رقمطراز ہیں ــــــ

"محمد بن قاسم نہایت سمجھدار، بہادر، مستقل مزاج، نیک طینت اور جوان صالح تھا۔ اس نوجوان نے سندھ و ہند کی فتوحات میں ایک طرف اپنے آپ کو رستم اور سکندر سے بڑھ کر ثابت کیا تو دوسری طرف وہ نوشیروانِ عادل سے بڑھ کر عادل اور رعایا پرور ظاہر ہوا تھا۔" (جلد ۲، ص ۱۵۴)

یہ سب بوریے کی کرامات تھی۔ پھر بھی سوچنا پڑتا ہے کہ اس کرامات، تمدنی و معاشرتی اور معاشی انقلاب کو بروئے کار لانے والی کونسی نئی طاقت تھی جو قبل ازیں کبھی معرض عمل میں نہیں آئی؟ تاریخ عالم ہزاروں سال تک اس سے روشناس نہ ہوئی؟ اس حیران کن سوال کا جواب بہت آسان ہے۔ اس انقلاب کی پشت پر ایک تو قرآن تھا، دوسرے محمد عربی ؐ حرف بہ حرف قرآن کا عملی نمونہ تھے، زندہ قرآن تھے۔

قرآن کے نزول سے پہلے الہامی کتابیں اور علم و دانش کی دوسری کتابیں موجود تھیں لیکن یہ تمام کتابیں

۱) نئے طرزِ احساس سے ہم آہنگ نہ تھیں۔

۲) ان بے شمار مسائل کو حل کرنے سے قاصر تھیں جو پرانے، فرسودہ اور ظالمانہ پروہتی نظام، استعمار اور استحصالی وڈیرہ شاہی نے پیدا کئے تھے، خلقِ خدا کا جینا اجیرن ہو گیا تھا اور ان پر فلاح، خوشی اور خوشحالی کے دروازے بند کر دیے تھے۔

۳) جن میں اسرائیلی انبیاء کی الہامی کتابیں خاص مقام رکھتی تھیں (صدیوں ہیکلوں کے

Marfat.com

اندر کاہنوں کے قبضے میں رہیں اور ادلتی بدلتی رہیں۔ ان کے اصل متون غائب ہو گئے اور نئے متون تیار کر لئے گئے ــــ انجیل ایک سو سال تک ہیکلوں میں بند رہی۔ اس اثناء میں ابنِ خدا، تثلیث اور متعدد دیگر عقائد گھڑے گئے۔ جس طرح کاہنوں نے حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا بنا لیا تھا اسی طرح حضرت عیسیٰ کو بھی خدا کا بیٹا بنا لیا۔

۴) جن میں ویدوں ــــ رگ وید، سام وید، یجر وید اور اتھر وید کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، کبھی عوام کے ہاتھ میں نہیں آئیں۔ برہمنوں کے قبضے میں رہیں۔ کسی کو ان کا علم حاصل کرنے کی اجازت نہ تھی۔ بے چارے شودروں پر تو ایسی سختی کی گئی کہ خدا پناہ۔ اگر قسمت کا مارا کوئی شودر وید کا منتر سن پاتا تو اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈال دیا جاتا۔ ویدوں کی تعلیمات کو اس خوف سے عام نہیں کیا گیا کہ اس طرح عوام برہمنوں کے محتاج نہ رہیں گے نیز برہمنوں نے مخلوقِ خدا کے خلاف مذہباً جو سازش کی تھی، انہیں جاہل رکھ کر جس طور مفاد حاصل کیا تھا، اس کا بھانڈا پھوٹ جانے کا خطرہ لاحق تھا۔

خلاف ازیں قرآن ایک کھلی کتاب تھی اور ہے۔ سچ اور ہدایت کی یہ سدا بہار، لازوال دستاویز کسی پروہت کے قبضہ میں نہیں۔ ہر شخص حتیٰ کہ غیر مسلم کی بھی اس تک رسائی ہے۔ چونکہ یہ کتاب ایک لافانی جمہوری مذہب کی تلقین کرتی ہے، اس لئے یہ مخلوقِ خدا کے سامنے رکھ دی گئی۔ اس میں ایسی کوئی بات نہیں جسے لوگوں سے چھپانے کی حاجت ہو۔ یہ تو بلکہ ہر ایک کو مطالعے سوچنے اور غور کرنے کی دعوت دیتی ہے۔

قرآن کا ایک بہت بڑا وصف یہ ہے کہ یہ ہر زمانے، ہر دور اور ہر آدمی کے لیے کار آمد ہے ــــ ہمیشہ کے لئے کار آمد ہے۔ وقت کے بدلتے ہوئے تیور اسے بدل نہیں سکتے۔ قرآن ایسا طرزِ احساس پیدا کرتا ہے جو دائمی انداز رکھتا ہے۔

معجزہ یہ ہے کہ اس کا کوئی جملہ، کوئی لفظ، کوئی شوشہ بدل نہیں سکتا۔ چودہ سو سال

Marfat.com

میں نہیں بدلا، آئندہ بھی نہیں بدلے گا۔ یہ زمان و مکان کی قید سے آزاد ہے ؎

یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند

یاد رہے کہ قرآن جملہ تمدّنی، معاشرتی اور معاشی مشکلات و مسائل کا انتہائی تشفّی بخش حل پیش کرتا ہے۔ نہایت سہل اسلوب زندگی کی راہ دکھاتا ہے۔ فطرت یعنی خالقِ کل کی منشاء سے ہم آہنگ کرتا ہے۔

اس کی تعلیمات پوری طرح قابلِ عمل ہیں چنانچہ رسولِ اکرمؐ نے اس پر سو فیصد عمل کر کے دنیا کو دکھا دیا ہے کہ قرآن فرشتوں کے لیئے نہیں، اللہ کے بندوں کے لیے نازل کیا گیا ہے عملاً ہر کردمہ کے بس میں ہے۔ یہ اپنے پیروکاروں کو فتح و نصرت دلاتا ہے۔ کوئی اس پر عمل کرے تو سہی۔ آج بھی یہ معجزہ دیکھا دہرایا جا سکتا اور سچ جھوٹ کا پتہ لگایا جا سکتا ہے۔

بوریہ اس کی علامت ہے۔ مسلمان ہی نہیں، دوسرے لوگ بھی آسانی سے اسے معمولاتِ حیات میں داخل کر سکتے ہیں۔ اونچی اونچی ماڑیاں، محلات، عمارات، گراں لباسوں اور پوشاکوں کی ضرورت نہیں۔ ایک بات ذہن نشین رہے کہ اسلام میں بوریہ نہ تو رہبانیت (ترکِ دنیا) کی علامت ہے نہ اِفلاس کی۔ کمزوری، بے چارگی اور یاس کی علامت بھی نہیں۔ قناعت، سیری، توانائی اور عزم بالجزم کی علامت ہے۔ بوریہ نشین بڑا طاقتور ہوتا ہے۔ نورِ ایماں اور صداقت اسے ناقابلِ تسخیر بنا دیتی ہے۔ پھر وہ صرف اللہ سے ڈرتا ہے۔ حاکمِ وقت اس سے ڈرتا ہے۔

ایک اور تناظر میں علامہ اقبالؒ غریب مسلمان کو بیسویں صدی کی اس استعماری حکومت کے خلاف ابھارتے تو انہیں بوریہ ہی یاد آتا ہے ؎

بوریائے خود بہ قالینش مدہ
بیذقِ خود را بہ فرزینش مدہ

Marfat.com

بوریہ ایک غلام کا سرمایہ ہے، قالین استعمار کی نشانی ہے۔ پھر کہا ع
کنجشک فرومایہ کو شاہیں سے لڑا دو

یہاں بھی کنجشک فرومایہ سے مراد بوریے والا ہے۔ اس سے کمزور مراد نہیں۔ سچائی کا امانت دار ہے، توانا ہے اور اپنے سے کہیں زیادہ زبردست سے ٹکر لے سکتا اور اسے شکست دے سکتا ہے۔

علامہ نے مغربی استعمار کی غایت بھی واضح کی۔ یہاں انسان سوزی کے سوا اور کیا ہے؟ ~

شرعِ یورپ بے نزاعِ قیل و قال
برّہ را کردست بر گرگاں حلال

یہی فرق ہے بوریے کے حوالے سے تمدنی سوچ اور استعماری قوتوں کے طرزِ فکر و عمل میں۔ استعمار بے گناہوں کے قتلِ عام اور لوٹ مار کے بغیر اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکتا جبکہ اسلامی تمدن بندے کو کم مائیگی میں بھی طاقت بخشتا ہے۔ استعمار انسان دشمنی پر مائل ہے، اسلام انسان دوستی کا مسلک ہے۔ اسلام قوت کا سرچشمہ ہے۔ بے سہاروں کو سہارا دینا اور مظلوموں کی حمایت کا حوصلہ بخشتا ہے۔

اسلام کسی صورت میں کفر، شرک اور ظلم سے سمجھوتہ نہیں کرتا۔

رسولِ اکرمؐ کی پوری زندگی دنیوی ساز و سامان کے بارے سبکدوش رہی۔ آپؐ نے جس جاں نثار، دانا و ہوشیار اور بے مثال کردار کی خاتون سے پہلی بار شادی کی اور پچیس برس جن کی رفاقت میں گزارے وہ مکے کی سب سے مالدار ہستی تھی[1] حضرت خدیجہ

---

[1] قابلِ قدر علمی خدمات اور تحقیقات کے باعث عالمی شہرت یافتہ ڈاکٹر حمید اللہ نے شادی کے وقت حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی عمر پچیس سال بتائی ہے۔ اسی طرح موصوف نے حضرت

Marfat.com

الکبریٰ کے تجارتی قافلے کی مالیت پورے مکے کے تجارتی قافلے کے برابر ہوتی لیکن آپؐ نے ایک لمحہ بھی عیش و عشرت میں نہیں گزارا۔ آپؐ بیکسوں اور محتاجوں کی خبرگیری کرتے، اپنے دروازے پر دستک دینے والے حاجت مند کو خالی ہاتھ نہ لوٹاتے۔ آپؐ کے نزدیک مال و دولت کی نہیں، حق و صداقت کی وقعت تھی۔ آپؐ کو اپنا مشن عزیز تھا۔ آپؐ کبھی بھی سیم و زر کے طلبگار نہ ہوئے۔ جو کچھ ملا، اللہ کی راہ میں صرف کیا۔ روپیہ عزیز ہوتا تو کفارِ مکہ رسول اکرمؐ کو بادشاہ تسلیم کرنے اور ملک کا رب سے دولتمند شخص بنانے کے لیے تیار تھے لیکن آپ نے بادشاہت اور دولت و ثروت کو اہمیت نہ دی۔ آپؐ کا یہ تاریخی جملہ قیامت تک انسانی عظمت کی نشاندہی کرتا رہے گا۔ آپؐ کو چچا ابوطالب نے سمجھایا تو آپ نے فرمایا ——

"چچا! اگر یہ لوگ سورج کو میرے داہنے ہاتھ پر رکھیں اور چاند کو بائیں ہاتھ پر تب بھی میں اپنے کام سے نہ ہٹوں گا۔ اور خدا کے حکم میں سے ایک حرف بھی کم و بیش نہ کروں گا۔ اس کام میں خواہ میری جان بھی جاتی رہے۔"

(سیرت ابن ہشام بحوالہ رحمۃ للعلمین)

آپؐ اس دنیا میں سب سے بڑا مشن لے کر آئے تھے۔ یہ مشن آپؐ کے اور آنے والے ہر زمانے کے لیے تھا لہٰذا آپؐ نے جس طور زندگی بسر کی، ہم اس کی گرد کو بھی نہیں چھو سکتے تاہم اپنی بساط کے مطابق پیروی تو کر سکتے ہیں۔ ہم آفتاب نہیں بن سکتے لیکن حسب استطاعت اس سے اکتسابِ نور تو کر سکتے ہیں۔ ہم آپؐ کے معمولاتِ حیات کے اس حد تک مکلف نہیں جس حد تک آپؐ مکلف تھے کیونکہ ہماری حیثیت اور

---

عائشہ صدیقہؓ کی عمر بھی عام تذکروں سے مختلف بتائی ہے۔ موصوف کی تحقیق کے مطابق ام المومنینؓ کی شادی عالمِ بلوغ میں ہوئی تھی، اس سے قبل نہیں۔

Marfat.com

استطاعت آپ کی نسبت کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ آپ کے فیض ہی سے ہم کسی جوگے ہو سکتے ہیں۔

آپ ہی نے فرش کو عرش کے مقابل کیا اور سدرۃ المنتہا تک پہنچایا۔ چٹائی اور بوریے کو انسانی معاشرے اور تمدن میں جو لاانتہا شرف ملا وہ آپ کی سادہ، پاکیزہ اور مجاہدانہ زندگی کی بدولت ملا۔ امانت، دیانت اور راست بازی کے رویوں کی برکت سے ملا۔ بوریے اور چٹائی کو آپ کے دم قدم سے جو شان میسر آئی وہ شان ہم نے برقرار نہ رکھی اور اس کا نتیجہ بھگت رہے ہیں۔ تاریخ عالم گواہ ہے کہ بوریہ نشینوں نے بارہا ایسے ایسے کارنامے سرانجام دیے کہ ان کا حال پڑھ کر بندہ دنگ رہ جاتا ہے۔ اکثر دیکھا گیا کہ شر کی طاقتوں نے سر اٹھایا، نیکی برباد کرنے کا تہیّہ کیا تو بوریہ نشینوں نے اللہ اکبر اور کلمۂ طیبہ کے فلک شگاف نعروں کی گونج میں انہیں تہ تیغ کیا۔ ان کی تلوار کے سامنے رستم ایسا نامور سپہ سالار ذلت کی موت مرا۔ یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ رستم جو مغرور اور احساسِ برتری سے چُور تھا، "زرّیں تخت پر بیٹھا اپنی فوج کو لڑا رہا تھا۔" لیکن اس کے مقابل بوریہ نشینوں کو تختِ زرّیں کب میسر تھا؟ انہوں نے زبردست حملہ کیا، اس مضبوط فوجی حصار کو توڑا جس کے اندر رستم بیٹھا تھا۔ رستم زخمی ہوا تخت سے اُترا اور بھاگا۔ "حضرت ہلال بن عُلقمہ نے فوراً آگے بڑھ کر برچھے کا وار کیا جس سے رستم کی کمر ٹوٹ گئی اور وہ نہر میں گر پڑا۔ ہلال گھوڑے سے کود گئے۔ انہوں نے رستم کی ٹانگیں پکڑ کر اسے باہر کھینچ لیا۔ اور اس کا کام تمام کیا۔ پھر فوراً اس کے تخت پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہا، "خدا کی قسم! میں نے رستم کو قتل کر دیا ہے ——— اس آواز کے سنتے ہی اسلامی فوج نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔"

یہ جنگِ قادسیہ کا واقعہ ہے جہاں جنگاہ میں کمانڈر انچیف رستم کے لیے تخت زریں بچھایا گیا اور درفش کا دیانی لہرایا گیا جس کی مالیت دو لاکھ دس ہزار دینار تھی۔ (اکبر شاہ خاں

Marfat.com

جلد ۱، ص ۲۹۸)

اس قہرناک معرکے میں کل چھ ہزار بوریہ نشین شہید ہوئے۔ ان کے مقابل "لشکرِ ایران میں گھڑ سواروں کی تعداد تیس ہزار تھی جن میں سے بمشکل تیس (۳۰) سوار بھاگ کر اپنی جان بچا سکے۔

اس وقت رسول اکرمؐ کے ایک خاص الخاص صحابی، بوریہ نشین سیدنا حضرت عمر فاروقؓ مسلمانانِ عالم کے خلیفہ تھے۔ انہی نے ایک مراسلے میں سپہ سالار حضرت سعد بن وقاصؓ کو جنگی سٹریٹیجی بالتفصیل بھیجی تھی۔ جنگ کے دوران میں "فاروق اعظمؓ کا یہ حال تھا کہ روزانہ صبح اٹھ کر مدینے سے باہر دور دور تک نکل جاتے اور قادسیہ کے قاصد کا انتظار کرتے۔ دوپہر کے بعد واپس آتے۔ ایک روز اسی طرح مدینے سے باہر گئے تھے کہ شتر سوار قاصد فتح کا مژدہ لے کر آیا۔

"فاروق اعظمؓ نے اس سے لڑائی کی کیفیت اور فتح کے تفصیلی حالات دریافت کرنے شروع کیے اور شہسوار کی رکاب پکڑے ہوئے اس کے ساتھ ساتھ دوڑتے ہوئے مدینے میں داخل ہوئے۔ شتر سوار حال سناتا جاتا تھا اور اپنے اونٹ پر سوار مدینے میں دربارِ خلافت کی جانب چلا جاتا تھا۔ شہر میں داخل ہو کر شتر سوار نے دیکھا کہ ہر شخص جو سامنے آتا ہے، فاروق اعظمؓ کو امیر المومنین کہہ کر سلام علیک کرتا ہے۔ تب اسے معلوم ہوا کہ جو شخص میرے ساتھ پیدل چل رہا ہے وہ خلیفۂ وقت ہے۔ یہ معلوم کر کے وہ ڈرا اور اس نے اونٹ سے اترنا چاہا لیکن فاروق اعظمؓ نے کہا، تم حالات سناتے جاؤ اور بدستور اونٹ پر سوار چلے چلو چنانچہ اسی طرح گھر تک آئے۔"

یہ ہے آئینِ محمدی، سنتِ محمدی۔ اور تمدنِ اسلام جس میں آن بان دکھانے، اترانے اور دوسروں کو کمتر جاننے کی ضرورت نہیں۔ آپؐ کے تربیت یافتہ بوریہ نشین

Marfat.com

حکمران بن گئے لیکن بوریے کی سوچ سے کبھی غافل نہ ہوئے اور پھر اسی عالم میں فتوحات ان کے قدم چومتی رہیں۔ قادسیہ کی فتح کی خبر سننے کے بعد فاروقِ اعظم مسجدِ نبوی میں آئے لوگوں کو جمع کیا۔ یہاں جو تقریر کی وہ اسلامی تمدن کی عظمت اور اس کے رویے کی نشاندہی کرتی ہے۔ تاریخِ عالم میں فاروقِ اعظمؓ کا یہ خطاب ہمیشہ سنہری حروف میں لکھا جاتا رہے گا۔ تقریر یوں تھی ــــــ

"بھائیو میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تمہیں اپنا غلام بنانا چاہوں۔ میں تو خود اللہ تعالیٰ کا غلام ہوں۔ البتہ خلافت کا کام میرے سپرد ہے۔ اگر میں یہ کام اس طرح سرانجام دوں کہ تم اپنے گھروں میں اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرو تو یہ میری خوش نصیبی ہے اور اگر خدانخواستہ میری یہ خواہش ہو کہ تم لوگ میرے دروازے پر حاضری دیا کرو تو یہ میری بدبختی ہوگی۔ میں تمہیں تعلیم دیتا ہوں اور نصیحت کرتا ہوں لیکن صرف قول سے نہیں بلکہ عمل سے بھی۔"

(اکبر شاہ خاں، جلد اوّل ص ۲۹۹)

یہ ہیں بوریہ نشینوں کے زرّیں کارنامے! تاریخ کے صفحات ان سے معمور ہیں۔ یہ اصحاب منکسر المزاج بھی تھے اور جلالی طبیعت والے بھی۔ جمال و جلال کے اوصاف بدرجۂ اتم ان میں پائے جاتے۔ ان کا اظہار موقع و محل کے مطابق ہوتا۔ نیکوں کے لیے پھول تھے بدوں کے لیے ترشول۔ مغرور تھے لیکن نڈر اور بے باک تھے۔ نامور مورّخ سیّد امیر علی کے بقول حضرت عمرؓ کا عنانِ خلافت سنبھالنا اسلام کے لیے نہایت گرانقدر اقدام تھا۔ وہ نہایت مضبوط اخلاقی اعصاب کے مالک تھے، عدل و انصاف کا زبردست شعور، بڑی توانائی اور کردار کی قوت رکھتے تھے[1]

---

[1] سیّد امیر علی کی تالیف HISTORY OF THE SARACENS ص ۲۷، میکملن اینڈ کمپنی لندن۔ ۱۹۵۱ء

Marfat.com

بہ ظاہر بوریہ ایک کم قیمت شے نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں یہ تختِ طاؤس سے بھی بڑھ کر وقیع ہے۔ یہ بندے کو ایسی کڑی آزمائش میں ڈالتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو بھول جاتا اور سراپا ایثار کی تصویر بن جاتا ہے۔ آج ہم اس کے فلسفے اور تمدن سے اس قدر دُور ہیں کہ بوریے کی سوچ کے قریب جانے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ عہدِ حاضر کے شیر قالین حقیقت نہیں پا سکتے۔ ان کی آنکھوں پر اتنے دبیز پردے پڑے ہیں کہ اسلام کی روشنی کو دیکھنے سے کتراتے ہیں۔ مصنوعی زندگی پر خوش اور نازاں ہیں۔ اسی سے ٹوٹ کر محبت کرتے، اسی کے ہو کر رہ گئے ہیں۔ دولت ــــ سازوسامان کی کثرت زندگی کو روگ لگاتی ہے۔ سیّد امیر علی نے حضرت عمرؓ کے حوالے سے اس کی نشاندہی کی ہے۔ یہ بہت بڑی گائڈ لائن ہے جو تاریخ کے صفحات کی زینت ہے لیکن ہمارے حافظے اور فکر و عمل کے لئے اجنبی ہے۔

دسمبر ۶۳۷ء کا واقعہ ہے ــــ

"زیادہ مدت نہ ہوئی تھی کہ مسلمانوں سے ایک اور لڑائی چھیڑ دی گئی۔ ایرانی بادشاہ پہاڑوں کی غربی جانب حلوان میں مقیم تھا۔ اس نے مسلمانوں سے مدائن چھیننے کی غرض سے بہت بڑا لشکر روانہ کیا۔ جلولاء کے مقام پر مسلمانوں سے مقابلہ ہوا۔ جنگاہ دارالحکومت کے شمال مغرب میں پچاس میل پر تھی۔ دشمن کو بے پناہ نقصان اُٹھانا پڑا۔ مسلمانوں نے حلوان پر قبضہ کر لیا اور اسے مضبوط و مستحکم کیا۔

جب جلولاء اور مدائن کا مالِ غنیمت مدینہ میں پہنچا تو امیر المومنین سیّدنا عمر فاروقؓ کو دیکھا کہ رو رہے ہیں۔ وجہ پوچھی تو انہوں نے جواب میں بتایا کہ اس مالِ غنیمت میں وہ اپنی قوم کی تباہی دیکھ رہے ہیں۔ انہوں نے غلط نہیں کہا۔

Marfat.com

بے مثال کامیابی کے بعد مسلمان انجام کار سادگی، زہد و تقویٰ اور جذبۂ ایثار ایسے اوصاف سے محروم ہو گئے۔ یہی وہ اوصاف تھے جن کی بدولت ابتداً میں زبردست فتوحات حاصل ہوئیں"۔[۱]

اس مالِ غنیمت میں کیا تھا؟ اس کی تفصیل مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی نے اپنی تالیف "تاریخ اسلام، جلد اوّل ص ۲۰۱، ۲۰۲ پر یوں بیان کی ہے —

"یزد جرد مسلمانوں کے پہنچنے سے پہلے ہی اپنے اہل و عیال اور خزانوں کو مدائن سے روانہ کر چکا تھا۔ تاہم قصر ابیض (شاہی محل) اور دارالسلطنت میں مال و دولت کی کمی نہ تھی۔ اسلامی لشکر کے دریا عبور کر لینے کا حال سن کر یزد جرد بھی مدائن سے چل دیا۔ مسلمانوں نے مختلف سمتوں سے شہر میں داخل ہونا شروع کیا۔ خود باشندگانِ شہر (ایرانیوں) نے شاہی محلات کی لوٹ مار مسلمانوں کے پہنچنے اور شہر میں داخل ہونے سے پہلے شروع کر دی تھی۔

حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ قصر ابیض میں داخل ہوئے۔ وہیں ایک سلام سے آٹھ رکعتیں صلوٰۃ الفتح کی پڑھیں۔ جمعہ کا روز تھا۔ قصر ابیض میں جس جگہ کسریٰ کا تخت تھا، وہاں منبر رکھا گیا اور اسی قصر میں جمعہ ادا کیا گیا۔ یہ پہلا جمعہ تھا جو دارالسلطنت ایران میں ادا کیا گیا۔

اس محلِ شاہی میں جس قدر تصاویر اور تماثیل تھیں، وہ علیٰ حالہٖ قائم رہیں۔ نہ حضرت سعدؓ نے انہیں توڑا پھوڑا، نہ وہاں سے جدا کیا۔ بوجہِ نیتِ اقامت اس قصر میں نماز کو قصر بھی نہ کیا گیا۔ مالِ غنیمت فراہم کرنے پر عمرو بن مقرن اور اس کی تقسیم پر سلیمان بن ربیعہ ؓ باہلی کو مامور کیا گیا۔

---

[۱] سید امیر علی کی تالیف HISTORY OF THE SARACENS، ص ۲۹

Marfat.com

مالِ غنیمت میں شہنشاہِ ایران کی بہت سی نادرِ روزگار چیزیں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں۔ چاندی، سونے اور جواہرات کی بہت سی مورتیں، کسریٰ کا شاہی لباس، اس کا زرنگار تاج، اس کی زرہ اور اس قسم کی بہت سی چیزیں مسلمانوں نے ان لوگوں سے چھین لیں جو ان چیزوں کو لے کر ایوانِ شاہی سے بھاگتے تھے۔ ایوانِ شاہی کے خزانے اور عجائب خانے میں سے خاقانِ چین، قیصرِ روم، داہر شاہِ ہند، بہرام گور، سیاوش، نعمان بن منذر، کسریٰ، ہرمز، فیروز کے خود، زرہیں، تلواریں اور خنجر دستیاب ہوئے جو عجائباتِ روزگار سمجھ کر شاہی خزانے میں محفوظ رکھے جاتے تھے اور ایرانی ان چیزوں پر فخر کیا کرتے تھے۔

ان چیزوں کے فراہم ہو جانے پر حضرت سعد بن ابی وقاص نے حضرت قعقاع رض کو اجازت دی کہ تلواروں میں سے جس تلوار کو پسند کریں، لے لیں۔ حضرت قعقاع نے یہ سن کر قیصرِ روم ہرقل[1] کی تلوار اٹھا لی۔ پھر حضرت سعد بن ابی وقاص رض نے اپنی طرف سے بہرام گور کی زرہ بھی ان کو مرحمت فرمائی۔

حضرت سعد رض بن ابی وقاص رض نے علاوہ خمس جو چیزیں

---

[1] ہیراکلیز

نادراتِ روزگار میں شمار ہوتی تھیں وہ سب جمع کر کے دربارِ خلافت کو روانہ کر دیں۔ انہی نادراتِ روزگار میں کسریٰ کا فرش تھا جو بہار کے نام سے موسُوم تھا۔ یہ فرش نوّے گز لمبا اور دس گز چوڑا تھا۔ اس میں پھول پتّیاں، درخت، نہریں، تصویریں، غنچے سب سونے چاندی اور جواہرات سے بنائے گئے تھے۔ شاہانِ فارس جب موسم بہار گزر جاتا تھا تو اس کی یاد میں اس فرش پر بیٹھ کر شراب نوشی کیا کرتے تھے۔ جب یہ تمام چیزیں مدینہ منوّرہ میں پہنچیں تو لوگ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ فاروقِ اعظمؓ نے تمام سامان و اسباب کو لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ فرش کی نسبت عام طور پر لوگوں کی رائے تھی کہ اس کو تقسیم نہ کیا جائے لیکن حضرت علی کرم اللّٰہ وَجْہہٗ نے فرمایا کہ اس کو بھی تقسیم کر دیا جائے چنانچہ فاروقِ اعظمؓ نے حضرت علیؓ کی رائے سے اس فرش کو بھی کاٹ کاٹ کر لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ حضرت علیؓ کے حصّے میں جو ٹکڑا فرش کا آیا وہ بہت نفیس ٹکڑوں میں سے نہ تھا تاہم انہوں نے اس کو تیس ہزار دینار میں فروخت کر دیا۔"

یہ ہے وہ اسلام کا تمدّنی رویہ جو رزم اور بزم دونوں کے لئے کارآمد ہے۔ اس سے بوریہ نشینوں کی قوّتِ بازو کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ توانائی اور صداقت کا عظیم القدر سرچشمہ تھے۔ ہم اس حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ قالین کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہی بندہ بوریے تک پہنچتا ہے۔ قالین تک پہنچنا آسان ہے، بوریے تک پہنچنا بہت دشوار ہے

Marfat.com

اس کے لئے انقلابی طریقے سے ذہنی غسل کی ضرورت ہے۔ ہم پر جو زوال آیا ہے وہ مغرب زدگی کے باعث ہے۔

آج یہ عالم ہے کہ عیش و عشرت، جسم فروشی اور ہر نوع کی بے حیائی کو مغرب میں قانوناً جائز قرار دیا جا رہا ہے۔ ان کے یہاں حضرت عیسیٰؑ کے احترام و تقدس کی بھی ضرورت نہیں رہی۔ کرسمس کے تہوار پر بے حد و شمار شراب پی جاتی ہے۔ ایسے میں رقص جاری رہتا ہے۔ مرد و زن میں اختلاط کی قطعاً پابندی نہیں۔ اُمّ الخبائث کا رنگ چوکھا کرنے کے لیے متعدد خباثتیں روا ہوتی ہیں۔

۲ دسمبر ۱۹۹۰ء کے اخبارات کی خبر ہے کہ " بگ بین کی ٹن ٹن شروع ہوتے ہی ستر (۷۰) ہزار افراد نے شراب پینی شروع کی۔ یوں نئے سال کا خیر مقدم کیا گیا ــــ درحقیقت کرسمس ڈے سے نئے سال کی آمد تک اخلاق سوزی کے مظاہرے جاری رہتے ہیں۔

(جب کبھی مغرب کی اخلاق باختگی کا ذکر آتا ہے تو لوگ اس کی چند خوبیاں بیان کر کے توازن قائم کر لیتے ہیں۔ اکثر کہا جاتا ہے کہ اہل مغرب صفائی پسند ہیں، محب وطن ہیں، ترازو کے پلڑے برابر رکھتے ہیں، ملاوٹ نہیں کرتے۔ وغیرہ وغیرہ لیکن یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ مغرب ہمیں زہریلا دودھ دیتا ہے، اقتصادی طور پر ہمیں لوٹ کر مفلس کرتا اور خود مالدار ہو جاتا ہے، ہمیں قرضوں کے گورکھ دھندوں میں پھانس کر اپنے کھونٹے سے باندھ لیتا ہے۔ اپنے یہاں انصاف روا رکھتا ہے، ہم سے سراسر ناانصافی کرتا ہے۔ سستے داموں خام مال لے کر مہنگے داموں ہمیں اپنی مصنوعات دیتا ہے۔ ہماری کوتاہیوں اور کمزوریوں سے پورا پورا فائدہ اٹھاتا ہے۔ ہمارے معاملے میں دغا، فریب، جھوٹ اور ہر شکل استحصال کو اس کے جرائم کی فہرست میں اولیت حاصل ہے۔)

Marfat.com

ہمارے لیے مغرب کا رویہ سوتیلی ماں جیسا ہے، بڑی موذی ماں ہے یہ۔ ہم اس کے شکنجے میں بری طرح پھنسے ہیں۔ اس نے ہمیں اپنے پیچھے لگا لیا اور ہمارا چلن بدل دیا ہے۔ ہمارا دوست ہے، نہ مددگار اور نہ ہمدرد ــــ ہماری بدحالی میں اس کی خوشحالی کا راز پنہاں ہے۔ وہ ہماری کمزوریوں، کوتاہیوں، بدعنوانیوں، غفلت اور بے حسی میں بڑی چابکدستی سے اضافہ کرتا اور ان سے پورا پورا فائدہ اٹھاتا ہے۔ یہ اس کی اٹل، مسلّمہ اور مصدقہ پالیسی ہے۔ وہ ہمارا ازلی دشمن ہے۔ ہمارا پروردہ ہے۔ اندلس کی اسلامی یونیورسٹیوں میں مسلمان اساتذہ، علماء اور سائنسدانوں نے موتی بکھیرے، جہالت کے اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے والے یورپی طالب علموں نے وہ موتی سمیٹے اور واپس جا کر ان کی چمک دمک سے اپنے گھر اُجلے کئے اور پھر صنعتی انقلاب کے ذریعے دنیا میں تباہی مچائی۔ ہم اسی تباہی کی زد میں آئے اور اس حال کو پہنچے ــــ مسلمانوں نے اپنے عہد زریں میں دنیا کو نئے آفتاب دیے، نئی روشنیاں دیں، امن و راحت کی دولت دی، پائیدار امن کی ڈگر پر ڈالا اور تہذیب و تمدن کو عملاً خوشی اور خوشحالی کا ذریعہ بنایا لیکن مغرب کے صنعتی انقلاب نے دُھند اور دھواں دیا، وہ چراغ گُل کر گئے جو امن و راحت کی راہیں روشن کرتے تھے، سمندری مخلوق کو ہلاک کیا اور ہلاک کر رہا ہے اور تہذیب و تمدن کے نام پر انسان کے کردار کو ناپاک کیا۔ دنیا کو عقوبت خانہ بنایا۔ اقتصادی غلامی کے جراثیم عالمگیر سطح پر پھیلائے۔ کرۂ ارض کی کامل بربادی کے اسباب پیدا کئے۔ ہر آدمی کو آناً فاناً موت کے گھاٹ اتارنے کی تدبیر کی ــــ یہ تدبیر بڑی تندہی سے ہنوز جاری ہے۔

ہمیں مغرب کی استعماری قوتوں اور ان کی تہذیبی سوچ نے اس طور مرعوب و مجبور بلکہ کمزور کر دیا ہے کہ اس سے نجات پانے کے لیے ہم خود کو بے بس پاتے ہیں۔ ہم اس کی جکڑ بند اور غلامی کے بُری طرح عادی ہو چکے ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ یہی سود مند ہے، حسین ہے،

Marfat.com

دلربا ہے، ہمارا مقدر ہے۔ اسی کے حوالے سے جینا اور مرنا ہے۔ سوچیں تو ہم عذاب میں مبتلا ہیں۔ ہم اپنی اخلاقی اور روحانی قوت گنوا بیٹھے ہیں۔

بوریہ بیٹھنے کے لیے کم قیمت، معمولی سا ٹکڑا نہیں جسے غریب سے غریب آدمی بھی خرید سکتا ہے بلکہ ذہنی افتاد اور مزاج کا علمبردار ہے۔ یہ کم قیمت نہیں، گراں قیمت ہے، انمول ہے، عملاً اس کے معنی سادگی اور کم سامانی ہے۔ اس طرح ہم فاضل اور غیر ضروری بار سے بچ جاتے ہیں۔ آج ہم نے آن بان اور شان دکھانے کے لیے جو شاہانہ لبادے اوڑھ رکھے ہیں ان کا بوجھ ہماری سکت سے زیادہ ہے۔ ان سے ہماری کمر ٹوٹ گئی اور ہم ناکارہ ہو کر رہ گئے ہیں۔ نمائش پر جان دیتے ہیں، مکانوں کے ڈیزائن یورپ اور امریکہ سے منگواتے ہیں، وہیں کے قیمتی رسالوں سے وارڈ روب کے خاکے چراتے اور ان میں رکھے جانے والے ملبوسات کی تراش خراش نقل کرتے ہیں۔ ہم اپنی ہر ادا اور رہن سہن کے ہر طور طریقے سے نفرت کرتے ہیں۔ ہمارے ذہن اور ہماری آنکھوں کو مغرب کے اجالوں نے اندھا کر دیا ہے۔ اپنے اجالوں کو ہم نے غرق دریا کر دیا ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ مغرب میں کوئی اچھائی نہیں۔ مغرب نے سائنس میں بڑی ترقی کی ہے۔ ان کے علم سے ضرور استفادہ کیا جائے لیکن ان کی زندگی کے منفی پہلوؤں سے دور رہا جائے۔ ان کا صنعتی انقلاب دنیا کو لوٹنے کے لئے ہے۔ انہوں نے اپنے عہد حکومت میں دستکاروں کے ہاتھ کاٹے اور دیسی دستکاریوں کا خاتمہ کیا۔ اس طرح اپنی مشینوں کو چالو کیا اور دوسرے ملکوں کی منڈیوں میں اپنی مصنوعات کے ڈھیر لگا دیے نوبت بایں جا رسید کہ شادی بیاہ اور کفن کے لئے کپڑا تک وہیں سے آتا ہے۔

مشین آج کی تہذیب کا بہت بڑا حربہ ہے۔ اس نے ہمارے یہاں بہت بڑے پیمانے پر بیکاری کا مرض پھیلایا ہے۔ زرعی مشینوں نے جو بہت بڑے مزدور لشکر سے منہ کا نوالہ چھینا۔ اور اسے شہر کی سمت دھکیلا ہے۔ اس سے ہمارا اقتصادی نظام درہم

Marfat.com

برہم ہوگیا ہے۔ کام اور روزگار کے کتنے ہی ایسے شعبے ہیں جن میں مشین کی قطعاً ضرورت نہیں یا ضرورت کم کی جاسکتی اور ہاتھوں سے کام لیا جاسکتا ہے۔ جفت سازی مشینوں کے بغیر بڑی عمدگی سے ترقی پاسکتی ہے۔ چھوٹی صنعتوں کا دائرہ کار زیادہ سے زیادہ پھیلایا اور ان میں دستکاروں اور بے ہنر لوگوں کو کھپایا جاسکتا ہے۔

مشین ہمیں مار رہی ہے۔ پیداوار کے شعبے میں توازن قائم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ دستکاری کا احیاء کیا جائے اور مشین کا زور توڑا جائے۔ مزید برآں ضرورت کی مشینری خود اپنے ملک میں بنائی جائے۔ خدا نے کسی ملک کو ذہانت سے محروم نہیں رکھا ہمارے نوکلیئر سائنسدان اور متعدد شعبوں کے چوٹی کے ماہرین مغرب کے ملکوں میں ملازم ہیں۔ ایسا ماحول پیدا کیا جائے کہ یہ لوگ یہاں آئیں اور ملکی معیار کے مطابق مشاہرے قبول کریں۔ مقامی سائنسدان اور ماہرین ان کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کریں نہ ان کی ٹانگ کھینچیں۔ ہم نے دیکھا ہے کہ ہمارے یہاں لائق اور مستحق لوگوں کو ناکارہ کیا جاتا یا مقامی محاورے کے مطابق انہیں کھڈے لگایا جاتا ہے، ان پر نالائق لوگ چالاکی اور دھوکے سے یا اپنے مقتدر مربیوں کی ناواجب مہربانیوں کے باعث مسلط ہوجاتے ہیں۔ ایسے نالائقوں کو نکالا جائے۔

ہم بے شمار مسائل کے ہلاکت آفریں بوجھ تلے دبے ہیں۔ اس بوجھ کو ٹالنے کا وہی ایک ذریعہ ہے جسے سادگی کہتے ہیں اور جس کا بار بار ذکر ہوا ہے۔ مغرب کی اقتصادی اور سیاسی غلامی سے مخلصی پانے کا بھی یہی واحد طریقہ ہے۔ سادگی ہی پرتکلف، پرتصنع اور ظاہری دلآویز زندگی کے بندھنوں سے چھڑا سکتی ہے۔ یہ جرأت و اعتماد پیدا کرتی ہے۔ کشتیاں جلا کر دیارِ غیر میں بستیاں بسانے کی توفیق دیتی ہے۔ افراطِ زر اور فراوانیٔ اشیا سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ بندہ حوصلہ مند، جیالا اور بے باک ہوجاتا ہے۔ گزر اوقات

Marfat.com

کے لئے تو لوگ ضروریاتِ حیات کو یہاں تک مختصر کر لیتے ہیں ؎

نانِ جوین و خرقۂ پشمین و آبِ شور
سی پارۂ کتاب و حدیثِ پیمبری

یہ آئیڈیل ہے۔ ہم کہاں تک اپنی زندگی کو اس کے قریب لا سکتے ہیں، یہ ہماری سوچ، اپج اور ظرف پر منحصر ہے۔ جہاں تک اپنی حاجتوں اور ضرورتوں کو کم کریں گے، سکھی رہیں گے۔

(یہ نہ سمجھیں کہ اسلامی طرزِ حیات، طرزِ احساس، سوچ اور تمدن خشک اور بے مزہ یا بدمزہ ہے اور بندے کو جمالیاتی پہلوؤں سے لطف اندوز نہیں ہونے دیتا۔ در حقیقت بات کچھ اور ہے۔ اسلام کے حوالے سے جمالیاتی نظریہ مغرب کے جنسیاتی جمالیاتی نظریے سے یکسر مختلف ہے۔ ان کے یہاں وقتی اور ناپائیدار عیش و عشرت ہی کو حاصلِ حیات سمجھا جاتا ہے، اسلام میں ایسا نہیں۔)

"بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست" میں عالم دوبارہ نیست درست ہے، باقی غلط ہے کیونکہ اس نے جانِ عالم پیا ___ واجد علی شاہ اور محمد شاہ رنگیلے ایسے لوگ پیدا کئے۔ جو نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ پوری قوم کو تباہ و برباد کر گئے۔

اسلام جمہوریت کا مسلک ہے۔ اس میں وڈیرہ شاہی، پرمٹی اجارہ داری اور گروہ بندی کی گنجائش نہیں۔ اس کے تمدن میں سادگی اور سہولت ہے۔ اس تک ہر کس و ناکس کی رسائی ہے۔ یہ عوامی مسلک ہے۔ اس میں آرائش نہیں، نمائش نہیں۔ عیش و طرب اور جسم فروشی کا دھندا کھلے بندوں ہو رہا ہے۔ بندوں کو گھن لگ رہا ہے۔ حقیقی مسرت کا پتہ نہیں۔ یہ گندا دھندا قوموں کو تباہی کے گڑھے میں پھینکتا ہے تاریخ عالم گواہ ہے کہ اس نے بڑی بڑی حکومتوں اور مملکتوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔ محمد شاہ

Marfat.com

رنگیلا نے دنیا میں کیا کمایا اور آنے والی نسلوں کو کیا دیا؟

میاں منشی نے ہسپتال بنایا۔ کالج بنانے کا عزم رکھتے ہیں۔

عبدالستار ایدھی نے بڑھاپے کو مسخّر کیا اور مخلوقِ خدا کے لیے شفا خانے کھولے ہیں۔

انہیں جو مسرت حاصل ہے وہ ان لوگوں کے مقسوم میں کہاں جو پہلے لکھ پتی بنتے ہیں، پھر ہوسِ زر انہیں کروڑ پتی اور ارب پتی بننے کی راہ دکھاتی ہے۔ وہ ارب پتی بھی بن جاتے ہیں لیکن ساری زندگی ننانوے کے پھیر میں گزار جاتے ہیں۔ پھر وہ لوگ بھی ہیں جو عیش و عشرت میں کھوئے رہتے ہیں۔ ان کا انجام معلوم ہے۔ بے بسی، رنج و الم اور مایوسی کے عالم میں مرتے ہیں یہ لوگ۔

خیر کی بقا اور اس کے فروغ و استحکام کی جدوجہد کے مقابل شر کی ڈگر پر چلنا، جہنم میں جلنا ہے۔ شر پسند کی زندگی اپنے لئے ہی نہیں بلکہ پورے معاشرے کے لئے تباہ کن ثابت ہوتی ہے۔ شر پسند اس زندگی ـــــ اس نعمتِ غیر مترقبہ کی مٹی پلید کرتا ہے جس کا ایک لمحہ پوری کائنات کے عوض بھی خریدا نہیں جا سکتا۔ جس کا کوئی بدل نہیں۔

حقیقی مسرت اور عارضی خوشی میں فرق ہے، زمین آسمان کا فرق ہے۔ ہر آدمی روزمرہ کی زندگی میں اس فرق کو بآسانی جان پہچان سکتا ہے۔ لذت پرستی بندے کو کہیں کا نہیں رہنے دیتی کیونکہ یہ افادیت سے محروم ہوتی ہے۔

لوگ جانتے ہیں، اچھی طرح جانتے ہیں کہ جن ذائقوں سے آشنا ہیں اور انہیں جن بدمزہ چیزوں کا چسکا پڑا ہے، وہ ان کے رگ و پے میں رچ بس گئی ہیں۔ ان پر

Marfat.com

شیطان یعنی جھوٹی خواہشات کی گرفت ہے۔

نفسِ امّارہ اس قدر حاوی ہے کہ نفسِ مطمئنہ ہیچ ہو کر رہ گیا ہے۔ اب وہ جان بوجھ کر اندھیرے کو اجالا اور اجالے کو اندھیرا سمجھ رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی مرضی و منشاء، اپنی طبیعت، اپنی قوّتِ فیصلہ، اطوارِ صالحہ اور دل کی دولت ابلیس کے ہاتھوں رہن رکھ دی ہے۔

شراب خانے، ننگوں کے کلب، جوّا گھر، ناچ گھر، چکلے ــــ آوارہ عورتوں سے لدے پھندے بازار، مالش گھر، بڑے بڑے ہوٹلوں کے روپ میں عشرت کدے اور جدید طرز کے حمام آدمیت کی تذلیل کے گڑھ نہیں تو اور کیا ہیں؟ کام سُوتر اور کوک شاتر سے بڑھ چڑھ کر جنسی لٹریچر کی کثرت ہے۔ بلُو پرنٹ اور ہالی وڈ کی فلمیں عام ہیں۔ نسلیں تباہ ہو رہی ہیں۔ یہ سب اربوں ڈالر کے منصوبوں کا حاصل اور یہودیوں کی کاوش کا نتیجہ ہیں۔ وہ دوسروں سے روپیہ کما کر نہ صرف اپنی تجوریاں بھر رہے ہیں بلکہ ان منصوبوں کے مصارف بھی پورے کر رہے ہیں۔ ارضِ فلسطین میں صہیونی تحریک کے تحت اسرائیل مسلمانوں کا قتلِ عام کر رہا ہے، عربوں کو دھمکیاں دے رہا، اقوامِ متحدہ کو پرِکاہ کے برابر بھی نہیں سمجھتا اور پاؤں پسارے جا رہا ہے۔ بالعموم عرب اور دوسرے مسلم ممالک ہی اسے روپیہ فراہم کر رہے ہیں۔ تیل اور خام مال کا بڑا حصّہ مسلم ممالک سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ کیا ستم ظریفی ہے کہ اللہ نے سب سے زیادہ قدرتی خزانے مسلمانوں کو عنایت کئے ہیں لیکن وہ انہیں نہایت بے تکلّفی سے کوڑیوں کے مول اپنے دشمنوں کے حوالے کر رہے ہیں۔ بیشتر مال یہودیوں کے حصّے میں آتا ہے۔ وہ مسلمانوں کی خام دولت سے انڈسٹری چلاتے اور مہنگے داموں مصنوعات کی شکل میں انہیں کو سپلائی کرتے ہیں۔ اس طرح ہم یہودی تمدّن اور اکانومی کے جال میں جکڑے بندھے ہیں۔

Marfat.com

ہم آپ ہی اپنے تخریب کار ہیں غیروں سے کیا کہیں؟
ہم نے اسلام کو نہیں، اپنے آپ کو بھلا دیا ہے۔ کلمے کی حد تک یقیناً مسلمان ہیں، اس کے آگے اللہ حافظ ہے۔

آج بھی اسلام ہی ہمارے امراض کا آزمودہ علاج ہے، گمشدہ عظمت پانے کا ذریعہ ہے۔ جب کبھی، ہم خلوصِ دل سے اسلام کے پرچم تلے اکٹھے ہوتے ہیں۔ ہم نے کوئی نہ کوئی پاکستان پالیا ہے۔

اسلام تخریب کی بجائے بندگانِ خدا کو تعمیر کی راہ پر چلاتا ہے۔ قد کاٹھ اور کردار بڑھاتا ہے، احترام کرنا اور کروانا سکھاتا ہے۔ مضبوطی، تندرستی، سلامتی، توانائی اور راحت عطا کرتا ہے۔ لذت آفرینی کی جگہ حقیقی مسرت اور اطمینانِ قلب بخشتا ہے۔ گلی سڑی لاشوں کو صحت یاب کر کے نئی زندگی دیتا ہے۔ کام پر لگاتا ہے۔ جو کچھ کھویا ہے اسے دلاتا ہے

اسلام اپنی ذات سے محبت کرنے کی بجائے خلقِ خدا سے محبت کرنا سکھاتا ہے رہبانیت سے ہٹاتا ہے۔ مخلوق سے منہ موڑنے کی بجائے ان میں گھلنے ملنے کی تاکید کرتا ہے۔

خدا اپنے بندوں میں ہوتا ہے۔ وہیں ملتا ہے۔ جب ہم دوسروں کو اپنی خوشیوں میں شریک کرتے، ان کے کاج سنوارتے، ان سے محبت کرتے ہیں، کدورتیں مٹاتے اور ایثار سے کام لیتے ہیں تو خدا کو اپنے پاس پاتے ہیں۔ اسے محسوس کرتے ہیں۔ اسلامی فکر اور طرزِ عمل بامقصد ہے، تعمیری ہے۔ انسان دوستی کے لیے ہے۔ خشک یا بدمزہ نہیں۔

تلوار بھی تعمیر اور بھلائی کا ذریعہ ہے بشرطیکہ یہ شیطان کے ہاتھ میں نہیں، مومن کے ہاتھ میں ہو۔ تلوار کو خیر اور فلاح کے لئے کام میں لانا فرضِ عین ہے۔ افغانستان کے مجاہدین، اریٹریا، فلسطین، کشمیر اور بلغاریہ کے سرفروش بڑی بڑی طاقتوں سے جو نبرد

Marfat.com

آزما ہیں، جانوں پر کھیل رہے ہیں، کیا وہ جس نشّے سے سرشار ہیں، وہ جامِ و مینا کے پرستاروں کو نصیب ہے؟

ظلم کے خلاف شمشیرِ برہنہ بن جانا اور سود و زیاں کی پروا کئے بغیر زندگی اور موت کا کھیل کھیلنا عظیم ترین عبادت ہے۔

(اسلامی کلچر ـــــ تہذیبی سوچ اور تمدن فطرت کی آغوش میں پروان چڑھتا ہے۔ فطرت ہی سادگی سکھاتی ہے۔ خوشی، خوشحالی اور بے فکری کی راہ پر لاتی ہے۔ ٹینشن سے نجات دلاتی ہے۔ اُلجھنوں، قضیوں اور ہزاروں بیکار مسائل سے پیچھا چھڑاتی ہے۔ اس کے طفیل ٹیڑھے ترچھے خط معدوم اور سیدھے خط جلی ہو جاتے ہیں۔ فطرت حسین ہے، سادہ ہے ـــــ افادیت سے بھرپور ہے، سہل الحصُول ہے)

محمد عربیؐ کی زندگی میں چٹائی اور بوریے کے دوش بدوش بادیہ بھی شامل ہے۔ حُسنِ فطرت بادیے میں بھی فروغ پاتا اور خوب فروغ پاتا ہے۔ یہاں جسم و جاں اور روح کی پرورش کا سامان بڑے انوکھے انداز میں ملتا ہے ـــــ یہاں نسیم ٹہلتی ہے، لُو چلتی ہے آب کمیاب ہے، سراب ہی سراب ہے لیکن کہیں کہیں نخلستان بھی ہیں۔ بندے میں نرمی گداز اور سخت جانی کے اوصاف پیدا ہوتے ہیں۔ یہاں آزادی ملتی ہے۔ مصنوعی زندگی کا بوجھ اور انتشار یہاں کہاں؟

بادیہ میں دل و دماغ کی قدرتی صلاحیتیں نکھرتی ہیں۔ سوچ فطری تقاضوں سے ہم آہنگ رہتی ہے۔ یہ خالقِ اکبر کی اہم تخلیہ گاہ ہے۔ یہاں جا کر خدا بہت یاد آتا ہے۔

رسول اکرمؐ نے ابتدائی زندگی کے پانچ سال بنو سعد کے یہاں بادیے میں گزارے۔

Marfat.com

تین سال کی عمر میں یہیں شرحِ صدر کا معجزہ رونما ہوا۔

صحرا کی آزاد اور پاکیزہ فضا میں حضورؐ نے جسمانی اور دماغی طور پر ترقی کی۔ یہاں سے نکھری ستھری کوثر میں دھلی زبان ملی۔ صحیح لب ولہجہ ملا۔ آپؐ کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے "میں تم سب سے زیادہ عربی جانتا ہوں۔ میں نے قبیلہ بنو سعد کے ماحول میں پرورش پائی ہے۔"[۱]

اس میں کیا شک ہے کہ قرآن کے بعد آپؐ کی زبان کا کوئی بدل نہیں۔ فصاحت و بلاغت کے بہترین نمونے آپؐ کے فرمودات میں پائے جاتے ہیں۔

(زبان کلچر میں جو اساسی اہمیت رکھتی ہے، اس سے کون انکار کرے گا! یہ کلچر کا مینار ہے جو راہ متعین کرتا اور رہبری کرتا ہے۔ آپؐ دنیا کے مہذب ترین فرد تھے کلچر نے آپؐ کی ذات سے فروغ پایا۔ آپؐ کا دیا ہوا انقلابی کلچر ہی تاریخ کا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔)

---

[۱] آپؐ کو خالقِ اکبر اور عالمِ کل نے بہ نفسِ نفیس تعلیم دی اور کسی بندۂ فانی کو یہ فرض نہ سونپا آپؐ روزِ اوّل ہی رموزِ فطرت سے آشنا ہوتے۔ آپؐ کے اُمّی ہونے میں بھی حکمت تھی۔ آپؐ کی ذات پر کسی کا احسان نہیں۔ آپؐ اگر کسی بندے سے تعلیم حاصل کرتے تو یہ آپؐ کے شایانِ شان نہ تھی۔ آپؐ ایسے جلیل القدر نبیؐ کو علم سکھانے والا کوئی پیدا ہی نہ ہوا۔ اگر کوئی بندہ آپؐ کو علم سکھاتا تو وہ غیر مسلم ہوتا۔ کیا عجب کہ وہ کبھی آپؐ کی ذات کے بارے میں نازیبا کلمہ زبان پر لاتا یا خواہ مخواہ کوئی الزام لگاتا۔ ایسے میں بدگمانی کا پہلو نکلتا۔ آپؐ انسانیت کے محسن ہیں اور آپؐ نے مخلوق کو علم سکھایا۔ آداب زندگی سے آشنا کیا۔ آپؐ کو رب نے عقل و دانش عطا فرمائی اور آدابِ زندگی سکھاتے۔

Marfat.com

بڑے ہوئے تو آپؐ کو گلہ بانی کا موقع بھی میسّر آیا ۔۔۔

"آپؐ کئی سال تک اپنے خاندان اور مکّہ کے دیگر اشخاص کی بکریاں چراتے رہے۔ بعد کی زندگی میں آپؐ اس شغل کا ذکر تحدیثِ نعمت کے طور پر کیا کرتے اور فرماتے ۔۔۔

نبوّت کے لیے گلہ بانی شرط ہے۔ گلہ بانی کے بغیر منصبِ نبوّت حاصل نہیں ہوتا۔ حضرت موسیٰ گلّہ بان تھے۔ حضرت داؤد نے بھی گلّہ بانی کی۔ میں بھی اپنی بکریاں چراتا رہا۔" [۱]

ایک گلّہ بان کا اندازِ معاشرت کچھ اس قسم کا ہوتا ہے کہ وہ دن نکلے وسیع و عریض فضائے کائنات پر اور رات پڑے چمکتے ہوئے ستاروں کی آب و تاب پر دلچسپی کے ساتھ غور و خوض کرتا ہے۔ اس کے دل میں وہ رہ رہ کر چٹکیاں لیتی رہتی ہے کہ کسی نہ کسی طرح مجھ پر اسرارِ قدرت ہویدا ہوں۔ اگر وہ صاحبِ عقل و شعور ہے تو اسے یہ فکر دامن گیر رہے گی ۔۔۔

- ★ کیا میں ہوا میں سانس نہیں لے رہا ہوں؟
- ★ کیا ہوا کے بغیر میری ہلاکت یقینی نہیں؟
- ★ کیا مہر و ماہ کے نور کی تیرتی ہوئی کرنیں میری رگ و پے میں

---

[۱] تاریخ گواہ ہے کہ سامی گلّہ بانوں ہی نے دنیا کے متمدّن ترین اور قوی ترین فرماں رواؤں ۔۔۔ فراعنہ کے دیس قیموط (قدیم مصر) کی اینٹ سے اینٹ بجائی اور ہزاروں بتوں کو پامال کر کے خدائے واحد کا نام بلند کیا۔ یہی گلّہ بان مصر کی تاریخ میں ہکسوس کہلاتے ہیں۔ حضرت یوسفؑ گلّہ بان حکمرانوں ہی کے دَور میں واردِ مصر ہوئے۔

Marfat.com

ہدایت کئے ہوئے نہیں؟

★ کیا میرا وجود آسمانوں اور ان جہانوں سے جو فضائے کائنات میں موجود اور باہم دیگر مربوط ہیں، کوئی ربط وضبط نہیں رکھتا؟

چونکہ ہر گلہ بان کو ہر ممکن صورت میں اپنے گلّے کی حفاظت کرنی پڑتی ہے اور یہ خیال رہتا ہے، کہیں کوئی بکری گُم یا ضائع نہ ہو جائے، اس لیے جب وہ نظامِ کائنات اور اس کی نگہداشت پر غور کرتا ہے تو یہی نقشہ اس کے ذہن میں اُتر آتا ہے۔ یعنی یہ کہ اس نظامِ کائنات کا کوئی محافظ ضرور ہے اور یہ محافظ ہمیشہ اس کوشش میں رہتا ہے کہ اس کے نظام میں کسی قسم کا اختلال رونما نہ ہونے پائے۔ اس قسم کے خیالات کا عادی جو انسان بھی ہوتا ہے، دنیا کی ناپائیدار اور گریز پا لذتیں اس کی نظر میں ہیچ ہوتی ہیں۔ جیسے کبھی بھولے سے بھی اس کا دامن ان آلودگیوں سے ملوّث نہیں ہوتا۔ جب اس پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ دنیا اور اس کی مرغوبات میں کوئی خوبی نہیں تو اس کی روح فضائے قدس کی سیر کرتی اور عالمِ بالا تک پرواز کی سکت اس میں آجاتی ہے۔ یہی اسباب تھے جن کی بنا پر آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کبھی کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے آپؐ کی صفتِ امانت پر حرف آتا ہو[1]۔

---

[1] گلّہ بانی کے دور کی نسبت آنحضرتؐ فرماتے ہیں — "ایک دن مجھے ہنگامی عیش و عشرت کا خیال آیا تو میں نے دوسرے گلّہ بان سے کہا کہ میں مکہ جانا اور رات وہیں گزارنا چاہتا ہوں۔ تم میری غیر حاضری میں میری بکریوں کی دیکھ بھال کرتے رہنا۔ جب میں مکہ پہنچا تو وہاں لوگ جشنِ شادی منا رہے تھے۔ میں اسی جگہ ٹھہر گیا لیکن مجھ پر ایسی نیند طاری ہوئی کہ پتہ ہی نہ چلا کہ اس جشن میں کیا ہوا۔ اسی طرح ایک واقعہ اور رات کو اسی مقصد سے مکے گیا، یکایک میرے کانوں

Marfat.com

بادیہ جسے حتّی نے " اوپن ائیر سکول " کہا ہے یہاں فرماں روا اپنے بیٹوں کو بھیجتے تاکہ خالص عربی زبان سیکھیں، درشت نوع کی گھڑ سواری میں طاق اور سخت جان ہوں۔ مزید برآں شہر میں بار بار حملہ آور ہونے والی طاعون سے بچے رہیں۔[1]

بادیہ متنوع تعلیم وتربیت کا مدرسہ ہے۔ ملاوٹ سے مبرا زندگی یہیں ملے گی۔ لائف آف محمد کے مؤلف ای ڈینٹ اور ابراہیم سلیمان کے الفاظ میں ـــــ

" آپ کو قدرت کی طرف سے جو رفیع القدر روح ودیعت ہوئی تھی اسے یہاں غایت درجہ تسکین میسر آئی ـــــ عہد جاہلیت کے منتقمانہ ماحول کے باوجود عرب وسیع القلب اور مہمان نواز تھے۔ حاتم طائی انہی میں پیدا ہوا جس کی سخاوت کے قصے زبان زدِ عام رہے۔ وہ نفیس ذوق شعر رکھتے۔ اپنی فصاحت وبلاغت پر نازاں ہوتے اور دوسروں کو عجمی (گونگا) کہتے "[2]

جب قرآن نازل ہوا تو عرب فصحاء، ادباء اور شعراء کی شیخی کرکری ہوگئی۔ انہیں جب چیلنج دیا گیا کہ اس جیسی ایک صورت بنالاؤ تو وہ عاجز رہے۔

جہلائے عرب کی معاشرتی اور تمدنی زندگی بھونڈی تھی۔ وہ کعبہ بھی تعمیر نہ کرسکتے۔ اس کے لیے بھی انہیں ایک پردیسی کی خدمات حاصل کرنی پڑیں۔ طرح طرح کے اوہام

---

میں گانے کی آواز آئی۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ یہ کوئی آسمانی نغمہ ہے۔ میں نے تھوڑی دیر یہ نغمہ سنا لیکن پھر اسی جگہ مجھے نیند نے آگھیرا اور صبح تک میری آنکھ نہ کھلی۔

(سیرت الرسول مؤلفہ ڈاکٹر محمد حسین ہیکل، ص ۱۵۲ مطبوعہ کاروان بک ڈپو، ۱۹۷۱)

[1] HISTORY OF THE SYRIA ص ۴۴۴ میکملن اینڈ کمپنی، لندن ۱۹۵۱ء۔

اور وساوس میں مبتلا تھے۔ بیہودہ عقائد رکھتے تھے۔ بت پرست تھے لیکن اچھی سی دیوما بھی گھڑ نہ سکے۔ شراب خوری، جوا، دختر کشی، کالا علم، کہانت، سود خوری اور ایسی ہی دیگر خرافات نے انہیں ضلالت اور ذلت کے گڑھے میں دھکیل دیا تھا۔ انہیں اور نیز باقی دنیا کے لوگوں کو روحانی، اخلاقی اور معاشرتی خرابیوں کے باعث، ایک نبی کی سخت ضرورت تھی جو انہیں گمراہی سے نجات دلائے چنانچہ محمدؐ عربی مبعوث ہوئے۔ آپ نے ان کی کایا ہی پلٹ دی۔ آپ پیدائشی پاکباز، پاک طینت اور امین و صدیق تھے۔ دل و دماغ روشن تھے۔ کسی نوع کے اوہام و وساوس کا یہاں گزر نہ تھا۔ بادیہ نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔

"آپ نے تمام عمر سختی میں بسر کی اور لوگوں کو بھی اسی نوع کی زندگی بسر کرنے کی دعوت دی۔ مال و زر کی ہوس انسان کو اس لیے دامن گیر ہوتی ہے کہ اس کی زندگی پھولوں کی سیج بن جائے۔ حضورؐ اس قسم کی خواہش سے کوسوں دور تھے۔ اس کے برعکس آنحضرتؐ غور و فکر کے عادی تھے اور یہ ایک ایسی معنوی لذت ہے جو اس فرحت کے نتیجے میں انسان کو حاصل ہوتی ہے جو اسرارِ کائنات کی عقدہ کشائی کا ماحصل ہے۔ اس لذت کے حصول کے لیے دنیاوی دولت کی ضرورت پیش نہیں آتی۔" [1]

آپ کی زندگی کا ہر لمحہ بامقصد تھا۔ بادیہ پیمائی اور فرصت کے لمحات بندگانِ خدا کی بھلائی کے خیال میں گزرے۔ آپ ان کے لیے اطمینانِ قلب، آسائشِ جسم و جان اور خیر کی راہ نکالنے کی تدبیر کرتے۔

"آپ ریگزار کے رواں دواں دھاروں، رنگ بدلتی اور اٹھلاتی بل

---

[1] ہیکل ص ۱۵۴

کھاتی ہوئی ندیوں کے ساتھ ساتھ چلتے یا پھر ناہموار چٹانوں پر جھک جھک کر چڑھتے اور چوٹی پر پہنچتے۔ آپؐ کی نگاہیں بے آب وگیاہ میدانوں کی وسعتوں میں کھو جاتیں جو آپؐ کے مبارک قدموں کو چھوتی ہوئی تا رسا افق تک پھیلتی چلی جاتیں۔

کئی کئی گھنٹے اس اثر انگیز تخلیہ گاہ میں، روشنی کے اس سمندر میں، منظر کے خاموش اور کیف آفریں تصوّر میں منہمک رہتے۔ یہ منظر بے مثال، شاندار اور متنوّع ہوتا۔ آپؐ کے حضور یہ زمین و آسمان کے عناصر کی پیشکش تھی۔ یہ عناصر پُر اسرار، نامعلوم، فہم سے بالاتر، کائنات گیر اور لاجواب قوّت کے تابع تھے۔ آپ ریت کے ٹیلوں اور چٹانوں کو دیکھتے جن پر سویرے کا گلابی جال تنا ہوتا اور اس پر ادنیٰ قسم کے سنگریزے جڑے ہوتے۔ پھر جب سورج کی پہلی کرنیں نمودار ہوتیں تو سنگریزے تابدار قیمتی پتھر بن جاتے۔ پھر آنکھوں کو چندھیانے والی روشنی کا غلاف دن کے بدن پر چڑھ جاتا۔ نصف النہار پر درماندہ زمین کو اپنے اندر لے لیتا۔ زمین بے جان ہوتی۔ اس کے بعد سنہری سیل آتا۔ غروب کے وقت سورج بڑی بڑی موجیں دنیا کی چہار اطراف میں رواں کرتا تاکہ بوقتِ رخصت غم انگیز صورت پیدا ہو۔ آخر میں چاند کا گوبند آسمان کو چنگاریوں سے پٹخارتا۔ یہ چنگاریاں ستارے بن جاتیں۔

اور پھر غرور و تکبّر سے ستون کھڑے ہو جاتے۔ ریت یہ کھیل خوشی خوشی کھیلتی۔ اغلباً وہ آسمان کے نیلے گنبد تک پہنچنا چاہتی۔ سیلاب کے ایام میں ندیوں کے سینے میں سے وحشت خیز فوّارے پھوٹتے اور اندھیرے میں لپٹی ہوئی دھند پر بلند ہوتے۔ کبھی کبھار سفید بھیڑوں کے گلّوں کی مانند بادلوں کے قافلے چلے آتے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر بنتے اور ہوائیں انہیں وہاں

Marfat.com

سے دھکیل لاتیں ــــ بے چارے اشکبار ہونے نہ پاتے کہ گھر سے جبراً رخصت کر دیے جاتے۔ چٹیل پہاڑیوں پر زبردست سیلاب آتے اور دیکھتے دیکھتے جل تھل کر جاتے۔ وادیوں میں وحشیانہ گرج کے ساتھ ریلے پر ریلے آتے۔

ادھر یہ ہولناک عناصرِ قدرت بھول کر بھی قادرِ مطلق کے نافذ کیے ہوئے قانون کے خلاف دم نہ مارتے، ادھر ان کے مقابل قدرے کمزور اور ڈٹ کر مقابلہ کرتا دکھائی دیتا۔ اس کا دارومدار خاکی اجزائے ترکیبی کی طاقت پر رہا اور پھر یہ ناتواں ناچیز شے اس سراب میں تحلیل ہو جاتی جسے محمد عربی ﷺ جوش کھاتی ہوئی فضائے بسیط سے ابھرنے والی موجوں میں دیکھتے جیسے یہ دنیائے فانی کی اشیاء کے اندر سر بسر شیحی بگھارنے کی تصویر پیش کر رہی ہوں۔

"بادیہ پیمائی ہی محمد عربی کی تعلیم کا بڑا ذریعہ تھی۔
اس نے آپ ﷺ کا دل دُنیوی خیالات سے پاک کر دیا۔
اسی لیے اسے حدیث میں صفائے صافات کہا گیا
ہے"

رفتہ رفتہ صحرائے بیکراں کی روح آپ ﷺ کی ذات میں جذب ہوتی گئی اور یوں رب العالمین کی بے پایاں شان و شوکت کا تصوّر شاملِ جبلّت ہوا۔ کارخانۂ قدرت کے بعید ناقابلِ فہم اسرار آپ ﷺ کے باطن میں انتہائی مخفی تہوں تک پہنچ گئے۔ آپ ﷺ کا دماغ ان سے اس قدر لبریز ہو گیا کہ آپ ﷺ کے ہونٹوں سے ابدی سچائیاں پھیلنے کے درپے ہوئیں۔ اس ضمن میں عظیم مفکّر کارلائل تعریف و توصیف کیے بغیر نہ رہ سکا ــــ

Marfat.com

"ایسے شخص (محمد عربی ؐ) کی آواز براہِ راست خالق کے
دل کی آواز ہے۔ لوگوں کو ضرور بالضرور اسے یہ جان کر سننا
چاہیئے کہ اس کے مقابل جو کچھ ہے وہ محض ہوا ہے"۔[1]

یہاں ایک پریشان کن سوال پیدا ہوتا ہے۔ کیا ہم بادیہ پیمائی کریں؟ جنگلوں میں لوٹ جائیں اور فطرت سے ہمکنار ہو جائیں؟ جواب یہ ہے کہ ہم جنگل مٹا چکے ہیں۔ ان کی بجائے ہم نے نئے تمدن کی بدولت شہروں کی صورت میں گھنے جنگل اُگا لیے ہیں بلکہ گاؤں جہاں فطرت سے ملاپ ہو سکتا ہے، برباد کر رہے ہیں۔ انہیں شہر کے مصنوعی تمدن سے آشنا کر رہے ہیں۔ زرعی زمینوں پر دھڑا دھڑ شہری جنگل کھڑے ہو رہے ہیں۔ ہمارے یہ جنگل ایسے ہیں جہاں ——

* ہر بندہ ہجوم کے درمیان اجنبی ہو کر رہ گیا ہے اور راستہ کھو بیٹھا ہے۔ اس ہجوم میں اکیلے پن کا احساس اس کا سب سے بڑا دکھ ہے۔ ایسے میں کوئی اس کی دستگیری نہیں کرتا، اسے دلاسا نہیں دیتا۔
* سیم و زر کی جھنکار میں جنسی کھلونے تماشا دکھا رہے اور ہمارا جی بہلا رہے ہیں۔
* تازہ اور صاف ہوا کی بجائے پٹرول کا دھواں اور گرد و غبار کھانے کو ملتا ہے۔

---

[1] ای ڈرمنٹ اور ابراہیم سلیمان کی تالیف "لائف آف محمد" ص ۲۷، ۲۸۔ تاج کمپنی ۱۹ پورے اقتباس میں کارلائل کی جو عبارت آخر میں دی گئی ہے وہ آنجہانی کی شہرۂ آفاق تالیف کے مقالے HERO AS PROPHET سے لی گئی ہے۔

Marfat.com

* اطمینانِ قلب نصیب نہیں۔

ہمیں تہذیب و تمدن کے ان شاندار جنگلوں کے عذاب سے چھٹکارا پانا ہے۔ سائنس دان ہمیں متنبہ کر رہے ہیں کہ دنیا تین دھماکوں کی زد پر ہے۔ ایٹمی دھماکا، آبادی کا دھماکا، آلودگی کا دھماکا۔ یہ تینوں دھماکے تہذیب کے جنگلوں میں رونما ہوں گے اور پوری دنیا کو لپیٹ میں لے لیں گے۔

یہ دھماکے خیر سے اس دانش، علمی ترقی اور تہذیبی شعور کی رہینِ منت ہوں گے جن پر ہم نازاں ہیں۔ کیا ہم اس دور کے شیخ چلی نہیں جس نے اس ٹہنی کو کاٹ ڈالا جس پر وہ بیٹھا تھا؟

بادیہ اور جنگل نے ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا لیکن تہذیب نو کے خوبصورت جنگلوں نے ہمیں کلوں کی گھن گرج میں دفن کر دیا ہے۔ بندہ مشین کا غلام بن گیا ہے۔ اس سے چلنے پھرنے اور حرکت کرنے کی صلاحیت چھن رہی ہے۔ ہمارے مصنوعی جنگل آکسیجن (حیاتی گیس) سے رفتہ رفتہ محروم ہو رہے اور سموگ (سموک اینڈ فوگ ـــ دھواں اور دھند) کے دبیز پردوں تلے دب رہے ہیں۔

ہمارے گرد و پیش ایٹم بموں، ہائیڈروجن بموں، میزائلوں اور لیزر شعاعوں کے تجربے ہو رہے ہیں۔ ہم ان کی زد میں ہیں۔ ایسے میں ہم اینٹ کا جواب پتھر سے دینے پر مجبور ہیں۔ تلوار اور تیر کمان کے دن لد گئے۔ اب تو نت نئے ہتھیار ایجاد ہو رہے ہیں ہمیں زندہ رہنے، اپنی جان بچانے اور اپنے دشمن سے نمٹنے کے لیے وہ سب کچھ کرنا ہے جو دشمن ہمارے لیے کر رہا ہے۔ یہ ضروری ہے، اس سے مفر نہیں۔ ہمیں بوریہ بستر لپیٹ کر کہیں نہیں جانا، یہیں رہنا اور ظالموں کا مقابلہ کرنا ہے نئے ہتھیاروں، اعلیٰ کردار اور روحانی طاقت سے۔ اہلِ دنیا کا ذہن بدلنا پڑے گا۔ ہم بڑی طاقتوں سے لڑ نہیں سکتے۔ تاہم ان تک قرآن کی صداقت پہنچا سکتے اور انہیں رام کر سکتے ہیں۔ صبح د

Marfat.com

امن کے ہتھیاروں سے بھی کام لینا ہوگا۔ لڑائی کو روکنا وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ محمد عربیؐ اور آپؐ کے پیروکاروں نے ماضی میں جن، بھوت پریت، اوہام، وباؤں اور بت پرستی کے خلاف جنگ کی، آج ایٹم بموں، ہائیڈروجن بموں، میزائلوں اور لیزر شعاعوں سے لیس ہو کر ان مہلک ہتھیاروں سے مقابلہ کرنا ہوگا۔

دنیا کی سمجھ پر پتھر پڑ گئے ہیں۔ جنہیں لوگ تہذیبی فتوحات کا نام دے کر اتراتے پھرتے ہیں، درحقیقت وہ تباہی ــــ مکمل تباہی کے اقدامات ہیں۔ تاریخ نازک پراشیانہ بنایا جا رہا ہے، یہ بری طرح زمین پر آ رہے گا، ہم بھی ساتھ گریں گے۔ پیشگوئی کی جا رہی ہے کہ تہذیب نو کی مخلوق کو اکیسویں صدی کی پہلی صبح دیکھنی نصیب نہ ہوگی۔ یہ مخلوق تو اپنے ہاتھوں کرۂ ارض کی کامل تباہی کے ساتھ جہنم رسید ہو چکی ہوگی۔ کیا عجب کہ حشر سے پہلے حشر برپا ہو جائے۔ اللہ میاں کی قیامت سے قبل ہی چالاک اور ہوشیار مگر فریب خوردہ انسان اللہ کو زحمت نہ دے اور آپ ہی اپنی موت کا سامان کر لے۔ فی الحال اتنا تو ہوا ہے کہ جوہری آلودگی کی بدولت اس حفاظتی حصار میں دراڑ پڑ گئی ہے جسے فضا کہتے ہیں۔ ہم جوہری ایجادات میں پیہم اضافہ کئے جا رہے ہیں اور آفتاب کی تباہ کن تابکاری کو تیزی سے اپنی طرف بڑھا رہے ہیں۔

اس میں خوشی منانے کی کوئی بات نہیں کہ انسان چاند پر جا پہنچا اور بتدریج خلاء مسخر ہو رہا ہے۔ بڑی طاقتیں دنیا کے بہترین، ذہین ترین اور بے مثال سائنسدانوں کی اعانت سے خلاء کو میدانِ جنگ بنا رہی ہیں۔ آئندہ وہاں سے زمین پر میزائلوں کی برکھا ہوگی اور پھر ہمارا جو حال ہوگا اسے دیکھنے اور بیان کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔

بادیہ اور جنگل ہم چھوڑ آئے ہیں۔ انہیں دوبارہ آباد نہیں کیا جا سکتا۔ پھر بھی اسلامی

Marfat.com

تمدنی، معاشرتی اور معاشی سوچ کی جس قدر آج طلب ہے پہلے کبھی نہ تھی۔ بادیہ نہ بھی بوریہ تو ہے۔ اسلام فطری روشنی اور روشن خیالی کے ذریعے انقلاب برپا کر سکتا ہے صداقت کی حفاظت اور جھوٹ کی بیخ کنی کر سکتا ہے۔ بچاؤ کا یہی آخری نسخہ ہے ابھی کچھ وقت ہے کہ ہمت سے کام لیں اور تباہی کے کنارے کھڑی مخلوق کو کتاب دکھائیں پڑھائیں ــــ وہی کتاب جس نے چودہ صدی پہلے اندھی دنیا کو آنکھیں دی تھیں۔ بھٹکتے ہوئے انسانوں کو راہ پر ڈالا تھا۔ یاد رہے کہ یہ کتاب غیروں کو بُری طرح کھٹکتی ہے۔ وہ اس کتاب سے بہت ڈرتے ہیں کیونکہ وہ چودہ سو سال میں بار ہا اس کا معجزہ دیکھ چکے ہیں۔ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس کتاب میں کوئی ایسا پُراسرار اور ناقابلِ فہم اسم اعظم ہے جو ہر وقت مسلمان کو للکارتا، بیدار ہونے، لپک کر باطل کو مٹانے اور دنیا پر چھا جانے کی دعوت دیتا ہے۔ جب بھی وہ اسے سینے سے لگاتا ہے، بے پناہ ہو جاتا ہے ایسے میں وہ ناقابلِ تسخیر ہوتا ہے اور اگر پہاڑ سامنے آئے تو اسے کاٹ کر رکھ دیتا ہے بحرِ ظلمات آئے تو اس میں گھوڑے دوڑا دیتا ہے جب وہ پوری طاقت اور جذبے سے اللہ اکبر کا نعرہ مارتا ہے تو عرش ہل جاتا ہے۔ دشمن کے قدم اکھڑ جاتے ہیں۔ فرنگی نے ایک صدی اسی دھن میں گزاری کہ کسی طرح مسلمان کو قرآن سے دُور کیا جائے۔ جہاد سے باز رکھا جائے۔ اس کے دل سے اس کے پیارے نبی کی محبت کالعدم کی جائے۔ اس کے لیے اس نے علمائے سُو سے کام لیا۔ ایک نبی بھی گھڑ لیا لیکن بحمد اللہ وہ اس چنگاری کو بجھا نہ سکا جو دلِ مومن میں قرآن کو سینے سے لگاتے اور زبان پر نامِ محمدؐ لاتے ہی بھڑک اُٹھتی اور باطل کے اَن گنت لشکر کو جلا کر خاک کر دیتی ہے۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں ہم اہلِ ایمان کا کرشمہ دیکھ چکے ہیں۔ اس گئے دَور میں بھی، اس گئی گزری قوم نے اپنے سے پانچ گنا طاقت کے چھکے چھڑا دیے اور اسے ذلت کی کھڈ میں پھینکا۔ یہ کلمے کی بدولت ہے جس میں اللہ اور محمدؐ کا نام ایک ہی سانس میں لیا جاتا ہے۔ عہدِ حاضر کا سائنسدان بے

Marfat.com

شک بیالیس ۴۲ ارب نوری سالوں یا اس سے بھی بڑی وسعتوں میں پھیلی ہوئی کائنات کی سیر کرے، اسے مسخر کرے جب تک وہ قرآن کی صداقت کو قبول نہیں کرے گا اور کلمہ نہیں پڑھے گا، منہ کے بل گرے گا، تباہ و برباد ہوگا ـــــ ایٹم بم سے مخلوقِ خدا کو مٹانے اور قدرت کے نظام کو درہم برہم کرنے والے، انسان نہیں، درندے ہیں۔ ڈر ہے کہ یہ درندے لڑنہ پڑیں اور گیہوں کے ساتھ گھن کو بھی پیس نہ ڈالیں۔

خالقِ اکبر نے یہ دنیا اپنی مخلوق کی آسودگی، خوشی اور خوشحالی کے لیئے بنائی ہے۔ اس کے قیام اور استحکام کے لیئے لابدی ہے کہ انسان بامقصد زندگی گزارے، اللہ کے آئین اور قوانین کا احترام کرے جو انسانی فطرت کے مطابق ہیں اور جنہیں اس نے نبیٔ آخرالزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے نازل کیا۔ انہی کی وساطت سے لوگوں کو ایک خدا ـــــ اپنے سچے معبود کا نام بلند کرنے کی تاکید کی۔ کعبے کے ۳۶۰ جعلی خداؤں کو اسی غرض سے غارت کیا گیا۔ جاہلیت کی تمام رسوم اللہ ہی کے آئین و قوانین کی روشنی میں ختم کی گئیں۔ بندے کو بے جا الجھنوں، قضیوں، بیکار مسائل اور بے بنیاد تصورات سے فارغ کر دیا۔

اُخوت اور مساوات کا سکہ رواں کیا۔ ہر سطح پر معاشرت اور معیشت میں اسے عملاً روا رکھا۔

یہی تعلیمات تھیں جنہیں ہند میں آکر مسلمانوں نے اپنے معاشرے میں جاری و ساری کیا تو صدیوں سے بتوں کی پوجا، ذات پات کی تمیز، چھوت چھات، معاشرتی عدم مساوات سود خوری، شودر اور برہمن کے درمیان زمین آسمان کا فرق، برہمنی اجارہ داری، سامراج اور ایسی ہی لعنتوں میں گرفتار مفلوک الحال، پامال رعایا باغی ہوگئی اور بڑی تیزی سے

Marfat.com

اسلام کی آغوش میں آنے لگی۔ برہمن کا سنگھاسن ڈولنے لگا۔ وہ چونکا اور اس نے بھگتی تحریک کا آغاز کیا جس میں محبت، صلح و آشتی، مساوات، اُخوت اور رواداری کا درس دیا۔ ایک خدا کی پوجا کا حکم دیا۔ اس نے اسلامی تعلیمات کو اپنا کر بطورِ حربہ اسلام کے خلاف برتا اور اس طرح بے قابو ہونے والے اپنے پیروکاروں کو اپنے شکنجے میں جکڑنے کی تدبیر کی لیکن اتنا کچھ کرنے کے باوجود اس عصبیت کا دامن نہ چھوڑا جو اس کی گھٹی میں پڑی تھی ——— اس نے کلمہ نہ پڑھا جس کے باعث بت بھی پجتے رہے اور برہمن کی اجارہ داری بھی قائم رہی۔ پھر اس کی جلسازی اور چالاکی کا بھید کھل گیا۔ آٹھویں اوتار مہاتما گاندھی نے شودروں سے ہمدردی جتائی اور جب ڈاکٹر امبید کرنے اچھوتوں کو ہندو سماج سے علیحدہ کرنے کی دھمکی دی تو مہاتما نے انہیں سبز باغ دکھائے اور منا لیا لیکن ہندو سماج نے اچھوتوں کو قبول نہ کیا۔ ان سے نفرت اور بے گانگی کا سلسلہ جاری ہے۔ انہیں ان کی بستیوں سمیت جلایا جاتا اور شہری حقوق سے محروم رکھا جاتا ہے۔ ان پر ہر ظلم روا ہے۔

ایک اللہ کو مان لینا کافی نہیں۔ یہ ایک نظریہ ہے جو زندگی کا پورا ڈھانچہ بدلنے کا متقاضی ہے۔

پہلے دنیا میں ہزاروں خدا تھے۔ ان کی ہزاروں داستانیں تھیں، دیومالائیں تھیں۔ پروہت جو قبائلی سردار، معلّم، شاعر، طبیب، دانشور اور جادوگر ہوتے رات دن خدا سازی اور بت تراشی میں مصروف رہتے۔ ان خداگروں نے بدترین مذہبی اجارہ داری، وڈیرہ شاہی، جاگیرداری، عوام کی غلامی، افلاس، بے چارگی، ذات پات اور چھوت چھات کا روگ، انسانوں کی تقسیم اور باہمی نفرت کے بیج بوئے۔ انہی پروہتوں نے نسلی اور قبائلی تفاخر، اوہام پرستی اور حیات و کائنات کے بارے میں فرضی، قیاسی اور غیر سائنسی تصورات کو ہوا دی۔

Marfat.com

مصر میں تو یہ عالم تھا کہ فرعون ان کے بغیر ایک قدم نہ چلتا۔ زندگی ہی میں نہیں بلکہ مرنے کے بعد بھی وہ اس کی بقا، سفرِ آخرت میں اس کی کامیابی اور اسے ربِ الشمس تک پہنچانے کا ضامن ہوتا۔ اس سلسلے میں اس نے جو منتر یا کلمات وضع کئے اس کے مخطوطے لندن اور دنیا کے دیگر عجائب خانوں میں بحفاظت موجود ہیں۔ کتابِ رفتگاں[1] فرض کے طور پہ فرعون کی لاش کے ساتھ تابوت میں رکھی جاتی۔ فرعون اپنی زندگی ہی میں اس کے نسخے اپنے نام اور حوالے سے تیار کرواتا۔ اس کے مرنے کے بعد پروہت باقاعدہ اس کا وِرد کرتا جس کے عوض فرعون زندگی ہی میں اس کے لیے گراں قدر معاوضہ معیّن کر کے جاتا۔ پروہت اس قدر دولت بٹور لیتے کہ کبھی کبھی فرعون ان کا مقروض ہو جاتا۔

اسلام نے آدمی کا ذہن بدلا۔ پروہتی نظام اور بُت پرستی کے باعث اس کے دماغ میں رینگنے والے کیڑے ہلاک کیے۔ جب غسلِ ذہنی ہوا تو آدمی نے معاشروں کی ہیئت بدل دی۔ ہر نوع کی اجارہ داریاں توڑیں۔ ہزاروں مصنوعی خداؤں کی شدید گرفت سے چھڑا کر مخلوق کو ایک حقیقی خدا کے حوالے کیا۔ اس طرح انسان ایک ایسی مملکت میں آ گیا جہاں کسی بندۂ خدا کو بانر (بندر)، ملیچھ (پلید)، یا داس (غلام) نہیں کہا جا سکتا تھا جیسا کہ منو سمرتی اور رامائن میں ہند کے اصل، باوقار اور جیالے مقامی باشندوں کو کہا گیا ہے۔ عرفِ عام میں انہیں پہلے شُودر اور اب ہندوؤں کے آٹھویں اوتار آنجہانی گاندھی جی کی وضع کردہ اصطلاح میں 'ہری جن' کہا جاتا ہے۔ گاندھی جی نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا، شُودروں پر مندروں کے دروازے کھولے اور انہیں سیاسی مصلحت کے تحت، ہندوؤں کی اکثریت قائم کرنے کے لیے ہندومت میں مدغم کرنے کی کوشش کی لیکن جیسا کہ اوپر بتایا گیا

---

[1] کتابِ رفتگاں جس کا ترجمہ ڈاکٹر والس بیج نے انگریزی میں کیا ہے یہ BOOK OF THE DEAD کے نام سے شائع ہوا ہے

Marfat.com

ہے۔ شودر آج بھی ہند میں اونچی ذات کے ہندوؤں کے تابع ہیں۔ سیاست اور معاشرت میں اعلیٰ مقام پانے کے باوجود انہیں بھارت میں پردھان منتری (وزیر اعظم) یا راشٹر پتی (صدر) کا عہدہ نہیں مل سکتا۔ سچ تو یہ ہے کہ ذات پات کی نفرت آج بھی بدستور موجود ہے۔ پروہتی اجارہ داری ــــ پریسٹ ہُڈ میں اسلام کی مطلق گنجائش نہیں۔

اسلام پروہتی اجارہ داری کا قاتل ہے۔

اسلام ترقی پسندی اور روشن خیالی کا مذہب ہے۔ بلا امتیاز بہترین جمہوری مسلک ہے یہ کسی پروہت، کاہن، مفاد پرست وڈیرے لٹیرے، شاعر، ساحر، برہمن یا مہاتما کی دماغی اختراع نہیں۔ پروہتوں، کاہنوں، شاعروں، ساحروں، برہمنوں اور مہاتماؤں نے عالمگیر پیمانے پر انسانوں کے خلاف سازش کی اور خالص ذاتی مفادات ــــ اقتدار، اختیار اور سیم و زر کی خاطر اپنی مرضی کا مذہب گھڑا اور رائج کیا۔ اسلام میں ایسی کوئی شے نہیں۔ یہاں اقتدار و اختیار اللہ کا ہے۔ ہر شخص کلمہ ــــ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھ کر اسلامی برادری میں داخل ہوتا ہے۔ اسی آن بلا تامل دوسرے مسلمان بھائیوں کی طرح پورے شہری اور مذہبی حقوق پالیتا ہے۔ انہی کی طرح ادائے فرض کا مکلّف ہوتا ہے۔ شک و شبہ کی ضرورت نہیں۔ قرآن میں فرائض کا ذکر ہے۔ وہ انہیں قرآن میں بہ نفسِ نفیس دیکھ سکتا ہے۔ کوئی دوسرا اس کے حقوق و فرائض میں کمی بیشی نہیں کر سکتا۔ ایک مفلس اور بے سروسامان شخص اپنے اعلیٰ اخلاقی کردار، پاکبازی، حق پرستی، حق گوئی اور عقل و دانش کی بناء پر امام، قائد اور حاکمِ وقت بن سکتا ہے۔ یہاں مراعات ہیں نہ مراعات یافتہ طبقہ ہے۔

اسلام صرف نیا کلچر ــــ نئی تہذیبی سوچ ہی نہیں دیتا بلکہ تہذیبی عمل کے لئے راہ ہموار کرتا ہے۔

تلوار جو توانائی کا حربہ ہے صرف اور صرف سچ کی بقاء اور بدی کے خاتمے کے لئے

Marfat.com

ہے ـــــ یہ اپنی ذات، اپنے نظریے اور تہذیب و تمدّن کی حفاظت اور مدافعت کا ہتھیار ہے۔ معاشرے کو غلاظتوں سے بچاتا ہے۔ ماحول کے رگ و پئے کو گندے خون اور فاسد خیالات و تصوّرات سے پاک کر کے تندرستی دلاتا ہے۔

اسلام جمالیات کا آئینہ دار ہے لیکن اس احتیاط کے ساتھ کہ طاؤس و رباب کی حکمرانی نہ ہو اور بندہ زوال کی سمت نہ جائے۔ ہمیں مسجدِ عالمگیری بھی چاہیئے اس کی پوری شان و شوکت اور حسن و جمال کے ساتھ، فتاویٰ عالمگیری بھی چاہیئے۔ مسجدِ قرطبہ اور الحمرا بھی چاہیئے لیکن اس کے ساتھ طارق بن زیاد کی تیغ بے نیام بھی چاہیئے اور قرطبہ کی وہ یونیورسٹی بھی چاہیئے جسے مسجد کے در و دیوار میں قائم کیا گیا ہو، تاکہ ہم علم و دانش میں دنیا کی قیادت کر سکیں ــــ یورپ میں احیاء کی ابتداء قرطبہ کی اسلامی یونیورسٹی ہی میں تو ہوئی تھی۔ یہ درست ہے کہ بعد ازاں مسلمان آپس ہی میں لڑ پڑے۔ جب تک متحد رہے کوئی ان کا بال بیکا نہ کر سکا بلکہ ان کی حکومت کسی طول عمری کا آرزومند رہا لیکن یہ بکھر گئے تو انہیں ہسپانیہ سے رخصت کر دیا گیا۔ مسجدِ قرطبہ کی اسلامی یونیورسٹی کی کارگزاری کا ذکر تاریخ عالم کے صفحات میں محفوظ ہے۔ ہر زمانے میں مسلمانوں نے پہلے اپنی تطہیر کی، ذہن و بدن کی تہذیب کی، بعد ازاں دنیا کو مہذّب و متمدن کیا۔ لوگوں کے عقل و شعور کو جلا بخشی۔ ذوقِ علم و عمل دیا۔ سرچشمہ وہی کتاب اور صاحبِ کتاب تھے۔ آج تک ان کی نظیر پیدا ہوئی نہ ہو گی۔ قرآن ہی حرفِ معتبر ہے، حرفِ آخر ہے۔

مسجد کا مقام و مرتبہ نہایت ارفع و اعلیٰ ہے۔ یہاں کی درسگاہ مطہّر و مقدّس ہو گی۔ منفی اثرات سے پاک ہو گی۔ شیطان اور شیطنت سے محفوظ رہے گی۔ تعلیم بجا طور پر عبادت ہو گی۔ جو پڑھائے وہ بھی عبادت گزار ہو گا، جو پڑھے گا، وہ بھی۔ قرآن کے یہ واضح اوصاف ہیں۔

Marfat.com

ایک یہ کہ اس کا باطنی حسن یعنی اس کی تعلیمات ہر عہد، ہر معاشرے اور ہر ملک کے لیے اوّل تا آخر مفید ترین ہیں۔ اس میں ابد تک رہنمائی کرنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ اس کی پیش کردہ اقدار فطری اساس رکھتی ہیں اور خیر کو متقدر کرتی ہیں۔ باطل، غیر فطرت اور شر انگیزی کا قلع قمع کرتی ہیں۔ ان میں جمال بھی ہے، جلال بھی ہے۔

دوسرا یہ کہ ہر آیت کریمہ فصاحت و بلاغت اور الفاظ و اصوات کی شیرازہ بندی کا لاجواب نمونہ ہے۔ فصاحت و بلاغت کے دریا بہانے والے قرآن سننے کے بعد اپنے آپ کو ہیچ سمجھنے لگے اور یہ چیلنج قبول نہ کر سکے ——

"ان جیسی ایک آیت ہی لے آؤ"

یہی دو باتیں اسلامی کلچر —— تہذیبی سوچ کی بنیاد ہیں ——

★ رہن سہن کے آداب ہوں، شب و روز کے معمولات ہوں، فنی شاہکار کی تخلیق ہو یا کسی نوع کا معاشی و معاشرتی رویہ، ان کا باطنی حسن یعنی افادیت (خیر) مقدم رہے، موخر یا معدوم نہ ہو جیسا کہ تہذیب نو اور سیکولر کلچر میں ہے۔ آدمی کی بھلائی، خوشی و خوشحالی، انفرادی و اجتماعی آزادی اور تعمیری فکر و عمل ہر لحظہ پیش نظر رہے۔

★ باطنی حسن کے پیش نظر ظاہری حسن بھی ہو۔

وضاحت یوں ہوگی —— کتاب، خوبصورت ہو اور مطالب و معانی بھی خوب صورت ہوں۔ اسی طرح تلوار کو لیجئے! باطنی حسن تو یہ ہے کہ قرآن کی تعلیمات یعنی نظریۂ اسلام کے بموجب چلے۔ نظریے کی حفاظت اور مدافعت کرے۔ حق و انصاف کی خاطر اٹھے اور ظلم و تعدی کی بیخ کنی کرے۔ ظاہر یہ ہے کہ METALLURGY کے اصول کے مطابق بہترین دھات سے بنائی جائے، کند نہ ہو، تیز ہو، مضبوط

Marfat.com

ہو۔

مسجد کا باطنی حسن یہ ہے کہ یہاں حق کی آواز بلند ہو ـــــــ عبادت کی جائے۔ کفر و باطل اور اوہام و وساوس کے خاتمے کا درس دیا جائے۔ (آج تو اس امر کی بھی ضرورت ہے کہ مسلمان کو مسلمان کیا جائے کیونکہ اس نے کفر و شرک کی تمیز ترک کر دی اور احساسِ زیاں سے محروم ہو گیا ہے، اسے راہِ راست پر لایا جائے، اسلام سکھایا جائے اور نئی توانائی دی جائے)

غیر تو غیر، اپنے بھی اسلام کے دشمن ہو گئے ہیں، ان کے خلاف صف بندی کی جائے۔

بندوں کو خدا اور رسول کے نام پر متحد و مجتمع کیا جائے ـــــــ یہ مسجد ضرار نہ ہو جسے منہدم کرنا پڑے۔

زیبائش میں بے شک مسجدِ قرطبہ، مسجدِ عالمگیر اور مسجدِ شاہجہانی ہو۔ ویسے مسجد زمان و مکان کی قیود سے آزاد ہے۔ بندہ جس جگہ ہو، سفر حضر میں سجدہ دے لے۔

فی زمانہ کلچر کی فہرست میں رقص، موسیقی اور فلم کے مظاہروں کو سب سے اوپر رکھتے ہیں، تھیٹر بھی ایک بہت بڑے مشغلے کے طور پر ہماری زندگی میں داخل ہے۔ لوگ جس قدر ان پر مائل ہیں اسی قدر علم سے غافل ہیں۔ اول تو علم مغرب سے آتا ہے اور وہ بھی برائے نام۔ ہم علم کے اپنے سوتے خشک کر چکے ہیں۔ ہمارے ذہن زرخیز ہیں لیکن علم کے معاملے میں ہم کوتاہی کا شکار ہیں۔ اپنے سوتوں کو شاداب و سیراب نہیں کرتے۔ باہر سے بکثرت کتابیں منگواتے ہیں لیکن ننانوے ۹۹ فی صد "چیپ لٹریچر" درآمد ہوتا ہے جس پر ہم اپنا بے حد قیمتی زرمبادلہ برباد کرتے ہیں۔ ہو گا کوئی ہم جیسا احمق اور اپنی جان کا دشمن! ادھر علمی کتب کی جو تھوڑی بہت طلب ہے وہ ہماری

Marfat.com

درآمدی پالیسی نے تمام کر دی ہے۔

اس زریں درآمدی پالیسی سے کتب فروش مزے میں ہے۔ ایک تو اس کا روپیہ بلاک نہیں ہوتا۔ دوسرا اسے خوب منافع ملتا ہے۔ کھیل تماشا دکھانے والا ہو یا کتابوں کا دھندا کرنے والا ـــــ پیسہ اوّلین توجہ کا مرکز ہے۔ پیسہ علم اور اخلاق سے افضل ہو گیا ہے۔ کیونکہ پیسہ علم کے بغیر مل جاتا ہے۔ علم تو بلکہ حصولِ زر کے معاملے میں رکاوٹ بن گیا ہے۔

تعلیم اپنی افادیت کھو چکی ہے کہ یہ بے نظریہ اور بے مقصد ہو کر رہ گئی ہے۔ کبھی ایسی درسگاہیں تھیں جو اپنے خوشہ چینوں کی تقدیر بدل دیتی تھیں، ایک آج کی درسگاہیں جو چنگے بھلے بندے کو ناکارہ بنا دیتی ہیں۔ عام طور پر سولہ سال درسگاہوں کی بھٹیوں میں سلگنے کے بعد جب طالب علم سڑک پر آتا ہے تو کئی کئی سال فٹ پاتھ پر جوتیاں چٹخارتا پھرتا ہے البتہ نوکری خریدنے کے لئے پیسہ ہو یا کوئی تگڑی سفارش ہو تو جلد مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ ایسے میں طالب علم نے جو کچھ سیکھا ہو اسے UNLEARN کرنا پڑتا ہے کیونکہ دنیاوی اعتبار سے وہ بے علموں یا کم علموں کو ہزار درجہ اچھی حالت میں پاتا ہے۔

بے کار تعلیم یافتہ افراد کی ذہنی خلفشار دور کرنے کے دو ہی طریقے ہیں۔

۱۔ خودکشی کر لیں یا پھر

۲۔ محنت مزدوری کریں۔ چھوٹا موٹا دھندا کریں۔

موجودہ تعلیم نظریاتی اور عملی افادیت سے عاری ہے۔ نوکری آج بھی تعلیم یافتہ لوگوں کی معراج ہے۔ تعلیم کا مقصود فی الذات یہ تو نہیں۔ تعلیم تو شعور کو نکھارتی اور دانشور بناتی ہے، روحانی قوت پیدا کرتی ہے، کردار بلند کرتی ہے، اخلاقی اعتبار سے قد بڑھاتی ہے۔ آدمی کو آدمی بناتی ہے۔ آدمی بننا بہت بڑی بات ہے۔

Marfat.com

## آدمی، جانور، فرشتہ، خدا
## آدمی کی ہیں سینکڑوں قسمیں

معاشرے کی شیرازہ بندی نہ فقط علم بلکہ کردار کی پاکیزگی کی روشنی میں کی جائے تو بات بنتی ہے۔ حصولِ علم ہر شخص کا حق ہے، ریاست اسے بہر طور پورا کرے۔ مزدور، کاشتکار اور دستکار کو بھی معاشرے کا اتنا ہی بڑا اور اہم رکن سمجھا جائے جتنا بڑا کوئی دوسرا پیشہ ور ہو۔ محتاجوں اور بیکاروں کو احتیاج اور بیکاری سے چھٹکارا دلایا جائے انہیں معاشرے کا مفید رکن بنایا جائے۔

اس سلسلے میں لابدی ہے کہ پیسے کا چلن اور درجہ گھٹایا جائے۔ جب تک پیسہ معاشرے اور تمدن پر مسلط رہے گا، ہر کام پیسے کی خاطر ہوگا، علم کو اس کا صحیح مقام نہیں ملے گا۔ علم کی طلب کم، دولت کی ہوس زیادہ ہوگی۔

•

یہود اور ہنود اور دیگر غیر مسلم اقوام اسلام کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ وہ جانتے ہیں، خوب جانتے ہیں کہ اسلام مقتدر ہوا تو ان کی لٹیا ڈوب جائے گی۔ ان کی چوہدراہٹ، شیطنت، استحصالی قوت ختم ہو جائے گی۔ اس کے ساتھ ہی وہ دیے بھی بجھ جائیں گے جن سے ان کے تمدن کی روشنی برقرار ہے۔ ان کے نزدیک اسلام کے نافذ ہوتے ہی فنونِ لطیفہ کے تار و پود بکھر جائیں گے، دنیا ویران ہو جائے گی۔ تہذیبی طور پر مفلس ہو جائے گی۔ یہ بات درست نہیں۔ اس کا کوئی خدشہ نہیں کہ اسلام کے نفاذ سے فنونِ لطیفہ معدوم ہو جائیں گے۔ فنونِ لطیفہ کے بغیر زندگی تشنہ رہتی ہے۔ اس سلسلے میں ایک تاریخی واقعہ قابلِ توجہ ہے ——

سپارٹا عہدِ پارینہ میں زبردست فوجی طاقت کا گڑھ تھا۔ پیدائش کے ساتھ ہی بچے حکومت کی تحویل میں چلے جاتے اور انہیں سخت فوجی تربیت دی جاتی۔ ذہن

Marfat.com

اور شعور کی تقویت اور تعلیم کا کوئی بندوبست نہ تھا چنانچہ جب فاتح کی حیثیت سے ایتھنز میں پہنچے اور انہوں نے وہاں کا نظم و نسق سنبھالا تو سخت دشواری پیش آئی۔ لوگ منڈوے کے رسیا تھے۔ منڈوا ان کی عبادت گاہ تھا اور بجا طور پر انہیں جان سے زیادہ عزیز تھا۔ وہ ناٹک چاہتے جو شاعری رقص اور زعماء کے دیومالائی قصوں کا مجموعہ ہوتا۔ سپارٹا والے منڈوے سے نابلد تھے۔ ایتھنز والوں کے نخرے پورے نہ کر سکے۔ بالآخر سر درد سے بچنے کے لیے ایتھنز چھوڑ کر چلے گئے۔

اسلامی رویّہ فنونِ لطیفہ کے خلاف نہیں، صرف ان کا انگ رنگ اور ان کے تیور درست کرتا ہے تاکہ وہ نظریے سے متصادم نہ ہوں۔ شاعری کو لیجئے! یہ بہت بڑی ثقافتی قدر ہے۔ اگرچہ رقص فنونِ لطیفہ کی ماں اور لطیف ترین احساسات و جذبات کی اولین زبان ہے تاہم شاعری کچھ ہی دیر کے بعد بروئے کار آئی جب زبان و بیان کا قدرے سرمایہ جمع ہو گیا۔ شاعری صرف لفظوں کی مخصوص شیرازہ بندی اور اس کے صوتی نظام کا نام نہیں بلکہ یہ اس سے کہیں اہم ترصنف ہے۔ ذہنی انقلاب برپا کرنے، گمراہ کو راہ پر لانے، سوئے ہوئے کو جگانے اور کام کرنے والے کو صحیح کام پر لانے کا معجزہ شعر گوئی سے دکھایا جا سکتا ہے۔ اس کے ذریعے قبلہ درست کرنے میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔

اس کا باطنی اور ظاہری روپ دونوں ہی خوب ہوں تو بات بنتی ہے۔ خیر کا اقرار اور پرچار ہو، شر سے انکار ہو۔ ہم میں تین ایسے شاعر ہو گزرے ہیں۔ جنہوں نے یقیناً انقلابی کام کیا ہے ـــــ مولانا حالی نے مسدس لکھ کر ۱۸۵۷ کے مارے اور فرنگی ملوکیت کے ستائے ہوئے مسلمانوں کو سہارا دیا اور ان میں جان ڈالی۔ مولانا ظفر علی خاں نے اس ریلے کو روکا جو سیاسی سطح پر مسلمانوں کی غارت گری، شدھی (مسلمانوں کو ہندو بنانے) اور سنگھٹن (ہندو کے اتفاق و اتحاد) کے مقاصد پورے کرنے کی غرض

Marfat.com

سے آیا تھا۔ مولانا ظفر علی خاں نے اس ریلے کا رخ موڑ دیا۔ مسلمانوں کا مورال اور حوصلہ بلند کیا۔ انہوں نے قدم قدم پہ ہندو سامراج اور رام راج کا خواب دیکھنے والوں کو للکارا گو یہ ہنگامی حالات سے نمٹنے کے لئے ہنگامی دور کی شاعری تھی لیکن بڑی شاندار اور بانکی شاعری تھی۔ اس میں جارحیت کا عنصر بھی تھا، مزاحمت کا پہلو بھی تھا۔ ہنگامی سطح پر وقت کے تقاضے پورے کرتی تھی۔ یہ نعمت غیر مترقبہ تھی۔ مولانا کی شاعری میں بڑا زور تھا۔ یہ آگ تھی، طوفان تھی، آندھی تھی۔ ہماری آزادی کے سلسلے میں یہود و ہنود اور فرنگی کے سامراج کا جھٹکا کرنے میں اس شاعری نے زبردست رول ادا کیا۔ مولانا کے اشعار ہمالہ کے کلیجے میں پیوست ہو جاتے۔ ان کے بعد علامہ اقبال آئے جنہوں نے فکری انقلاب برپا کیا۔ لوگوں کی آستینوں میں چھپے ہوئے بت توڑے اور سوکھے ہوئے سوتے رواں کئے۔ شاعر مشرق نے اپنے شعر سے مغرب کے در و دیوار ہلا دیے۔ پوری دنیا کو اسلام کی آفاقیت پر متوجہ کیا۔ اسلام کا وہ شاندار امیج بحال کیا جسے غیروں نے پامال اور ہم نے فراموش کیا۔ علامہ نے استعمار اور استحصال کے خلاف صدا بلند کی۔ مشرق و مغرب سے علم سمیٹا اور شعر کی ضرب سے کرۂ ارض کی ہر باطل طاقت کو ذہنی مار دی۔ عالمی شعور کو بیدار کیا۔ فنی حوالے سے بھی علامہ اقبال کا کارنامہ لاثانی ہے۔ انہوں نے غزل کے چہرے سے فرسودہ اور بوسیدہ حجاب ہٹائے اسے نیا حسن، نیا نکھار اور نیا بانکپن دیا۔ پرانے پیمانے توڑے، روایتی رکاوٹیں دور کیں، عظمت و رفعت، توانائی اور لازوال آفاقیت دی۔ طاؤس و رباب کو زوال کی علامت قرار دیا۔ نئے دریچے کھولے جن سے تازہ ہوا آئی۔ ہر موضوع کو باریاب کیا۔ اسے گل و بلبل کے تذکروں کی بجائے زندگی جد و جہد (جہد للبقاء) اور ہر نوع کی مثبت کاوش سے آشنا کیا۔ تنگنائے غزل کا دامن بے حد کشادہ کیا۔ نئی دلکشی دی۔ پرانے الفاظ میں جان ڈالی، انہیں نئے معنی دیئے، نئی علامتیں رائج

Marfat.com

کیں۔

انسان دوستی کے باب میں کوئی دوسرا شاعر علامہ اقبالؒ کی گرد کو نہیں پہنچتا۔ انہوں نے جس بے باکی، دانشوری، ذہنی رکاوٹوں کے بغیر، وضاحت و صراحت سے سرمایہ داری مغربی استعمار و استحصال، لوٹ کھسوٹ، گوری معاشرت و معیشت کی سفاکی، بے رہروی اور بے اعتدالی، پروہتی نظام، مُلّائیت، لادینیت اور ایسی ہی خرابیوں کے خلاف آواز بلند کی اس کا اور کہیں سراغ نہیں ملتا ـــــ یہ سب کچھ انہوں نے غزل کے پیرائے میں کیا۔

وہ زبردست انقلابی شاعر تھے۔ مجاہد بھی تھے، مجتہد بھی۔

ان کا جمالیاتی نظریہ قلب، ضمیر اور باطن کو بیدار کرتا ہے۔ وہ ظاہر پرستی اور سطحی حسن و جمال کو چنداں اہمیت نہیں دیتے۔ وہ ظاہر و باطن کے حسن و جمال کو پسند کرتے ہیں۔ مسجدِ قرطبہ میں انہوں نے دونوں کے امتزاج کو سراہا ہے۔ ہم جن حالات سے دوچار ہیں اور جس طور بے بہا ہیں اس کے پیشِ نظر ہمیں شاعری کا قبلہ درست کرنا ہوگا۔ ذہنی عیاشی یا جنسی اشتہا تیز کرنے والی شاعری یہ کہہ کر جائز قرار نہیں دی جا سکتی کہ اس سے کیتھارسز ہوتا ہے۔ جذباتی تسکین کا مسئلہ بجا ہے لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم جذبات کی نوعیت بدلیں۔ جذبات، خیالات، تصوّرات اور ذہن کے تزکیے کا اہتمام کریں۔ ہمارے اندر جو گندے جراثیم پرورش پا رہے ہیں۔ وہ ہمیں بھٹکا رہے ہیں۔ آدمی بڑا حسّاس ہوتا ہے اسے حسّی تسکین درکار ہوتی ہے۔ اس کے لئے صاف ستھرا طریقہ برتا جائے۔ شعر کیف آور ہو۔ نشّہ آور نہ ہو۔

شاعری کا جوہر بڑا قیمتی ہے۔ حسنِ تخلیق کے کسٹوڈین اس کی صحیح طور پر قدر کریں اور اس سے تعمیر کا کام لیں۔ شاعر کا منصب بہت ارفع ہے۔ یہ منصب جس ذمہ داری اور سنجیدگی کا متقاضی ہے اسے اگر پورا نہ کیا گیا تو تاریخ شعرائے کرام کو ضرور موردِ الزام

Marfat.com

ٹھہرائے گی اور انہیں معمارانِ قوم کے زمرے سے باہر رکھے گی۔ شاعر مجاہد بھی ہوتا ہے مفسّرِ حیات بھی اور شر کے راستے کی چٹان بھی۔ اس کا شعر قلب کو گرمائے اور روح کو تڑپائے تو سود و زیاں کا احساس بیدار ہوگا ورنہ رگوں میں نشہ اتر جائے گا اور کبھار سنز تو کیا ہوگا، قوم سو جائے گی۔

قومی ترانے اور جہاد کے نغمے کی خاص ادا ہوتی ہے۔ اس کی گھن گرج دل میں ہلچل مچاتی اور مجاہد کی تلوار کو صیقل کرتی ہے۔ ایسی شاعری عدو کو للکارنے اور اس کی شہ رگ کا خون ٹپکانے کی دعوت دیتی ہے کہ یہ خونِ فاسد ہوتا ہے۔ اس میں گندے جراثیم پرورش پاتے ہیں۔ نعرۂ انقلاب دشمنوں کی صفوں کو چیر دیتا ہے۔ خلاف ازیں تسکینِ دل کے شعر کی طرز اور ہوتی ہے۔ طرزِ احساس اور ہوتا ہے اس کا کیف اور تاثر انقلابی شاعری جیسا نہیں ہوتا۔ بندے کو اس کی بھی طلب ہوتی ہے۔ ذہنی اور جذباتی تندرستی کے لئے، انفرادی اور اجتماعی طور پر معاشرے میں حسّی اور ذہنی توازن برقرار رکھنے کے لیے ایسی شاعری بھی ناگزیر ہے۔

جب شاعر کہتا ہے ؎ خونِ شاہ رنگیں تر از معمار نیست، تو سوچ کا نیا دھارا بہہ نکلتا ہے۔ فکر کی سچائی اس کی روح کو تڑپاتی اور گرماتی ہے۔ پھر جب دوسرا شاعر کہتا ہے ؎

آلامِ روزگار کو آساں بنا دیا
جو غم ہوا اسے غمِ جاناں بنا دیا

تو کچھ اور ہی سماں بندھتا ہے۔ بہرحال ہر شاعر کی سوچ، اپج اور اس کا مزاج اپنا ہوتا ہے، انفرادیت بجا لیکن تخلیق کی کارگاہ اور سرچشمے سے جو دھارا پھوٹے پاکیزہ ہو۔ وقت کے انفرادی اور اجتماعی تقاضے پورے کرے۔ شعر سننے اور پرکھنے والے ہی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کس شعر کی کیا قدر و منزلت ہے، وقت اور ماحول کے حوالے

Marfat.com

سے اس کی کیا اہمیت ہے۔ اس میں کہاں تک مثبت اور تعمیری زاویہ اُجاگر ہوتا ہے۔ مثلاً حافظ کی شاعری بڑی دلآویز اور سحر انگیز ہے لیکن یہ بندے کو جگاتی نہیں سُلاتی ہے۔ بیدل کو لیجیے: اس کا یہ شعر کس قدر دلکش ہے ؎

بہزار کوچہ دویدہ ام، بہ تسلی نرسیدہ ام
ز قدِ خمیدہ شنیدہ ام کہ چوں حلقہ شد بدرے رسد

لیکن یہ شعر عجمی تصوف کی پیداوار ہے اور عجمی تصوف سراسر اسلام کے منافی ہے اسی طرح طاؤس و رباب کی شاعری کتنی ہی اثر انگیز کیوں نہ ہو، ہمارے کام کی نہیں ہمارے حالات، زوال کی کیفیت اور ہماری پستی ایسی شاعری کی متحمل نہیں ہو سکتی ہمیں اور ہی طرح کا نغمہ چاہیے۔ بیدل ہی نے عہدِ شاہجہانی میں یہ بھی کہا تھا ؎

ز لبِ فصیح وفا بیاں بحدیث کیں مدہی زباں
ستم است حنظل اگر کشی بہ ترازوئے کہ شکر کشند

اور یہ بھی کہا ہے ؎

در عبادتہا است یکسر عرضِ ترکیبِ سجود
تا دریں صورت دمے سوئے گریباں خم شوند

اور پھر گریباں کے بارے میں کہا ہے ع

گریباں عالمے دارد کہ در دامن نمی گنجد

معنی کے اعتبار سے اس شعر اور قدِ خمیدہ والے شعر میں کس قدر فرق ہے!

کسی شاعر کو اس کی TOTALITY میں دیکھنا پڑے گا۔ یہ نقاد کا کام ہے کہ شاعر کو منفی اور مثبت قدروں کے پیمانے سے جانچ پرکھ کر بتائے کہ وہ دکانِ فلسفہ اور ذخیرۂ دانش سے کیا مال لیتا ہے، کیا مسترد کرتا ہے، شاعر آدابِ زندگی سکھاتا، وہی عرفانِ ذات اور اپنی پہچان کے لیے صحیح دائرہ بتا سکتا ہے۔ زندگی کا مفہوم تو یہ ہے ع

Marfat.com

بر مقامِ خود رسیدن زندگی است

اور اس مقام پر پہنچ کر اسے عمل کے لیے یہ پیغام ملتا ہے ؎

پیکرِ فرسودہ را دیگر تراش

شاعر کا مقام و منصب جاننے میں کسی ابہام کی گنجائش نہیں ہے

شعر را مقصود اگر آدم گری است

شاعری ہم وارثِ پیغمبری است

شعر نہایت مقدس ہوتا ہے۔ یہ لہو و لعب کا ذریعہ نہیں، یہ تو بلکہ لہو و لعب کے ذوق اور رویّے کی کاٹ کرتا ہے۔ یہ مثبت اور اعلیٰ و ارفع قدر ہے۔

فن کی انتہائی لطیف و نفیس شکل ہے۔

صحافتی شاعری کی بھی افادیت ہے۔ اگرچہ یہ وقتی نوع کی چیز ہے لیکن اس کا وجود بھی اہم ہوتا ہے۔ اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے ذریعے پروپیگنڈا مہم بھی سر کی جاتی ہے۔

عارضی و ہنگامی اور مستقل اور دیرپا شاعری میں بنیادی فرق یہ ہے کہ پہلی قسم کی شاعری وقتی مسائل حل اور ضرورت پوری کرتی ہے، دوسری قسم کی شاعری کی لمبی عمر ہوتی ہے اور اساسی قدروں کی تبلیغ کرتی ہے۔ صدیوں تک بندوں کو عزّ و شرف اور وقار کا راستہ دکھاتی ہے۔ وقار برقرار رکھنے کی سکت پیدا کرتی ہے۔

تبلیغ سے یہاں میری یہ مراد نہیں کہ افادیت اور جمالیاتی اعتبار سے بڑی شاعری پروپیگنڈے کی چیز ہے۔ پروپیگنڈے کی شاعری بھی ہوتی ہے۔ اس کا اپنا مقام و منصب ہے، اپنا اسلوب ہے۔ یہ بھی ضروری ہے۔ عارضی اور ہنگامی نوع کی شاعری اسی ذیل میں آتی ہے۔ مولانا ظفر علی خاںؒ کی شاعری اس ضمن میں مثالی حیثیت رکھتی ہے۔

شاعری ہنگامی ہو، پروپیگنڈے کے لیے ہو یا بڑی شاعری ہو، انہیں خلط ملط

Marfat.com

نہیں کرنا چاہیئے۔ ان کی EVALUATION الگ الگ طور پر کرنی پڑے گی۔

وہ تمدن نہایت مفلس ہے جس میں شاعری نہ ہو۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ شاعری سے خالی کوئی خطۂ ارض نہیں۔ شاعر ہر کہیں ملے گا۔ گاؤں اور ان دور افتادہ مقامات پر بھی جہاں کتابیں نہیں، درسگاہیں نہیں، اکتساب علم کے وسائل نہیں یا نہ ہونے کے برابر ہیں۔ جہاں ابلاغ کے ذرائع بھی نہیں۔

لوک شاعری انہی حالات میں راہ پاتی ہے۔ سادہ زندگی اور سادہ جذبات فطرت کی آواز پر ابھرتے ہیں۔ شاعر سر دھنتا اور شعر کہتا ہے۔ اس شعر میں پُر تکلف اور پیچیدہ فلسفہ نہیں ہوتا۔ کسی نوع کی ہنرمندی، ریاضت اور سوچ بچار درکار نہیں ہوتی۔ کتابی علم و دانش سے بھی آراستہ نہیں ہوتی۔ نقادوں کی مدد کی بھی حاجت نہیں ہوتی۔ لوک شاعری صنائع و بدائع کی نمائش نہیں کرتی، ان کی محتاج بھی نہیں ہوتی۔ یہ سیدھی سادہ شاعری فوراً دل پر دستک دیتی ہے اور لوک تمدن کی نشاندہی کرتی ہے۔ لوک دانش کی حامل اور فنی تکلفات سے معرا ہوتی ہے۔ فطرت کی آواز ہوتی ہے۔

پچھلے چند سالوں میں اردو شاعری کی ایک پرانی صنف نے بڑی ترقی کی ہے۔ یہ صنف نعت ہے۔ شاعری میں اس کا مقام نہایت دقیع ہے۔ حمد کا ذکر بھی اس کے پہلو بہ پہلو کیا جاتا ہے کیونکہ اللہ اور محمد دونوں نام کلمے میں شامل اور ایک ہی سانس میں لئے جاتے ہیں۔

نعت کے دو اسلوب ہیں۔

ایک نعت تو وہ ہے جو رسولِ اکرمؐ کی تعریف و توصیف کے لئے مخصوص ہو۔ یہ شاعری ذاتی تسکین کا موجب بنتی ہے اگرچہ اس کی نوعیت ذاتی اور انفرادی ہوتی ہے۔

Marfat.com

تاہم اس میں حضورؐ کا امیج بقدرِ ظرفِ شاعر اُبھرتا ہے۔

دوسری نعت وہ ہے جس میں تعریف و توصیف کا پہلو تو بہر نوع ہوتا ہے لیکن اس کے پہلو بہ پہلو آپؐ کی عملی زندگی، اخلاقی رویّوں اور معاشرتی اسلوبوں کے حوالے سے آپؐ کی عظمت، توقیر اور بلندیٔ کردار کو اجاگر کرتی ہے۔ ایسی نعت درسِ ہدایت دیتی اور بندوں کو اپنے روز و شب سنوارنے پر آمادہ کرتی ہے۔ عقل و شعور کو صیقل کرتی ہے۔ روشنی دکھاتی ہے۔

نعت گوئی تمام اصنافِ سخن سے مشکل ہے۔ عشقِ لیلیٰ آسان ہے، عشقِ مصطفیٰ دشوار ہے۔ حضورؐ کی زندگی اس قدر متنوّع ہے، حضور کے اوصاف اتنے ہیں، ظاہر و باطن میں اس حد تک ربط ہے کہ جس قدر اس کا ادراک ہوگا۔ اسی قدر حیرانی بڑھے گی۔ آپؐ کی زندگی کی جہتیں اتنی کثیر ہیں، وسعتیں اس قدر ہیں، کردار ایسا پاکیزہ، ارفع اور اعلیٰ ہے کہ بڑے سے بڑا شاعر بھی زبان و بیان کے معاملے میں سراپا عجز ہو کر رہ جاتا ہے۔ آپؐ کی حیاتِ بابرکات کھلی کتاب ہے۔

نعت گو کے لئے ضروری ہے کہ آپؐ کی حیاتِ طیبہ کا عمر بھر بغور مطالعہ کرتا رہے۔ سوچتا رہے۔ نکات سوجھتے رہیں گے۔ حضورؐ ہر بار نئے انداز اور نئی شان سے شاعر کے قلب و نظر پر طلوع ہوں گے۔ عرفان ہوگا، ادراک و احساس اور شعوری پرتیں کھلیں گی۔ لازم ہے کہ شاعر سیرت کی ہر اچھی اور مستند کتاب پڑھے۔ قرآن کے مفاہیم سے آگاہ رہے۔ فنِ شاعری پر عبور رکھتا ہو۔ مسلسل ریاضت کرتا ہو۔ اعلیٰ پائے کا غزل گو شاعر بہتر طریقے سے نعت کہہ سکتا ہے۔

یہ صنفِ ادب دیگر اصنافِ ادب بالخصوص صنفِ سخن سے یکسر مختلف و ممیز ہے۔ دیگر اصناف کا اوّلین تقاضا یہ ہے کہ موضوع پر ادیب یا شاعر کامل گرفت رکھے لیکن یہاں معاملہ اُلٹ ہے۔ شاعر، ادیب، مورّخ یا سیرت نگار جس قدر

Marfat.com

حضورؐ کی گرفت میں جائے گا، جس قدر مخلص، طلبگار، جاں نثار غلام اور جس قدر اطاعت گزار ہوگا اسی قدر بہتر طور سے نعت کہہ سکے گا ــــــ تخلیقی صلاحیت، مشقِ سخن اور مطالعہ شرط ہے۔

نعتیہ شاعری بہر طور اسلامی تمدن کی آئینہ دار ہے۔ ایک زمانے میں نعت ادبی مجلسوں میں باریاب نہ تھی۔ پھر ماحول بدلا، نعتیہ مشاعرے بڑے اہتمام سے ہونے لگے۔ اعلیٰ پائے کے شاعر جو نظم و غزل کہنے ہی پر اکتفا کرتے تھے، نعت لکھنے لگے۔ انہوں نے غزل کی شاعری اور تخلیقی تجربے سے استفادہ کیا۔ اس طرح نعت کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔

عام شاعری اور نعتیہ شاعری میں وہی فرق ہے جو عشقِ لیلیٰ اور عشقِ مصطفیٰؐ میں ہے ایک عشق دشتِ نجد کی راہ دکھاتا ہے جہاں جا کر بندہ خاک پھانکتا ہے۔ ایک عشق سدرۃ المنتہیٰ بلکہ اس سے آگے کی راہنمائی کرتا ہے، آدمی کے احترام اور قدر کی انتہا دکھاتا ہے۔ رفعت اور نور کا قدر شناس بناتا ہے۔ آگے بڑھنے، دلدل سے نکل کر اُبھرنے اور ترقی کرنے کا حوصلہ دلاتا ہے۔ بدی اور لذت کوشی سے دور ہٹاتا ہے۔ جنسی ژولیدگی سے متنفر کرتا ہے۔

شعرائے کرام شعر کے ذریعے اسلامی تمدن کو رواج دینے کے لیے کیا کچھ نہیں کر سکتے؟ انہیں صرف سوچ کا زاویہ بدلنا ہوگا۔ شعر کی سمت آپ ہی بدل جائے گی۔

کام ضرور کٹھن ہے لیکن کرنے کے لائق ہے۔ شاعر انسان دوست ہوتا ہے۔ اسلامی تمدن انسان دوستی کا بہترین مظہر ہے۔ حق اور انصاف سے محروم کو حق اور انصاف دلانا گرے ہوئے کو اٹھانا، گمراہ کو راہِ راست پر لانا، ناتواں کو توانا بنانا، بدحال کو خوشحالی کی ڈگر پر ڈالنا اور مظلوم کو ظالم کے پنجے سے چھڑانا انسان دوستی کے قابلِ قدر کام ہیں۔

Marfat.com

خالقِ اکبر اسی لیے جوہرِ تخلیق عطا فرماتا ہے۔ یہ جوہر انمول ہے۔ دُنیا بھر کے خزانے ہوں تب بھی اسے خریدا نہیں جا سکتا۔ جسے مل گیا سو مل گیا۔

آج اہلِ شر کی حکمرانی ہے۔ شیطان آزاد ہے اور اس کے وہ بندھن ٹوٹ گئے ہیں جو اہلِ خیر نے باندھے تھے۔ شیطنت کی برتری موجودہ مغربی تمدّن کا خاصہ ہے۔ حیرت ہے کہ ادھر آدمی کو زندگی بسر کرنے کے لیے نت نئی سہولتیں مہیا کی جا رہی ہیں، طولِ عمری صحت اور سلامتی کا اہتمام کیا جا رہا ہے، ادھر اسے فنا کرنے کی تدبیریں ہو رہی ہیں۔ شیطان ہر جگہ قدم جما رہا ہے۔ صاف شفاف دھاروں میں گندگی گھول رہا ہے۔ امن کا نام لیا جا رہا اور بدامنی پھیلائی جا رہی ہے۔ غلط کاری کو رواج دیا جا رہا ہے۔ ایسے قوانین بن رہے ہیں جن کی رُو سے بدکاری متنوّع صورتوں میں جائز قرار دی جا رہی ہے[1]۔ مافیا (جرائم پیشہ لوگوں کی عالمی تنظیم) میں سمگلروں، کالے دھن دھندے والوں، ذخیرہ اندوزوں، گراں فروشوں، قاتلوں اور ہر نوع کے بدکاروں کی عملداری ہے۔

حیا سوزی معمولِ حیات ہے۔ مغربی دنیا نے بڑے شوق اور بڑی گرم جوشی سے اسے معمولاتِ زندگی میں قبول کر لیا ہے۔ اب اسے روکنے کی چنداں ضرورت نہیں رہی۔ عائلی ضابطے ناکارہ ہو چکے ہیں۔ انسدادی مہم ناپید ہے۔ لطف یہ ہے کہ ایک طرف شیطان بندوں کو آسمانوں کی سیر کروا رہا ہے، دوسری طرف انہیں پاتال میں گرا رہا ہے۔ خلاء میں بڑی طاقتوں کی جنگی کارروائیاں بڑھ رہی ہیں۔ سٹار وار کی ریہرسل ہو رہی ہے۔ ایک بڑی طاقت خلائی میزائلوں سے دنیا کو تباہ کرنا چاہتی ہے، دوسری

---

[1] مغرب کے بعض ملکوں میں مرد مرد سے اور عورت عورت سے نئے قوانین کے ذریعے آپس میں اختلاط رکھ سکتے اور شادی بیاہ کر سکتے ہیں۔ ایسے بھی شہر ہیں جہاں مردوں کے چکلے پائے جاتے ہیں۔

Marfat.com

بڑی طاقت اس سے خلا میں دو دو ہاتھ کرنے کے لئے للکار رہی ہے۔

مغربی تمدن کے تماشے دیکھتے جائیے اور ان کے انجام کو بھی ذہن میں رکھئیے! شیطان کی کارگزاری کا اندازہ لگانے کے لئے تہذیب نو کی فتوحات میں فلم ایک وقیع نام ہے۔ مغرب کو اپنی اس ایجاد پر بڑا ناز ہے۔ ہم فلم کو بُرا نہیں کہتے۔ یہ عمدہ ایجاد ہے۔ اس کے ذریعے بندوں کے قلب و نظر کی تطہیر کی جا سکتی ہے۔ اعلیٰ قدروں کو اُجاگر کیا جا سکتا ہے۔ بیک وقت اصلاح کا اقدام اور تفریح کا اہتمام کیا جا سکتا ہے۔ فلم اور اس کے پہلو بہ پہلو ٹی وی ابلاغِ عامہ کے بہت بڑے ذریعے ہیں۔ قوم کی قسمت سدھارنے میں ناقابلِ فراموش کردار ادا کر سکتے ہیں۔

فلم تجارت بھی ہے اور کارِ ثواب بھی لیکن یہ تبھی ممکن ہے جبکہ اسے یہود و ہنود کی دسیسہ کاری سے نجات دلائی جائے۔ فی الحال تو یہ شرپسندوں کے قبضے میں ہے جو ہوسِ زر کے روگ میں مبتلا ہیں۔ انہیں صرف اور صرف روپے کی طلب ہے۔ یہ اخلاق سوز بیوپاری جرائم کی وبا پھیلاتے اور خوب روپیہ کماتے ہیں۔ بڑے دلآویز انداز سے تماشائیوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ زہریلا نشّہ پلاتے ہیں۔

ہم کروڑوں اربوں روپیہ ان کی درآمد پر اُٹھاتے ہیں۔ زرِ مبادلہ کی اس بربادی میں سب سے زیادہ فائدہ یہودی اُٹھاتے ہیں کیونکہ انہی کا زیادہ سرمایہ اس صنعت میں لگا ہے۔ اٹلی اور ہالی وڈ کے نگارخانے انہی کے دم قدم سے چل رہے ہیں۔ ہم بڑی فراخدلی سے شیطان کے چیلوں کی سرپرستی فرما رہے ہیں اور خوشی خوشی اپنی بربادی کا سامان کر رہے ہیں۔

فلم ساز جس طرح انڈسٹری سے اندھادھند دولت کما رہے ہیں، جس طرح یہ دنیا کی تیسری یا چوتھی بڑی صنعت بنی ہے، اس کی حکایتِ شیریں قابلِ ذکر ہے۔ چند

Marfat.com

سال ادھر ہالی وڈ کے مایۂ ناز ستارے ـــــ رچرڈ برٹن، الزبتھ ٹیلر، جینا لولو بریجیڈا اور صوفیہ لورین ملین ڈالر سٹارز بن گئیں تو فلم ساز بالخصوص یہودی پروڈیوسر پریشان ہوئے۔ مارکیٹ میں یہ فلم سٹار بکاؤ تھے۔ ہر طرف ان کی مانگ تھی ـــــ فلمیں ان کے نام سے بکتی تھیں لیکن ان کی تیاری پر کروڑوں ڈالر اٹھتے تھے۔ مکار اور بد خصلت یہودی کو اس مشکل پر قابو پانے اور ملین ڈالر سٹارز سے پیچھا چھڑانے کے لیے ایک ترکیب سوجھی۔ اس نے اطالیہ کا رخ کیا اور اپنا بیشتر سرمایہ وہاں لے گیا۔ اس نے اپنے گماشتوں کے ذریعے کالجوں سے رابطہ قائم کیا۔ شوخ، چنچل، تندرست و توانا اور جوانی کے نمایاں ابھار والی کمسن لڑکیوں پر ڈورے ڈالے۔ انہیں سنہری مستقبل کا جھانسہ دیا۔ دو چار فلموں میں کام کرنے کے بعد ملین ڈالر سٹار بن کر شاہانہ ٹھاٹ سے زندگی گزارنے کا تصور پیش کیا۔ انجام کار وہ ان کے بھرے میں آگئیں۔ انہوں نے سنہری مستقبل کے سراب کی خاطر اپنے آپ کو کوڑیوں کے مول بیچ دیا۔ وہ بدکردار اور اوباش پروڈیوسروں کی مرضی کے مطابق عریاں کردار کرنے اور اپنی جوانی کی بھرپور نمائش کرنے لگیں۔ ایسی ایسی کہانیاں فلمائی گئیں اور عریانی کے ایسے ایسے جوہر دکھائے گئے کہ تماشائی عش عش کرنے لگے۔ بلیو پرنٹ دھڑا دھڑ بننے بلکہ گھڑے جانے اور دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچائے جانے لگے۔ یہ بلیو پرنٹ ہالی وڈ کی مہنگی، کئی کئی مہینوں اور سالوں میں تیار ہونے والی فلموں کی نسبت کہیں کم مدت میں برائے نام لاگت سے بن جاتے۔ منافع کہیں زیادہ ہوتا۔ مقبولیت کا یہ عالم ہوا کہ نمائش گاہوں کے علاوہ انہیں گھر گھر دیکھا جانے لگا۔ ٹوٹا فلمیں اور مکمل فحش فلمیں بغیر فنی خوبیوں کے کامیاب ہوئیں ان کی وجہ سے ہالی وڈ کی ملین ڈالر سٹارز کی مانگ گھٹ گئی۔ اپنا کاروبار ٹھپ ہوتا دیکھ کر انہوں نے بھی عریاں رول ادا کرنے کی پیشکش کی لیکن بہت کم پذیرائی ہوئی۔ اطالیہ میں گندگی کے جو کارخانے کھلے ان سے دھڑا دھڑ کمائی ہونے لگی۔ اپنی ہمنوں کی کامیابی

Marfat.com

اور کایا پلٹ پر کالج کی کتنی ہی دوسری لڑکیوں کی رال ٹپکی۔ وہ از خود شکاری کے جال میں آن پھنسیں۔

ہمارے یہاں ایک زمانے میں بلیو پرنٹس (عریاں فلموں) نے بڑی دھوم مچائی۔ ہر ایرا غیرا نتھو خیرا نے گھر میں ان کی نمائش گاہ بنا لی۔ سینما ہیں ٹوٹا فلموں کی بدولت دو روپے کا ٹکڑا بیس بیس روپے میں بک گیا۔ پہلے ہی رزقِ سہل کے ذرائع کم نہ تھے کہ ایک اور ذریعہ نکل آیا۔

انگریزی فلموں کی مانگ انگریز کے چلے جانے کے بعد بھی موجود ہے۔ یہ ریت ہمارے عہد غلامی سے جوں کی توں جاری ہے۔ آزادی کے بعد اس میں سر مو فرق نہیں آیا۔ ہم ایسے ہی غیر متمدن اور بے دماغ تو نہیں کہ انگریزی فلموں کا بدل پیش نہ کر سکیں۔ ٹی وی نے ڈرامے کو حیاتِ نو بخشی ہے۔ منڈوا ناپید ہے۔ نیا تھیٹر حکمت بازی پر پنپ رہا ہے۔ یہ سب درست ہو سکتا ہے۔ کور ذوقی کی وبا کا خاتمہ ناممکن نہیں۔

میں ریڈیو، ٹی وی اور تھیٹر کے واسطے سے ڈرامے کی ماہیت اور اہمیت کو پوری طرح جانتا ہوں۔ مجھے بخوبی معلوم ہے کہ ناظرین اور سامعین کا مذاق سنوارنے کے لیے ایسی تخلیقات نہایت کامیابی سے پیش کی جا سکتی ہیں جن سے بیک وقت تفریح بھی میسر آئے، قوم کی اصلاح بھی ہو۔

انگریزی فلمیں ہمارے مطلب کی نہیں۔ ان سے ہماری نظریاتی تمدنی طلب قطعاً پوری نہیں ہوتی۔ ان سے تو ہم میں احساسِ کمتری پیدا ہوتا ہے۔ انگریزی اچھی زبان ہے۔ اس میں علم کے خزانے ہیں۔ ہم ان خزانوں سے ضرور مستفید ہوں۔ علم کی ترقی از بس ضروری ہے۔ لیکن اپنے تمدن کا حلیہ نہ بگاڑیں۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جاگرافیکل میگزین کی فلمیں نہایت مفید ہیں۔ بعض اور پروگرام بھی لائق تحسین ہیں لیکن ہر چمکدار شے کو سونا سمجھ لینا ایک سنگین غلطی ہے۔ بچے کارٹون شوق سے دیکھتے ہیں لیکن انہیں اردو

Marfat.com

میں ڈب کر کے دکھایا جائے اور پاکستان میں کارٹون بنائے جائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ کٹھ پتلیوں کے ڈرامے اسٹیج پر دکھائے جائیں اور ان کی فلمیں بھی بنائی جائیں۔

ہمارے یہاں اصلاح کار کی اشد ضرورت ہے۔ فلم، تھیٹر، ریڈیو، ٹی وی ابلاغ عامہ کے بہت بڑے ذرائع ہیں۔ عوام و خواص کے لیے اصلاح و فلاح کا ان سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں لیکن ہم اپنی بہتری کا خیال کریں تبھی تو میں بالیقین کہہ سکتا ہوں کہ اصلاح و فلاح کے دوش بدوش تفریح بھی ہو جاتی ہے۔ کاروباری اعتبار سے بھی یہ کامیاب ہیں۔

اس وقت ہمارے پروڈیوسر اصلاح و فلاح سے بے نیاز ہیں۔ دو چار پروڈیوسر ہی اخلاقی قدروں کی پاسداری کرتے اور اصلاح و فلاح کا حامی ہیں۔ اکثریت کو اس سے کوئی سروکار نہیں۔ وہ تو صرف روپیہ بٹورنا جانتے ہیں۔ قومی نقطۂ نظر سے انہیں کیا لینا ہے؛ اس دردِ سر کے بغیر ہی ان کا الّو سیدھا ہو جاتا ہے۔

ہمارے تمدن اور ہماری تاریخ کا دامن حقیقت افروز اور سبق آموز کہانیوں سے مالا مال ہے۔ اگرچہ ہمارا حال اچھا نہیں، ماضی تو اچھا ہے، بے مثال ہے۔ اس کے حوالے سے ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں۔

ہم اپنے موجودہ حالات کے بارے میں بھی فلمیں بنا سکتے ہیں۔ ڈرامے کے باب میں ٹی وی کی فتوحات بلاشبہ قابلِ قدر ہیں۔ ہم اس سے بھی بڑا کام لے سکتے ہیں۔ اگر جرأت دکھائیں تو اپنی پوری تاریخ محفوظ کر سکتے ہیں۔ ہنود و یہود اور پوپ صاحب ہمارے اس کام سے خوش تو نہ ہوں گے لیکن جب موت اور زندگی کا سوال ہو تو دوسروں کی خوشی اور ناخوشی کا لحاظ نہیں کیا جا سکتا۔

ہم نے ہیر رانجھا، سسّی پنوں، سوہنی مہینوال، مرزا صاحباں، شیریں فرہاد اور لیلیٰ مجنوں کی فلمیں بار بار تیار کیں، یکّے والی، انار کلی اور مار دھاڑ سے بھرپور فلمیں بھی بکثرت تیار کیں۔ بڑی دھوم سے ان کی جوبلیاں منائیں۔ خوب چاندی کھری کی لیکن تاریخی کہانیوں

Marfat.com

کا ریکارڈ قریب قریب کورا ہی رہا۔ منہ کا ذائقہ بدلنے کے لیے دو چار تاریخی فلمیں بنا ڈالیں۔

کیا تاریخی فلمیں دل پسند اور منافع بخش نہیں؟ ان سے کاروبار چمک نہیں سکتا؟ میں کہوں گا کہ ڈھنگ سے بنائی جائیں تو یہ نہ صرف ڈرامائی ادب کا قابلِ قدر اثاثہ ثابت ہوں بلکہ جوبلیوں تک جائیں اور ڈھیروں روپیہ لائیں۔ کوئی متانت سے اس طرف آئے تو۔ یہ اہم کام بالعموم جہلاء کے ہاتھ میں ہے۔ سیانے ادھر نہیں آتے اور جو آئے ہیں وہ آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔

فلم اور تھیٹر کی طرح موسیقی بھی تمدن کا جزوِ اعظم ہے۔ ویسے بھی یہ فلم کی جان ہے۔ ریڈیو اور ٹی وی بھی اس کی پہچان ہے۔ موسیقی کے لیے مسلمانوں نے بڑا کام کیا ہے۔ ہندو مت اور سکھ پنتھ کی طرح ہمارے یہاں موسیقی داخلِ عبادت تو نہیں تاہم فطری طور پر اس کی طلب عالمگیر ہے۔ قوالی کی صورت میں یہ سحر انگیز صنفِ فن ہے اور صوفیاء نے اس سے ہندو مت کے بھجنوں کی کاٹ کی ہے۔ ہندو مت میں موسیقی دیوتاؤں کی حمد و ثناء، ویدوں کے اشلوکوں، بھجنوں، منتروں اور بھگتی گیتوں کے لئے استعمال ہوتی رہی ہے۔ مسلمانوں نے بڑی حد تک ہندوؤں کے مذہبی کلمات ہی قائم رکھے اور سر تال، رنگ ترنگ، تان پلٹے اور سرگم میں ایسا کمال دکھایا کہ بڑے بڑے ہندو پنڈت اور موسیقی کے وِدوانوں نے ان کے ہاتھ پاؤں چومے۔ تقسیمِ ہند سے قبل استاد عبدالکریم خاں، ملکۂ موسیقی روشن آرا بیگم، رسولن بائی، ہیرا بائی بڑودیکر، بڑے غلام علی خاں ان کے بھائی استاد برکت علی خاں اور استاد مبارک علی خاں، استاد عاشق علی خاں پٹیالے والے، استاد عبدالوحید خاں کیرانے والے، فیروز نظامی، استاد بندو خاں، استاد عبدالعزیز خاں پونچھ والے، استاد قادر بخش پکھاوجی اور کتنے ہی دوسرے مسلمان ساونت ساز و آواز کے

Marfat.com

دیوتا تھے۔

ہندو کے یہاں موسیقی مندر کی چیز ہے۔ اس سے مذہبی جذبات بیدار ہوتے اور دیومالا کے پرستاروں کو تسکین ملتی ہے۔ اسی کے پہلو بہ پہلو سرگم، تان پلٹے، پینڈھ مُرکی کے مظاہرے سے گویے کی ریاضت اور آواز کی تسخیر کی حقیقت بھی آشکار ہوتی ہے۔

موسیقی ایک سمندر ہے ـــــ ادب بالخصوص شعر و سخن کی طرح۔ امیر خسرو سے بڑے غلام علی خاں تک مسلمان گویوں نے راگ راگنیوں کا جو جادو بکھیرا ہے جو ایجادات کی ہیں اور ان میں جو نیا حُسن پیدا کیا ہے، اس کا اعتراف ہوا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ الفاظ بدلے جائیں، لسانی روپ اپنی ضرورت کے مطابق اختیار کیا جائے۔ لحن پر کفر کا فتویٰ نہیں لگ سکتا۔ اصوات کی ترکیب، ترتیب اور شیرازہ بندی کافرانہ ہے نہ مومنانہ۔ خرابی الفاظ میں ہے۔ البتہ پاپ موسیقی واہیات شے ہے۔ یہ سرے سے موسیقی ہی نہیں۔ یورپ اور امریکہ کے جنس زدہ نوجوانوں نے جُنوں کی حد تک اس کی سرپرستی فرمائی کیونکہ اس سے ان کے اندر کا شیطان برانگیختہ ہوتا تھا۔ وہاں تو پاپ میوزک کا ایسا طوفان اُمڈا کہ لوگ بے قابو ہو گئے۔ پاپ گویوں کو آسمان پر چڑھایا گیا، اخباروں اور رسالوں میں ان کی تصویروں اور قصوں کہانیوں نے نوجوانوں کو پاگل کر دیا۔ انہیں خوب پبلسٹی دی گئی۔ پاپ میوزک کے کتنے ہی گروہ میدان میں آ گئے اور دیکھتے دیکھتے آسمانِ شہرت پر پہنچے۔ آج نوجوانوں میں ناقابلِ بیان حد تک پاپ میوزک مقبول ہے۔ وہ غزل، ٹھمری، خیال اور ترانے کی موسیقی سے رفتہ رفتہ ناآشنا ہو رہے ہیں جو موسیقی کی اساس اور انمول اثاثہ ہیں۔

موسیقی کے زوال کا سبب یہ ہے کہ گویوں کے گھرانوں نے اپنا علم عام نہیں کیا۔ اس معاملے میں ان کے بخل کا یہ عالم رہا کہ بیٹوں کے سوا کسی کو سُر سنگیت کی دولت نہ دی۔ کسی نے بڑی فیاضی دکھائی تو بھانجوں بھتیجوں کو بھی فیض یاب کیا جب بے اولاد

Marfat.com

رہے وہ اپنا سرمایہ قبر میں اپنے ساتھ لے گئے۔ اب یہاں کوئی تکیہ جیت رام ہے نہ استاد مبارک علی خاں مرحوم کی بیٹھک جہاں موسیقی کی محفلیں جمتی تھیں۔ بعض اہل ذوق کے گھروں پر بھی خاص خاص دوستوں کی محفل میں گویّے اپنا فن کا مظاہرہ کرتے تھے۔ برسوں اپنے اُستادوں کی چلمیں بھرتے اور ان کے نخرے برداشت کرتے لیکن اس خدمت گزاری کے عوض انہیں سُر گیان نہ ملتا۔

ہمارے سامنے کلاسیکی موسیقی کو زوال آیا۔ نہ کسی اورنگ زیب نے حکم دیا، نہ لوگوں نے مزاحمت کی، بڑے بڑے گویّوں اور گھرانوں ہی نے اس کا کام تمام کیا۔

کلاسیکی موسیقی نہ رہی تو پاپ میوزک نے جنم لیا۔ نوجوانوں نے بڑے جوش و خروش سے اس کی پذیرائی کی۔ یہ وبا پھیل رہی ہے اور اسے روکنے کی زحمت گوارا نہیں کی جا رہی۔ ٹی وی بڑی فراخدلی سے پاپ میوزک کی سرپرستی کر رہا ہے۔

موسیقی کو صرف موسیقی تک محدود رکھا جائے۔ اسے ناچ گانا نہ بنایا جائے۔ پاپ میوزک کی کوئی اساس نہیں۔ اچھی دُھن، اچھی آواز اور اچھی ادائیگی کافی ہے۔ بدن لچکانے اور اعضاء کے ذریعے ہلچل مچانے سے موسیقی کی کوئی خدمت نہیں ہوتی۔ بدنی حرکات کے ذریعے گانے کی تصویر یا تفسیر پیش کرنے سے اس میں کوئی اضافی خوبی پیدا نہیں ہوتی۔

استاد برکت علی خاں، ملکۂ ترنم نور جہاں، مہدی حسن، مختار بیگم امرتسری، وحیدہ خانم، اختری بائی فیض آبادی، خورشید بیگم، منور سلطانہ اور امیر بائی کرناٹکی ایسے فنکاروں نے آواز کا جو طلسم باندھا ہے اسے پاپ میوزک کے متوالے کبھی توڑ نہیں سکتے۔

(الغرض تہذیب و تمدن کے دائرے میں جو کچھ آیا ہے اسے فروغ دینا چاہیے۔

Marfat.com

جہاں سمت غلط نظر آئے اسے درست کیا جائے۔ تہذیب و تمدّن کے معاملے میں اسلام حیرت خیز اور انقلاب انگیز فکر و عمل کا حامل ہے۔ مقصود یہ ہے کہ دنیا جہنم نہ بنے جنت بنے) آدمی محترم ہو، باوقار ہو، پیکرِ ایثار ہو، تندرست و توانا ہو۔ خیر، شر پر غالب رہے۔ شر نیست و نابود تو نہیں ہوتا لیکن اس کا غلبہ نہ ہو۔ غلبہ ہوگا تو آدمی مکّار شیطان کا فرماں بردار ہو جائے گا اور پھر ہوشیاری اور دانشوری کے زعم میں خالق اکبر کے عظیم ترین شاہکار کو توڑ پھوڑ دے گا۔ پھر وہی آدمی جسے احسنِ تقویم بنایا تھا، گمراہ ہو کر اسفل سافلین بن جائے گا۔

مادے کے بارے میں یہ قول درست سہی کہ یہ INDESTRUCTIBLE ہے لیکن تباہ کن ایٹمی تجربات اور جنگ کے ذریعے اس کی ہیئت اور شکل و صورت کو ملیا میٹ کرنا، بدترین احمقانہ اقدام ہے۔ قدرت کا یہ لاثانی نمونہ جسے اربوں سال کی نقش گری کے بعد موجودہ شکل عطا ہوئی ہے اس کا نام نہاد مہذّب ترین مخلوق کے ہاتھوں یوں ہلاک ہونا، انسانی اخلاق، تدبیر اور شعور کی پستی کے سوا اور کچھ نہیں۔ یہ تمدّن اپنی منفی ترقی کے اعتبار سے واہیات تمدّن ہے۔

ہم ایسے تمدّن کو مسترد کرتے ہیں۔ یہ دوزخی، دوزخی تمدّن ہے۔

ہم صرف ایسے تمدّن کا پرچار کر سکتے ہیں جس میں علم و فن کی تعلیمات، ترجیحات، تحریکات، اقدار اور جمالیات سبھی کچھ انسان کی بہبود کے لئے ہو، سکھ چین اور امن و امان کے لئے ہو، جس میں افادیت کو اوّلیت حاصل ہو، آسائش ہو، آرائش اس حد تک ہو کہ آسائش کو ضرر نہ پہنچے۔ افادیت باطنی حسن اور ظاہری حُسن کا امتزاج ہو بشرطیکہ بندے کی راحت و مسرت میں خلل نہ پڑے۔

جس قالین پر وحشت اور درندگی رقص کرے اس سے وہ بوریہ زیادہ خوبصورت

Marfat.com

اور ہزار درجہ بہتر ہے جو امن و آشتی اور محبت کے آداب سکھائے۔ نفرتوں، عصبیتوں، معاشرتی و معاشی ناہمواریوں اور ہر نوع کی ناانصافیوں کو مٹائے۔

وہ محل کس کام کا جسے آگ لگی ہو؟ اس جہنم سے وہ جھونپڑا اچھا ہے جس کے مکین سکون سے جی رہے ہوں، جنت میں ہوں۔ کیا وہ تماشے جو مدعائے زیست سے غافل کریں، لایعنی نہیں؟ لہو و لعب سے زندگی کا مقصد کیونکر پورا ہو سکتا ہے؟

مناسب ہوگا کہ اس موقع پر ہم بے جھجک اپنے گریبان میں منہ ڈالیں اور اپنے موجودہ رویوں اور اعمال و اشغال کا حال سن لیں جن کے ہم براہِ راست ذمہ دار ہیں۔ یہ درست ہے کہ ہمارے دشمنوں نے ہماری اعانت کی ہے لیکن اصل سوچ ہماری ہے۔ مجرم ہیں ہم۔ کارِ بد بہ نفسِ نفیس ہم کریں اور نام شیطان کا لیں، یہ ناانصافی ہے۔

ہم تخریب کار ہیں ——— اپنی ذات کے لئے، اپنے ملک کے لئے، اپنی قوم کے لئے۔

آدھا ملک گنوا چکے ہیں، عبرت نہیں پکڑی۔ ظالم بدن ایک پاؤں کاٹنے کے بعد دوسرے پاؤں پر بھی کلہاڑا مار رہے ہیں۔ کیا نتیجہ نکلے گا اس طبع آزمائی کا؟

کردار تباہ کرتے، ہر طرح اپنا امیج برباد کرتے، اپنا وقت ضائع کرتے اور بڑی بے نیازی سے اپنے بھائیوں کو دھوکا دیتے اور لوٹتے ہیں۔ خرمستی بھی کرتے ہیں۔

رزقِ حلال کے راستے تنگ سے تنگ تر کر رہے اور رزقِ سہل کے نت نئے راستے بڑی مستعدی سے کھول رہے ہیں۔

صفِ اوّل کے سائنسدان دوسرے ممالک میں اعلیٰ ترین عہدوں پر فائز ہیں، غیروں کی خدمت کر رہے ہیں۔ ہم نااہل یا کم اہل انہیں قریب نہیں آنے دیتے مبادا ہماری

Marfat.com

کرسی چھن جائے۔

عدالتوں کے فیصلے بک رہے ہیں۔ انصاف بھول بھلیوں میں بھٹک رہا ہے انصاف ایک امید موہوم کے ساتھ پینڈورا کے پٹارے میں پڑا ہے۔ بندے مرجاتے ہیں، انصاف کی کرسی منہ تکتی رہتی ہے۔

تھانے بک رہے ہیں۔ رہنما بک رہے ہیں۔ کرپشن دور کرنے والے خود کرپٹ ہو رہے ہیں۔ بندے کی قیمت ایک کروڑ تک پہنچ گئی ہے ـــــ انتظامی مشینری جو پچھلے بیالیس سال سے کرپشن کے کینسر میں مبتلا ہے، اب ایڈز کا شکار ہو رہی ہے۔

ہوٹل آباد اور گھر برباد ہو رہے ہیں۔ وہ اکائی ٹوٹ رہی ہے جسے معاشرے کی تشکیل کی پہلی اینٹ کہتے ہیں۔

پلازے اور محلات تعمیر ہو رہے ہیں، بندوں کی تعمیر نہیں ہو رہی۔ تعمیر انسانیت کی ضرورت محسوس ہی نہیں کی جا رہی۔

مسجدیں کم آباد ہیں، بھنگڑ خانے، جوا خانے اور تفریح گھر خوب آباد ہیں۔

ہمارا امام بے حضور، ہماری نماز بے سرور،

قتل اور دیگر جرائم عام ہیں، مجرم بے لگام ہیں۔ کون کون ان کی سرپرستی کرتے ہیں،

Marfat.com

ان کے نام سب کو معلوم ہیں۔

انتقام عہدِ جاہلیت سے بھی بدتر صورت اختیار کر گیا ہے۔ پہلے تو پیشہ ور عورتوں کو مجرا خانوں اور شامیانوں تلے نچایا جاتا تھا، اب گھریلو، بے گناہ اور مظلوم عورتوں کو نچایا جاتا ہے —— ننگا نچایا جاتا ہے، سرِعام نچایا جاتا ہے۔

بلو پرنٹ بازار میں اس طرح بکتے ہیں جس طرح کوک شاستری مناظر سے لدی پھندی کتابیں بک رہی ہیں۔ بڑے بڑے امپورٹر اس کارِ خیر میں ہمہ تن مصروف ہیں۔

اخبارات میں آج ایک بیان چھپتا یا خبر صفحۂ اوّل کی زینت بنتی ہے، کل اس کی تردید ہو جاتی ہے۔

جھوٹ سچ کی تمیز اُٹھ گئی ہے۔ خبر گھڑنے والے ادارے کھل گئے ہیں —— مقامی، ملکی اور بین الاقوامی سطح پر۔

سچ سمیت ہر چیز میں ملاوٹ ہو رہی ہے۔

مختصراً صورتِ حال یوں ہے کہ آدمی اپنے کارناموں سے اپنی ہی تذلیل کر رہا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض شعبوں میں آج کے موجدوں نے حیرت خیز کارنامے انجام دیئے ہیں لیکن انہی کے دوش بدوش وہ پوری تندہی سے غارت گری میں بھی مشغول ہیں۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے آج کی تہذیبی سوچ اور تمدن —— رہن سہن اور

معمولاتِ حیات پر ہنود و یہود اور اہلِ مغرب کی عملداری ہے۔ ایک طرف تو بندہ مشین کا غلام ہو رہا ہے، دوسری طرف جنسی کھلونوں سے بہلایا اور بہکایا جا رہا ہے پیسے کو اقتدارِ اعلیٰ حاصل ہے۔ بداخلاق مرد اور عورت کی وساطت سے منڈی کی پسندیدہ ترین جنس بن گئی ہے۔

ہم نے مروجہ تمدن سے جو سمجھوتہ کر رکھا ہے اسے توڑنا پڑے گا۔ اس کے لیے غسلِ ذہنی کرنا ہوگا۔ میں خون ریزی کے حق میں نہیں۔ ہمارے حالات اس کے بغیر بھی سدھر سکتے ہیں۔ ضرورت تبلیغ و تلقین کی ہے۔ یہی رسول اکرمؐ اور صحابہ کرام کا طریقہ ہے جس کے ذریعے عرب کا نقشہ بدل دیا گیا اور دنیا کو زیر کر لیا گیا۔ یاد رہے کہ اسلامی انقلاب میں جو خون ٹپکا اس کی فردِ جرم میں صرف اور صرف کفار کا نام آتا ہے۔ کم سے کم خون بہنے پر اتنا بڑا انقلاب آیا اور مخلوقِ خدا کو اتنا بڑا تحفہ ملا کہ آج تک تاریخ اس کی مثال پیش نہیں کر سکی۔

ہمارے حالات بگڑے ضرور ہیں لیکن اتنے نہیں بگڑے کہ ہم خونی ڈراما کھیلیں۔ ۱۹۱۷ کا انقلاب روس اس صدی کا بہت بڑا سانحہ ہے لیکن بے بہا خون ریزی کے بعد آج پون صدی میں اس کی ناکامی ہمارے سامنے آ رہی ہے۔ ہمیں اس مایوسی اور بے اعتمادی کو جھٹکنا ہے جو منجدھار میں پھنسنے کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ جرأت سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ ہمارے پاس وہ روشن کتاب ہے جو رزم اور بزم میں ہمیں راہ دکھاتی ہے۔ سیرتِ محمدی کے حالات و واقعات ہمارا مورال بلند کرتے اور دل بڑھاتے ہیں۔ ہم تو خوش نصیب ہیں کہ اسلام کے نام پر شعلۂ زندگی بھڑک اٹھتا اور مردہ رگوں میں خون دوڑا دیتا، گرم کر دیتا اور جان ڈال دیتا ہے۔

ہمارا انتہائی قیمتی سرمایہ، انقلابِ نو کا ہراول دستہ ہماری نوجوان نسل ہے۔

Marfat.com

ہمارے سیاستدانوں اور ناعہر بانوں نے دنیوی مفاد کی خاطر ہمارے جیالے نوجوانوں کو غلط رستے پر ڈال دیا ہے۔ ویسے ان کی تعداد کم ہے۔ اکثریت نے اب بھی قلم تھام رکھے ہیں اور کلاشنکوف کا کلچر نہیں اپنایا۔ تھوڑے سے ایسے ہیں جو ایک دوسرے کے کام آنے کی بجائے، ایک دوسرے کا کام تمام کرتے ہیں۔ یہ نوجوان بھی اپنا قبلہ درست کر سکتے اور کلاشنکوف پھینک کر قلم ہاتھ میں لے سکتے ہیں۔ ہمارے نوجوان اس قابل ہیں کہ منہ زور سے منہ زور دھارے کا منہ موڑ دیں۔ مغرب کے تہذیبی ریل کے سامنے چٹان بن کر کھڑے ہو جائیں۔ یہ زندگی کی بڑی سے بڑی اور مشکل سے مشکل مہم سر کر سکتے ہیں۔ ضرورت ایک قائداعظم کی ہے جس کی رہنمائی میں یہ نیا، تندرست و توانا جگمگاتا ہوا پاکستان قائم کریں۔ جو کچھ کھویا ہے اسے پائیں۔ آج کے یہ سپاہی، کل کے حکمران ہیں۔

ان کی تربیت قلم کے ذریعے کی جائے۔ یہ جانتے ہیں کہ کلاشنکوف اپنے لئے نہیں، دشمن کے لئے ہوتی ہے۔ کلاشنکوف نے جو تباہی مچائی ہے اس سے سب آگاہ ہیں۔ کتنے ہی نوجوان جانیں دے چکے ہیں۔ یہ قوم کا بہت بڑا زیاں ہے۔

نوجوانوں سے پیار کیا جائے۔ درسگاہوں کی تطہیر کی جائے۔ طریقہ تعلیم درست کیا جائے۔ صدقِ دل سے ان کی رہنمائی کی جائے۔

درسگاہیں علم کی روشنی پھیلانے کے لئے ہوں، رو ما کا خونی اکھاڑا نہ ہو۔

نوجوان اسلامی کلچر کے علمبردار ہوں!

رحمان مُذنب

۱۵۰۱۰۹۰      لاہور

Marfat.com

# ایک ایمان افروز تالیف

یہ نہایت وقیع، نہایت قابلِ قدر اور نہایت خیال انگیز کتاب بلاشبہ کئی سال کے وسیع دینی و تاریخی مطالعے اور طویل سوچ کا نتیجہ ہے۔ اگرچہ مختصر ہے لیکن اس میں بڑی جامعیت ہے۔ ابواب کی ترتیب و ترکیب، مواد کی پیشکش اور تفصیل بے حد اثر انگیز ہے ہم مسلمانوں نے قرآنِ حکیم کی لاثانی تعلیمات، رسولِ اکرم صلعم کی حیاتِ طیبہ کو مشعلِ راہ بنا کر اپنے عہدِ زرین میں جو کارہائے نمایاں سرانجام دیے اور چند صدی میں دنیا کو تہذیب و تمدن کے جن چراغوں سے روشن کیا ان کی عکاسی بڑے صاف، سادہ اور غیر مبہم انداز سے کی گئی ہے۔ اس بات کی صراحت بطریقِ احسن موجود ہے کہ اسلام فی نفسہٖ ایسا جوہر رکھتا ہے جس کی خاصیت بڑھنا، پھیلنا اور ابھرنا ہے۔ اسلام اس امر کی ضمانت دیتا ہے کہ جو لوگ اسے اپنائیں گے وہ بے پناہ ہو جائیں گے اور ہر بلندی، ہر وسعت اور ہر عظمت ان کی دسترس میں آئے گی۔ اسلام کا یہ معجزہ ہے اور اس بدترین عہدِ انتشار و افتراق میں بھی یہ معجزہ دکھایا اور دہرایا جا سکتا ہے لیکن اس کے لیے مسلمان اور صاحبِ ایمان ہونا شرط ہے۔ اسلام عالمگیر جذبۂ اخوت سے سرشار اور رنگ و نسل کے امتیاز سے بے نیاز کرتا، معاشرتی عدل کے شعور اور ہمہ گیر مساوات کی قدروں سے لیس کر کے طبقاتی تمیز اور اقتصادی ناہمواریاں مٹاتا، حقوق اللہ اور حقوق العباد سے آگاہ کر کے راستی کی سمت لے جاتا، فقر کی عادت پیدا کر کے نمائشی زندگی دنیوی

Marfat.com

جاہ و حشمت اور شاہانہ شان و شوکت سے متنفر اور اسی کے ساتھ آدمی کو بیباک اور نڈر کر دیتا ہے ـــــ پھر بے مثال کامیابیاں اس کا مقسوم بن جاتی ہیں۔ انہی اوصاف کی بدولت مسلمان آندھی بن کر تمام دنیا کو بڑی بے تکلفی سے روند گئے اور انہی کو ترک کر کے دنیا کے ہاتھوں بڑی آسانی سے روندے گئے۔ اپنی ہی خوبیاں اور اپنی ہی خرابیاں ان کی قسمتیں ادلتی بدلتی رہیں۔ اسلام کے سوا کوئی مذہب روح و جاں، قلب و نظر اور ہر پہلو زندگی کی کامل تسکین کا سامان نہیں رکھتا۔ اسلام روشن خیالوں کا مذہب ہے، روحانی اور مادی تقاضے بیک وقت پورا کرنے والا مذہب ہے، رفیع الشان تہذیبی قدر ہے۔ یہ بلند پایہ کتاب ان تمام امور کو نہایت عمدگی سے عیاں کرتی ہے۔ وہ لوگ جو اسلام کو قدامت پرستوں کی میراث سمجھتے ہیں اس کتاب کو پڑھ کر اپنے خیالات میں ترمیم و اصلاح کریں گے۔

یہ حقیقت ہے کہ اہلِ مغرب نے بالعموم (بہ استثنائے چند) ہمارے جیّد علماء، بے مثال سائنسدانوں اور مفکّروں کے عہد آفریں کارناموں پر پردے ڈالے، انہی کی بلا تامل خوشہ چینی کی کہ اس کے سوا چارہ کار نہ تھا لیکن پھر انہی کی ایجادات، اختراعات اور فتوحات پر اپنے نام کی چھاپ لگا دی۔ آج عام طور پر یہی سمجھا اور مانا جاتا ہے کہ ہر سوچ کا سرچشمہ یورپ ہے، ہر نئے خیال کا خالق مغرب کا سفید انسان ہے ترقی و خوشحالی صرف مغرب کے لیے مُقدّر ہوئی ہے ـــــ مسلمانوں کا کہیں ذکر ہی نہیں۔ کیسی عجیب بات ہے کہ مسلمان موجدین و مفکرین کو گمنام کرنے کی مسلسل کوششوں اور منصوبہ بندیوں کے باوجود عُلوم و فُنون کی کئی شاخوں کے عربی نام اور کئی سائنسی اسلامی اصطلاحات پھر بھی باقی رہ گئیں۔ "الگورزم" دراصل الخوارزمی کی عطا کی ہوئی حساب کی ایک نئی شاخ ہے۔ اکائی سے دہائی یعنی دائیں سے بائیں ہندسے لکھنے کا عربی طریقہ من و عن انگریزی میں بھی رائج ہے۔ "الجبرا" کا لفظ اپنے عربی الاصل ہونے کی غمازی

Marfat.com

کرتا ہے۔ ابھی دو تین صدی پہلے بوعلی سینا کی طبی انجیل (القانون) اور دوسرے مسلمان علماء کی کتابیں یورپ کی یونیورسٹیوں میں نصاب کے طور پر پڑھائی جاتی تھیں اور اب اہلِ مغرب کے سیّاح جس بے قراری اور جذبۂ شوق سے قرطبہ، غرناطہ اور طلیطلہ جاتے ہیں وہاں اندلسی مسلمانوں کے تاریخی آثار کے سوا اور رکھا کیا ہے؟ یہیں کی بے نظیر درسگاہوں اور کئی کئی لاکھ نسخوں سے لبریز کتب خانوں سے انہوں نے فیض پایا اور اپنی برگشتہ تقدیر بدلی۔

شکر ہے کہ گنتی کے چند کم متعصب اور غیر متعصب مستشرقین کی کاوشوں کے طفیل مسلمان علماء و حکماء کے تالیفی دفینوں، تخلیقی کارناموں اور گم شدہ خزانوں کا سراغ ملا اور اس حقیقت کا اعتراف کیا گیا کہ یورپ کی تحریکِ احیائے علوم و فنون اور مغرب کی تمام ترقی مسلمانوں کی مرہونِ منت ہے۔ مسلمانوں ہی نے تہذیبی سلسلۂ ارتقاء میں نہایت اہم کڑیاں جوڑیں، انہی کی علمی و فنی فتوحات نے تاریخ کے دھارے موڑے، انہی نے مردہ پرستوں، قدامت پسندوں، اوہام زدوں اور خوف کے ماروں کو صدیوں کے گھمبیر اندھیروں سے نکالا، اندھی راہیں روشن کیں اور جب اوٹ میں ہوئے تو اپنے چراغ اہلِ یورپ کو تھما گئے ـــــ یہ ایک درخشاں تاریخی حقیقت ہے اور کسی کو انکار کی مجال نہیں۔

یہ کتاب ایمان افروز ہے اور اس قابل ہے کہ علمائے کرام، مبلغینِ اسلام اور خطیبانِ عظام اسے اپنے نجی کتب خانے میں جگہ دیں اور شرفِ مطالعہ بخشیں۔ اس میں جگہ جگہ غیر مسلم مؤرخوں، محققوں اور اسکالروں کے خیالات نقل کئے گئے ہیں۔ یہ سب فاضل حضرات اس امر کی تائید کرتے ہیں کہ اسلام سب سے زیادہ جامع، قابلِ عمل اور موثر مسلکِ زندگی ہے۔ ان کی باتوں سے پتا چلتا ہے کہ وہی اسلام جسے ہم بے جان اور ناکارہ سمجھ کر نظر انداز کر رہے ہیں، کس قدر جاندار، عظیم اور مرعوب کن

Marfat.com

ہے اور دنیائے مغرب اس کے امکانی اثرات اور مضرات سے کس قدر خوف زدہ ہے۔ وہ سیاسی، اقتصادی اور سائنسی حربوں سے مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے اپنی تمام توجہ، تمام قوت اور تمام صلاحیتیں صرف کر رہے ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ ایک بار بھی اگر مسلمان اسلام کے نام پر ایک ہوتے، اسلامی برادری میں عالمگیر اتحاد و رابطہ پیدا ہوا، مسلمانوں نے اسلامی اخوت اور مساوات کے نام پر اپنے سارے تفرقے مٹا دیے تو یہ پھر ماضی کی طرح بے پناہ ہو جائیں گے اور مستقبل کی قیادت سنبھال لیں گے جو اس وقت سخت پراگندگی، اخلاقی انتشار، جنسی بے راہروی اور ایٹمی ہلاکت سے دوچار ہے۔ اہلِ مغرب اپنے نسلی، مذہبی اور سیاسی تعصبات کے باعث ایشیا اور افریقہ کے رنگ دار انسانوں کو راحت اور سکون نہیں دے سکے۔ یہی نہیں بلکہ انہیں خود بھی چین نصیب نہیں۔

غیر مسلم علماء اور مورخین کے خیالات پڑھ کر اسلام کی حقانیت اور عظمت کے بارے میں ہمارے اعتقاد اور اعتماد کو بڑی تقویت ملتی ہے اور اس طرح ہم جو مغرب کی مصنوعی اور سکون شکن چمک دمک پر سو جان سے فریفتہ ہیں اپنے گھر کے چراغ کی تابناکی کے لیے بے قرار ہو جاتے ہیں۔ اس تالیف کا مقصد مسلمانوں بالخصوص مغرب زدہ مسلمانوں کے دلوں کو جھنجوڑنا اور ان میں نئی تڑپ پیدا کرنا ہے (نور احمد صاحب نے یہ کام بڑی ہنرمندی سے کیا ہے۔ ۱۹۵۸ء میں ان کی کتاب GLORIES OF ISLAM شائع ہوئی۔ نور احمد صاحب نے نئی پود کی نبض پہچانی ہے جو اہلِ مشرق کی باتیں اہلِ مغرب کے حوالے سے تسلیم کرتے ہیں اور مسلمانوں کی دانش کو غیر مسلموں کی گواہی پر تسلیم کرتے ہیں۔ بدقسمتی سے ہمیں اپنے بزرگ دانشوروں تک براہِ راست رسائی نہیں، اس کے لیے ہم یورپ میں سیڑھی لگاتے ہیں۔)

یہ ایک سادہ حقیقت ہے۔ اس کے انکار میں ہمارے سوا کسی کا نقصان نہیں بلکہ

Marfat.com

زندگی کے حوالے سے بات کریں تو بلاشبہ معلوم ہوگا کہ آج بھی واقعی اسلام مکمل ترین مذہب ہے، اب تک انسان کو اس سے بہتر ضابطۂ حیات نہیں ملا، ہر دور میں معاشرے کے کام آنے والا اس سے بہتر ضابطۂ حیات کبھی مرتب ہوا نہ ایسا لاثانی شاہکار بروئے کار لانے کی کسی کو توفیق ارزاں ہوئی۔ ایسا مربوط و منظم اور جامع لائحۂ عمل ناپید ہے۔ دنیا اپنے تمام تہذیبی کارناموں اور تجربے کے باوصف بالآخر اسی کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہوگی۔

آج مسلمان جس پستی کا شکار ہیں، جن آفات و امراض میں مبتلا ہیں، ان کا علاج وہ اعجاز آخریں کتاب ہے جو ریشمی غلاف میں لپٹی، ہر گھر کے طاق میں رکھی رہتی ہے۔ ہم اسے چومتے ہیں۔ اس کے تقدس کے پیشِ نظر اسے باوضو پڑھتے ہیں لیکن ترجمے اور حاشیے پر دی ہوئی شرح کو نظر انداز کر دیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ہم اس کے مفہوم سے بے خبر ہیں۔ یہ کیسی بے پروائی اور بدنصیبی ہے! اس میں ہمارے ہر درد کا مداوا، ہر بیماری کا نسخہ ہے —— تیر بہدف نسخہ ہے ہم اسے سمجھنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے۔ جس دن ہم نے اپنی یہ دیرینہ کوتاہی ترک کی، اس دن زوال کے سایے ٹل جائیں گے۔ ہم نکھر سنور جائیں گے اور نئی آب و تاب سے دنیا کے نقشے پر طلوع ہوں گے۔

نور احمد صاحب نے کارِ خیر اور وقت کا تقاضا پورا کیا ہے۔ ان کی لاجواب کتاب کو اردو میں منتقل کر کے میں بھی اس کارِ خیر میں شریک ہو گیا ہوں۔

رحمان مُذنب

Marfat.com

# پیش لفظ

اس تالیف کے دو مقاصد ہیں ـــــ اوّل اس بات کی سعی کی گئی ہے کہ آج کے مسلمانوں خصوصاً ان نوجوانوں کو ان کے عظیم اور شاندار تہذیبی ترکے کی یاد دلائی جائے جو عوام کی رہنمائی کا ارادہ رکھتے ہوں۔ اسلام نے اب تک عالمی تہذیب، تعلیم، ثقافت اور سائنس کو جو دیا نیز ان کی ترقی کے لیے جو کیا اس کا یہاں مختصر سا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اُمید ہے کہ پڑھنے والے کے دل میں اپنے ترکے کی نسبت فخر کا نیا جذبہ بیدار ہو گا لیکن یہ جذبہ مجہول کیفیت یا اطمینان سے بیٹھے رہنے کا نہ ہو گا کیونکہ کوئی قوم اپنے ماضی میں زندگی نہیں گزار سکتی۔ زندہ رہنے کے لیے تو فعال عزم کے ساتھ نئی عظمت کی سمت پرواز کرنی پڑتی ہے۔ بدیں سبب اس تالیف کا دوسرا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ اسلام نے ماضی میں جو کچھ کیا ہے دوبارہ کر سکتا ہے اور اسلام کے مستقبل میں قدم قدم پر ماضی کی شان و شوکت مخفی ہے۔

آج بہتیرے مسلمان حوصلہ ہارے ہوئے ہیں کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ دنیا بھر میں برادرانِ اسلام کی اکثریت کا معیارِ زندگی بے حد پست ہے، ترقی کے مواقع بڑے محدود ہیں۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ مغربی ملکوں کے مقابل اسلامی ملک ٹیکنالوجی میں کس قدر پیچھے رہ گئے ہیں۔ ان مشاہدات سے ایک ہی جست میں وہ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اسلام بدلتے ہوئے حالات سے مطابقت پیدا نہیں کر سکتا، اپنے دامن

Marfat.com

میں نیا علم سمو نہیں سکتا اور اسی لیے اسلامی ملک پسماندہ ہیں۔ وہ تو یہاں تک کہہ گزرتے ہیں کہ درحقیقت اسلام ترقی اور سائنس کی ترویج کا دشمن ہے درآں حالیکہ یہ حقیقت سے بعید ہے اور کتاب میں دیے ہوئے حوالوں کو پڑھ کر ہر کوئی فوراً اس کا اندازہ کر لے گا۔ یہ حوالے جنہیں جمع کرنے میں راقم الحروف کو کئی سال لگے ہیں ان مصنفوں کی کتابوں سے لیے گئے ہیں جو مسلمان ہیں نہ اسلام کے حق میں کوئی جذبہ رکھتے ہیں لیکن جن کے فیصلوں پر اعتماد کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ فیصلے عالمانہ ہیں اور حقیقت افروز بھی۔ یہ غیر مسلم اپنی تحریروں میں اس امر کا انکشاف کرتے ہیں کہ وہ ماضی کے شاندار اسلامی کارناموں سے غایت درجہ آگاہ ہیں۔ اس سے بھی زیادہ انہیں اس بات پر یقین ہے کہ اسلامی ملک مستقبل میں اہم تر کردار ادا کر سکتے ہیں۔

یہاں جو مواد پیش کیا گیا ہے وہ کئی سو کتابوں میں سے انتخاب کرنے کے بعد اکٹھا کیا گیا ہے اور موضوع کے اعتبار سے بڑا تنوع رکھتا ہے۔ کچھ مواد اعلیٰ پایے کے علمی جریدوں سے لیا گیا ہے، کچھ تاریخ کی کتابوں سے اور کچھ نفسیات کی تالیفات سے۔ ان عارضی مطبوعات سے بھی مواد اخذ کیا گیا ہے جن میں میگزین، رسالے اور اچھی معلومات کے روزنامے شامل ہیں۔ اس تمام متنوع مواد سے ایک حقیقت عیاں ہوتی ہے ــــــ اسلام نے مسلمانوں کو زوال تک نہیں پہنچایا بلکہ خود مسلمانوں نے اسلام کے اصول نظر انداز کر کے زوال مول لیا۔ ان حوالوں سے بار بار یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا کے عظیم مذاہب میں اسلام ہی سب سے بڑھ کر ترقی پسند ہے اور اس سے انکار ممکن نہیں۔ یہ بات زیادہ تر مغربی مصنف ہی کہتے ملیں گے۔ اسلام لازماً ایک فعال مذہب ہے۔ اس کے رگ و پے میں قوت موجود ہے ــــــ اس کا دائرہ فکر و عمل وسیع ترین ہے۔ تمام مذاہب سے بڑھ کر جاذب اور سمو لینے والا ہے۔ یہ لافانی ہے اور اپنے اندر نیا جنم لینے کی بے نظیر قوت رکھتا ہے۔

Marfat.com

دنیا کے نامور شاعر علامہ اقبال نے کہا ہے، "مسلمانوں کی تاریخ سے میں نے یہ سبق لیا ہے کہ اسلام ہی انہیں بچا سکتا ہے۔ تاریخ کے نازک مرحلوں پر ہمیشہ اسلام ہی نے انہیں بچایا، حقیقت خلاف ازیں نہیں۔ اگر آج آپ اپنی نظر اسلام پر مرکوز کر لیں اور اس میں دائماً قوت بخشنے والے جو افکار سموئے ہوئے ہیں ان سے تحریک پائیں تو آپ اپنی پراگندہ قوتیں یکجا کرنے کے قابل ہو جائیں گے اور یوں اپنی گم شدہ یک جہتی بحال کرنے کے بعد پیش آنے والی تباہی سے اپنے تئیں محفوظ کر لیں گے۔"

اگر یہ تالیف کسی طور اس مقصد کے حصول میں مدد دے سکے جو اوپر دیے ہوئے حوالے میں پُر وقار انداز سے بیان کیا گیا ہے تو مصنف سمجھے گا کہ اسے اپنی محنت کا معقول صلہ مل گیا ہے۔ امید ہے کہ درسگاہوں میں تعلیم پانے والوں، ان کے معلّموں اور پروفیسروں، مقننہ کے رکنوں، تمام سرکاری اہلکاروں اور رہنماؤں کے لیے اس کی محنت کارآمد محرک ثابت ہوگی۔ یہ بھی اُمید ہے کہ اس سے ان چند گمراہ مسلم نوجوانوں کو اس غلط فہمی سے نجات ملے گی کہ اسلام ترقی کی راہ میں حائل ہے۔

راقم الحروف ان تمام مصنفین کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہے جو مختلف ملکوں اور زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھتے ہیں اور اسلام کی فتوحات نیز بنیادی اسلامی تعلیمات پر جن کی آراء پیش کی گئی ہیں۔

نُور احمد

Marfat.com

# ابتدائیہ

اسلام نام ہے اتحاد اور عالمگیر اخوت کا[1]۔ مسلمان کہیں بھی ہوں۔ سائبیریا کے بعید ترین علاقے میں بستے ہوں، افریقہ کے قلب میں، انڈونیشیا میں یا پھر امریکہ اور یورپ میں چھوٹے چھوٹے الگ تھلگ گروہوں کی صورت میں آباد ہوں ایک بے مثال برادری کے یکساں طور پر، مساوی حیثیت کے ارکان ہیں۔ درمیان میں جغرافیائی تقسیم حائل ہے نہ فاصلہ۔ ذات پات اور رنگ بھی حائل نہیں۔ اسلام ان تمام قومی، جغرافیائی، نسلی اور معاشرتی امتیازات سے بالاتر ہے جو آج بھی دنیا کے دوسرے بڑے بڑے مذہبی نظاموں کی شکل وصورت مسخ کر رہے ہیں۔ اسلام تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے سے ملانے کی سعی کرتا ہے۔

(قرآنِ مقدس اور عربی زبان کے مطالعے کے ساتھ ساتھ دینِ متین اسلامی اتحاد کا بڑا سرچشمہ ہے۔ تیرہ سو سال تک قرآنِ مقدس کے مطالعے نے دنیا بھر کے مسلمانوں

---

[1] اسلام کے معنی اطاعت اور تسلیم و رضا ہے۔ اس کا مادہ سلم ہے جس کا مطلب امن و سلامتی ہے۔ اسلام احکام الٰہی کی تعلیم دیتا، ان پر اور رسالت مآبؐ کی سنت پر چلنے کی ہدایت کرتا ہے۔ نام سے اسکی ہمہ گیر اور ازلی و ابدی حیثیت ظاہر ہوتی ہے۔ بدھ مت، ہندو دھرم، زرتشتی مذہب یا عیسائیت کی طرح یہ نام، کسی شخص کے نام پر نہیں رکھا گیا۔ مترجم

Marfat.com

کو ان کے مذہبی اعتقادات سے مربوط و متحد رکھتا ہے۔ نبی اکرم صلعم نے ایک بار ارشاد فرمایا تھا ــــ "پوری دنیا ایک مسجد ہے۔")

بہرحال اسلام صرف مذہبی اتحاد کا تصور ہی پیش نہیں کرتا۔ مذہبی ضابطے کے علاوہ اسلام تمام مسلمانوں کو خواہ وہ کہیں بھی رہتے ہوں ایک معاشرتی، سیاسی اور اخلاقی ضابطہ بھی دیتا ہے۔ یہ دین کامل ہے جو نہ صرف مومنین کے روحانی رویئے میں نظم و ضبط قائم کرتا ہے بلکہ روزمرہ کی عملی زندگی پر ہر پہلو حاوی ہے۔ زندگی کے ان تمام عملی اور اخلاقی کوائف پر توجہ دینے سے مذہبی عقیدے کے تراشے ہوئے رشتوں کو بڑی تقویت ملتی ہے۔ جرمنی فلسفی آنجہانی کیسرلنگ نے اپنی تالیف TRAVEL DIARY OF A PHILOSOPHER (مطبوعہ لندن ۱۹۲۵ء) میں جو سوال اٹھایا ہے اس کا یہ جواب ہے وہ لکھتا ہے ــــ

"میں نے جس مسلمان سے پوچھا کہ وہ کون ہے، اس نے یہی جواب دیا کہ وہ مسلمان ہے۔ کیا بات ہے کہ تمام مذاہب میں سے تنہا اس مذہب (اسلام) نے یہ جانا کہ ایک وسیع تر چیز کو قومی احساس کی جگہ دی جائے ــــ ایک ایسی چیز کو جو قوی تر بھی ہے اور زیادہ معنی خیز بھی ایسا کیونکر ہے کہ اسلام کسی ہم آہنگ اعتقاد کے بغیر اخوت کی مثالی قدریں پا لیتا ہے، لیکن عیسائیت اپنے مثالی معتقدات کے باوصف ناکام رہتی ہے؟"

کاؤنٹ کیسرلنگ وہیں اپنا جواب پاتا ہے جہاں اسلام کے تمام مغربی محققین پاتے ہیں۔ اسلام ایسا طریق کار پیش کرتا ہے جو فطرت انسانی کے عملی اور روحانی پہلوؤں کو مربوط کر دیتا ہے۔ کاؤنٹ سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے "اس کا سبب ضرور وہ گہرے تعلقات ہیں جو آدمی کے خاص عقیدے اور اس کی فطرت اولیٰ میں پائے جاتے ہیں۔"

Marfat.com

مسلمان جو کچھ کرتا ہے اس کا تعلق براہِ راست اسلام سے ہوتا ہے اس سے بھی زیادہ یہ کہ مسلمانوں نے ماضی میں جو کچھ حاصل کیا ہے اور مستقبل میں جو کچھ حاصل کریں گے وہ اسلام سے متعلق ہے۔ اس تالیف کا مقصد یہ ہے کہ اعتقاد، مقصد اور کامیابی میں جو باہم ربط پایا جاتا ہے اسے عیاں کیا جائے۔

قارئین کی سہولت کے پیش نظر اس تالیف کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پھر ہر حصے کو مزید کئی حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ کسی اسلامی کارنامے کو بہ حیثیت مجموعی اسلامی کارنامے سے علیحدہ نہ سمجھنا چاہیے۔

پہلے حصے کے صفحات میں قارئین دیکھیں گے کہ عالمی شہرت کے مسلمان سائنسدانوں نیز غیر معروف مسلمان جلاہوں اور دھات کا کام کرنے والوں کی مہارت اور ہنرمندی کو خراج پیش کیا گیا ہے۔ پھر قارئین مسلمان بحری جہاز رانوں کی دلیری اور فاتح مسلمان مجاہدوں کی بردباری کا حال پڑھیں گے۔ مسلمان ماہرین تعلیم کی عقل و دانش نکھر کر ان کے سامنے آئے گی۔ انہیں اس محیر العقول جذبے پر اظہار مسرت کی دعوت دی جاتی ہے جس کی بدولت چند ایسی عظیم ترین درسگاہیں معرض قیام میں آئیں دنیا کو جن کا علم ہے۔

دوسرے حصے میں عدل، اعلیٰ نظم و نسق، جمہوریت، بین الاقوامیت کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ شکلوں اور کل حقوق انسانی میں اسلامی رواداری کے جذبے نے جو کام کیا ہے قاری اس کا مطالعہ کر سکتا ہے۔

ان حوالوں کا مطالعہ فی نفسہٖ دلچسپ ہے لیکن کتاب کی غایت تب پوری ہو گی جب اسلامی میراث کو از سر نو دریافت کر کے قاری اپنے تئیں ایک سوال کرے۔ "ان تمام شاندار فتوحات کو آج مجھ سے کیا سروکار ہے؟"

مصنف یقین رکھتا ہے کہ یہ کتاب اس سوال کا جواب پیش کرے گی۔ لاریب جو اصحاب پہلے دو حصے پڑھیں گے ان کے دل میں ایک ولولہ پیدا ہو گا۔ اسلام کے ایسے

Marfat.com

مستقبل کا حصہ بننے کی آرزو ہوگی جو اسلام کے ماضی سے کم شاندار نہ ہو۔ تیسرا حصّہ مستقبل کے ان امکانات ہی سے واسطہ رکھتا ہے۔ اس حصّے میں دیے ہوئے حوالے یہ بیان کرتے ہیں کہ کس طور اسلام میں نئے سرے سے جنم پانے کی صلاحیت کارفرما رہتی ہے اور اسلامی برادری کے ایک ایک رکن میں دوبارہ اُبھرنے کی قوت پائی جاتی ہے۔

نامور عالم پروفیسر بوس ورتھ اسمتھ کے الفاظ میں — "اسلام فی نفسہٖ لافانی قوت ہے۔" اور فلسفی ڈبلیو ای ہوکنگ کا یہ دعویٰ ہے — "میں اس دعوے میں حق بجانب ہوں کہ اسلام اپنی ہیئت میں نشو ونما کے ضروری اصول رکھتا ہے۔"

پس اب اقوامِ اسلام کی پسماندگی کے بارے میں مزید گفتگو نہ ہونی چاہیے اس کی بجائے ہم ایسے مستقبل کی سمت دیکھیں جس میں اسلام ایک بار پھر عظیم اور فعال عالمی قوت

Marfat.com

# اسلام اور سائنس

(جو لوگ اسلامی اصول سے ناواقف ہیں عام طور پر اسلام پر سب سے زیادہ نکتہ چینی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ سائنس کے مطالعے اور اس کی ترقی کے خلاف ہے لیکن تاریخ ایک مختلف کہانی بیان کرتی ہے۔ مغربی علوم پر مسلمان سائنسدان کا جو احسان عظیم ہے، مغرب کے متعدد علماء نے کاملاً اس کا اعتراف کیا ہے۔

(موسیو بریفالت نے اپنی کتاب THE MEANING OF HUMANITY میں لکھا ہے ـــــ اگرچہ یورپ کی ترقی کا ایک بھی ایسا پہلو نہیں جس سے قطعی طور پر اسلامی ثقافت کے نقوش کا پتا نہ ملتا ہو لیکن اس قوت کی پیدائش پر اس کے اثرات جس قدر واضح اور اہم ہیں کہیں دوسری جگہ نہیں ـــــ یہی تو نئی دنیا کی مستقل دائمی قوت اور کامیابی کا عظیم سرچشمہ ـــــ یہی طبعی سائنس اور سائنسی اسپرٹ ہے!)

جرمن عالم ہمبولٹ کی رائے میں علمائے عرب کو اس معنی میں طبعی سائنس کے موزوں موسس سمجھنا چاہیئے جس معنی میں ہم اس اصلاح کو استعمال کرنے کے عادی ہیں۔ سائنسی مورخ جارج سارٹن مسلمان علماء کو یوں شاندار خراج پیش کرتا ہے ـــــ

"سب سے زیادہ گراں قدر، سب سے زیادہ اوریجنل اور سب سے بڑھ کر پُرمغز کتابیں عربی میں لکھی گئی ہیں۔ آٹھویں صدی کے نصف آخر سے گیارہویں صدی کے اختتام تک عربی ہی بنی آدم کی سائنسی اور ترقی پسندانہ زبان تھی۔

Marfat.com

اس دور میں اگر کوئی شخص خوب باخبر ہونا اور تازہ ترین معلومات حاصل کرنا چاہتا تو اسے عربی پڑھنی پڑتی۔ یہاں چند ان درخشندہ ہستیوں کے نام دیئے جاتے ہیں جن کے پائے کے معاصر مغرب میں نہیں ملتے ——

جابر بن حیان، الکندی، الخوارزمی، الفرغانی، الرازی، ثابت بن قرا، البطانی، حنین ابن اسحاق، الفارابی، ابراہیم ابن صنعان، المسعودی، الطبری، ابوالوفا، علی ابن عباس، ابوالقاسم، ابن الجذار، البیرونی، بوعلی سینا، ابن یونس، الکرخی، ابن الہیثم، علی ابن عیسیٰ، الغزالی، الزرقلی، عمر خیام۔

ناموں کی اس شاندار صف میں اضافہ محال نہیں۔ اگر تمہیں کوئی کہے کہ ازمنۂ وسطیٰ میں قحط الرجال تھا تو یہ نام لے دو۔ یہ تمام علماء ۷۵۰ عیسوی سے ۱۱۰۰ عیسوی تک کے نسبتاً مختصر عہد میں ہو گزرے ہیں۔

فلپ حتّی[1] اپنی تالیف HISTORY OF THE ARABS میں کہتا ہے مسلمانوں کے دور کے ہسپانیہ میں ازمنۂ وسطیٰ کے یورپ کی تاریخ اور علم و دانش کے درخشاں ترین ابواب رقم ہوئے۔ آٹھویں صدی اور تیرھویں صدی کے آغاز تک عربی بولنے والے دنیا بھر میں تہذیب و ثقافت کے عظیم مشعل بردار تھے۔ مزید برآں انہی کے توسط سے قدیم علم اور فلسفہ دریافت ہوا، اس میں اضافہ ہوا اور اس انداز سے پھیلا کہ مغربی یورپ میں تحریک احیائے علوم ممکن ہوئی۔[2]

---

[1] عہد حاضر کا نامور مستشرق۔ اس کی دوسری کتابیں HISTORY OF SYRIA

[2] صفحہ ۵۵۷۔ عیسائی علماء نے اسلامی درسگاہوں سے جو روشنی پائی اسے یورپ کے اندھیروں میں بکھیرا۔ یہی وہ تحریک ہے جس کی بدولت یورپ کی جہالت اور پسماندگی دور ہوئی اور وہ HISTORY OF SYRIA

Marfat.com

ازمنۂ وسطیٰ کے اسلام کی یہ ابدی عظمت توجہ طلب ہے کہ اسے انسانی فکر کی تاریخ میں پہلی بار ایک بات میں کامیابی نصیب ہوئی۔ اس نے قدیم سامانی دنیا کے سب سے بڑے کارنامے یعنی فلسفے سے ہم آہنگ کیا اور اس سے سمجھوتہ کیا۔ اس طرح مسیحی یورپ کو جدید نقطۂ نظر کی جانب لے گیا۔

حتّی یوں نشان دہی کرتا ہے، "قرونِ وسطیٰ میں بغداد اور اندلس کے مسلمان مفکرین ہی کو یہ لازوال عظمت حاصل تھی کہ انہوں نے خیال کی دو لہروں میں تال میل قائم کیا اور ہم آہنگی میں یورپ تک پہنچایا۔ سائنسی اور فلسفیانہ فکر نیز آنے والے عہد کی دینی حکمت پر اس کا جو اثر پڑا اس کے پیشِ نظر مسلمان مفکرین کا یہ کارنامہ اوّلین عظمت کا مستحق ہے۔
یورپ میں نئے خیالات کی آمد سے عہدِ جاہلیت کے خاتمے اور علم و دانش کے دور کے آغاز کی نشاندہی ہوتی ہے۔ عربوں کے فکر کے لمس سے روشن ہو کر اور قدیم یونانی حکمت کی تازہ آگاہی سے تیز فہم ہو کر اہلِ یورپ میں علم اور فلسفے کا جو ذوق پیدا ہوا اس نے انہیں بہ سرعت آزادانہ زندگی پروان چڑھانے میں رہنمائی کی۔ اب تک ہم اس کا پھل کھا رہے ہیں۔

اسی طرح پروفیسر ہولم یارڈ نے اپنے سائنسی رسالے ENDEAVOUR میں یوں اظہارِ خیال کیا ہے۔" ایک ہزار سال ہوئے کہ اسلام اور صرف اسلام میں سائنس کا شعلہ چمکا۔

ایچ۔ جی۔ ویلز کہتا ہے۔" نئے زاویے اور تازہ توانائی سے علمائے عرب نے اس مثبت علم کی ترقی کا کام سنبھالا جسے یونانیوں نے شروع کر کے چھوڑ دیا تھا۔" (ڈاکٹر لوسین لیک رک اپنی تالیف HISTORY OF ARAB MEDICINE

---

اسلامی مملکتوں کے نقشِ قدم پر چلا اور ترقی کی منزلیں طے کرنے لگا (مترجم)۔

Marfat.com

(صفحات ۹۱، ۹۲) میں یوں رقمطراز ہے: " دنیا پھر کبھی وہ اعجاز آفریں منظر نہ دیکھے گی جو نویں صدی میں عربوں نے پیش کیا۔ یونانیوں کے تمام علوم عربوں کی گرفت میں تھے۔ انہوں نے اپنی صف میں اوّل درجے کے طلبہ پیدا کیے جنہوں نے اسی وقت علم تحقیق کے صحیح مذاق کا اظہار کیا۔"

ECCLESIASTICAL HISTORY کا مصنف موشین کہتا ہے۔ اس امر کا اعتراف کرنا چاہیے کہ طبیعات ہو۔ نجومیات ہو یا فلسفہ، ریاضیات ہو یا کیمیا ـــــ وہ تمام علم جو دسویں صدی سے یورپ میں پھیلا، اصل میں عرب علماء سے حاصل کیا گیا تھا۔"

ایک تجربہ کار اسکالر، برلن یونیورسٹی جولین رسکس لکھتا ہے: "عربوں کے علم الکیمیا نے یونانیوں کے طریقے سے ماوراء اس انداز سے ترقی کی اور یہ مغرب کے علم الکیمیا پر تنہا اس حد تک اثر انداز ہوا کہ آج قرون وسطیٰ کے علوم کے طلبہ اس راستے کا کھوج لگانے ہی میں سب سے زیادہ دلچسپی لیتے ہیں جو کچھ مدت پہلے تک گم شدہ تھا اور جو کبھی ترقی کی سمت لے گیا تھا۔"

جان ڈبلیو کیمبل جونیئر نے اسلامک ریویو کے مارچ ۱۹۵۵ء کے شمارے میں لکھا ہے: "اسلام نے وہ کچھ حاصل کیا کہ دوسری کسی قوم نے اس کے حصول کی کوشش تک نہیں کی۔ اسلام نے سائنس ایجاد کی۔ یہ کام روما اور یونان نہ کر سکا۔ ان میں سے ہر ایک نے دو میں سے صرف ایک جزو پیدا کیا جو سائنسی فکر کی عادت کے لیے ضروری تھا۔ درحقیقت ان سے پہلے کی قوموں نے بھی یہی کچھ کیا۔ ان کے بعد وہ آزادانہ طور پر بھی کچھ کر پائے لیکن دونوں باتوں میں کوئی کامیاب نہ ہوا۔ فلسفہ خوب ہے لیکن یہ تنہا قائم نہیں رہ سکتا۔ ایتھنز[۱] اپنے دلفریب فلسفے پر گھمنڈ کے بل گرا کیونکہ یہاں نکاس کے

ــــــــــــــــــــ

[۱] ایتھنز جس نے پانسو سال قبل مسیح شہرت پائی۔ "شہری ریاست" ایتکا کا صدر مقام۔

Marfat.com

لیے بدرو تھی نہ آبی گزرگاہ۔ روما کے پاس صفائی ستھرائی کا شاندار نظام تھا لیکن حکیمانہ فکر کا نظام نہ تھا۔ روما کے دل میں ایتھنز کے نفیس فلسفے کا احترام تھا نہ یونان کے دل میں روما کی درشت مادہ پرستی کا۔ ہم نے سائنسی میراث روما سے لی ہے نہ یونان سے بلکہ اسلام سے لی ہے۔" HISTORY OF THE ECCLESIASTICAL

مسٹر کیمبل کے خیال میں معاشرے میں اسلامی کارناموں سے اکثریت کی لاعلمی کی ایک وجہ یہ ہے کہ جس وقت یورپ عہدِ جاہلیت سے نکلا اس وقت روما اور یونان جو کبھی مسیحیت کے دشمن تھے دشمنی ترک کر چکے تھے لیکن ۱۴۰۰ء تک اسلام اس کا دشمن ہو چکا تھا۔ احیائے علوم و فنون کے بعد یورپ اسی میں زیادہ لطف محسوس کرتا تھا کہ یونان اور روما کے قدیم فلسفے پر غور و فکر کرے بہ نسبت اس کے کہ اعتراف کرے اور بیشتر سائنسی ترقی کا خراج اپنے دشمن یعنی اسلام کو پیش کرے۔

ڈریپر DEVELOPMENT OF EUROPE میں مسٹر کیمبل کے بیان کی تائید ان الفاظ میں کرتا ہے۔ "عرب فاتحین ایک بار پھر مصر

---

یونانی تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھا۔ یہیں ناٹک کی روایت پروان چڑھی اور نقطۂ عروج پر پہنچی۔ اگراھی کے نیچے دایونائی سس دیوتا کا وہ تاریخی منڈوا تھا جسے یونانی معبد کا درجہ دیتے اور جس کے آرکیسٹر (دائرۂ رقص) پر بہترین کھیل کھیلے گئے۔ یوری پیڈیز، ایسکی لس، سوفوکلیز اور ایرسطوفینز نے یہیں لافانی نام پایا۔ اسی تہذیب و تمدن کی درخشاں بستی کے قرب میں حکیم افلاطون نے اپنی اکیڈمی (درسگاہ) قائم کی جس نے ارسطو جیسا نامور عالم پیدا کیا۔ ایتھنز کے فرمانروا، مورخ، عالم، فلسفی اور ڈرامانگار اپنے فکری و تہذیبی کاوشوں اور علوم و فنون سے عشق رکھنے کے باعث آج بھی عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ دراصل انہی لوگوں کی بدولت ایتھنز کو تاریخ میں قابلِ قدر مقام ملا۔ (مترجم)

Marfat.com

کو اقوامِ عالم میں ذی وقار بنانے کے قابل ہوئے ـــــ عیسائی حکومت نے اسے جس بھیانک مذہبی جنون، جہالت اور درندگی کے گڑھے میں دھکیلا تھا، اسلام نے اس میں سے نکالا۔ انہوں نے نہ صرف قدیم یونانی حکماء کی تالیفات جمع اور محفوظ کیں بلکہ ان پر بالوضاحت تبصرہ کیا اور ان کی اصلاح کی۔ جدید یورپ کے بانیوں کو افلاطون[1]، ارسطو[2]، اقلیدس[3]، اپولونیس[4]، بطلیموس[5]، بقراط[6] اور جالینوس[7] کے کلیات شروع میں

---

[1] یونان کے نامور فلسفی جس نے فلسفے میں مثالیت کو رواج دیا۔ ۴۲۷ ق م میں ایتھنز میں پیدا ہوا۔ اوائل شاعری کرتا رہا لیکن پھر سقراط کی توجہ سے حکمت و فلسفہ کی جانب مائل ہوا۔ بہترین نثر نگار ہے۔ مکالمات میں نثر کے روپ میں شاعری کی ہے۔ "ری پبلک" اس کی معروف ترین اور حسین ترین تالیف ہے۔ "اپالوجی" میں اس نے سقراط کی وہ تقریر پیش کی ہے جو اس نے اپنے دفاع میں عدالت کے روبرو کی تھی۔

[2] ارسطو (۳۸۴ تا ۳۲۲ ق م) شاہِ مقدونیہ کے درباری طبیب کا بیٹا تھا۔ نثر نگار بھی تھا اور شاعر بھی۔ اس نے یونانی ناٹک کے زوال کا زمانہ دیکھا اور یونانی ڈرامے پر لافانی کتاب بوطیقا لکھی۔

راقم الحروف نے "بوطیقا" کا پنجابی میں ترجمہ کیا ہے۔ بکثرت حواشی دیے ہیں۔ ایک طویل دیباچہ بھی لکھا ہے تاکہ قارئین کو ڈرامے اور رزمیے کے بارے میں ارسطو کا نظریہ جاننے اور کتاب کے مفاہیم سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہو۔ اپنے استاد کی وفات کے بعد اکیڈمی کی طرز پر درسگاہ کھولی۔ اسے چلتے پھرتے کی درسگاہ کہتے۔ اس میں جمنیزیم بھی تھا کیونکہ یونانیوں کے یہاں جسمانی ریاضت کو عبادت کا درجہ حاصل تھا۔ اس نے کتب خانہ اور عجائب خانہ قائم کیا۔ افلاطون کے مقابل زیادہ حقیقت پسند اور عملی آدمی تھا۔ سکندر اعظم نے اس کے علمی کاموں میں جی کھول کر مدد دی۔ سیاسیات پر اس کی کتاب بڑی وقیع ہے۔

Marfat.com

مع فاضلانہ حواشی کے عربی زبان ہی میں ملے۔ جدید یورپ نے عربوں سے نہ صرف

---

۵۷ اقلیدس کی تاریخ پیدائش اور جائے پیدائش معلوم نہیں۔ ۳۰۰ ق۔م کے لگ بھگ اسکندریہ میں اس نے نام پیدا کیا۔ ریاضی دان اور علم الاشکال کا عالم تھا۔ اس کی کتاب "ستوئیکیا" (مبادیات) علم الهندسہ اور علم الاشکال سے متعلق ہے۔ اس نے فیثاغورث اور تھیلیز (تھے لیز) کی معلومات بھی اسی تالیف میں سمیٹی ہیں۔ انیسویں صدی تک مقبول رہا۔ موسیقی پر بھی رسالہ لکھا۔

۵۸ اپولونیس دوسری صدی عیسوی کا عزیب عالم تھا۔ اس نے گرامر پر کتابیں لکھیں۔ بیشتر کتابیں اب ناپید ہیں۔ اسکندریہ میں مقیم رہا۔

۵۹ اسکندر کے بعد مصر پر بطلیموسوں کا خاندان مسلط رہا جس میں بڑے بڑے علم دوست اور عالم فرماں روا پیدا ہوئے۔ ان کے علاوہ دوسری صدی عیسوی میں بطلیموس نامی اسکندریہ کا ہیئت دان بھی ہو گزرا ہے اور یہاں اسی کا ذکر ہے۔ اس نے "نظام ریاضی" پر جو کتاب لکھی اس کا عربی ترجمہ "المجسطی" کے نام سے معروف ہے۔ اس میں نجوم سے متعلق اپنے عہد کی تمام معلومات موجود ہیں اس میں زمین کو ساکن قرار دیا ہے اور اس کے گرد سورج، چاند اور دوسرے سیاروں کی گردش کا ذکر کیا ہے۔ اگرچہ یہ نظریہ بعد ازاں برونو نے غلط قرار دیا لیکن کلیسا مذہبی طور پر بطلیموس کے نظریے کو مانتا اور اس نظریے کی تردید کرنے والا ہلاک کیا جاتا۔ کوپرنیکس اور گلیلیو کو اس سلسلے میں کلیسا کے ہاتھوں سخت عذاب جھیلنا پڑا۔ بطلیموس نے جغرافیائی حدود پر بھی کتاب لکھی۔ موسیقی اور بصریات پر بھی رسائل لکھے۔

۶۰ بقراط یونان کا نامور طبیب اور معلم۔ ۴۶۰ ق۔م میں پیدا ہوا۔ افلاطون نے اس کی شہرت کا اعتراف کیا ہے۔ بقراط کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے طب کو سائنسی خطوط پر ترقی دی اور جہاں تک بن پڑا اسے توہمات، ساحری اور ٹونے ٹوٹکوں سے الگ کیا۔ اس کے نام سے بہتر کتابیں منسوب کی گئیں لیکن ان میں بعض اس کے شاگردوں نے لکھیں اور بعض اس کی

(بقیہ اگلے ص پر)

Marfat.com

علم الادویہ اور علم ریاضی سیکھا بلکہ علم النجوم بھی سیکھا جس سے انسان کی نظر میں وسعت آتی ہے اور اس پر قدرت کے میکانکی قوانین کا انکشاف ہوتا ہے ـــــ عربوں نے

---

پیدائش سے قبل لکھی گئیں۔ غالباً ڈیڑھ درجن کتابیں اس کی تصنیف ہیں۔ اس کے ہمعصر اس کی عظمت کے قائل تھے۔ یہ فاضل طبیب اور دیانتدار انسان تھا۔ علم وفضل میں یکتا تھا۔ اس کا یہ مقولہ بہت مشہور ہے ـــــ زندگی مختصر ہے لیکن فن کا سفر لمبا ہے۔ موقع ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔ تجربہ خطرناک ہوتا ہے اور فیصلہ کرنا بہت دشوار ہے۔"

بقراط کا حلف نامہ بے نظیر ہے۔ اس میں تمام دیوتاؤں کو گواہ بنا کر حلف گو اقرار اور عہد و پیماں کرتا کہ استاد کو ماں باپ کا درجہ دے گا اور اسے اپنی کمائی میں شریک کرے گا۔ استاد کے اہلِ خانہ کو اپنا بھائی سمجھے گا اور انہیں فنِ طبابت سکھائے گا۔ بیمار کا بہ خلوصِ نیت علاج کرے گا۔ کسی کو زہر کھلائے گا نہ زہر کھلانے کا مشورہ دے گا۔ اسقاطِ حمل نہیں کرے گا۔ کسی بیمار مرد یا عورت کے جسم کی بے حرمتی نہیں کرے گا۔ کسی کا راز فاش نہیں کرے گا۔

ٓ بقراط کے بعد جالینوس کا نام لیا جاتا ہے جو ۱۲۹ ق م میں پیدا ہوا اور ۱۹۹ ق م میں مرا۔ اس نے اپنے پیشروؤں کے علم و تجربہ سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور علم وفضل میں بڑا کمال حاصل کیا۔ یہ بے مثال طبیب کئی سال تک روما میں رہا۔ اس نے طب کے ہر شعبے پر کتابیں لکھیں اگرچہ ادبی لحاظ سے یہ کوئی اہمیت نہیں رکھتیں لیکن طبی زاویے سے بڑی وقیع ہیں۔ طبی لٹریچر کے علاوہ اس نے فلسفہ، گرامر، ادب اور قدیم مزاحیہ ناٹکوں پر بھی کتابیں لکھیں اس کی ایک سو کے قریب کتابیں دنیا کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ اس نے افلاطون اور ارسطو پر بھی تنقیدیں لکھیں لیکن ان کے صرف اجزا ہی ملتے ہیں۔ انگلستان کے شاہ ہنری ہشتم کے طبیب نے اس کی چھ کتابوں کا ترجمہ کیا۔ جوارشِ جالینوس اسی کے نام سے داخلِ معمولاتِ مطب ہے۔

(حواشی از مترجم)

Marfat.com

بڑی لگن سے ان علوم کو پروان چڑھایا۔ عرب حکماء نے نئے مشاہداتی آلات کی مدد سے زمین کے محیط نیز سیاروں کی جگہوں اور تعداد کی نسبت صحیح معلومات حاصل کیں۔ علم الکیمیا کا آغاز اور مادی ترقی عربوں کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔

مسٹر رابرٹ بریفالٹ جس کا حوالہ پہلے دیا جا چکا ہے مسٹر کیمبل کی تائید کرتا ہے وہ بتاتا ہے کہ سائنس اپنے وجود کے لیے عربوں کی مرہونِ منت ہے۔

وہ کہتا ہے "سائنس صرف حیرت انگیز دریافتوں اور انقلاب آفریں نظریوں کی حد تک ہی نہیں بلکہ اس سے بہت زیادہ عربوں کی مرہونِ منت ہے۔ اس کا وجود ان کی بدولت تھا۔ ہم جسے سائنس کہتے ہیں وہ مغرب میں سائنسی تجسس کی نئی اسپرٹ، تحقیق و تجربہ کے نئے طریقوں اور مشاہدے کی ان نئی عادات کے نتیجے میں ابھری جن سے یونانی ناواقف تھے۔ عربوں نے اہلِ یورپ کی سرزمین کو یہ اسپرٹ عطا کی اور ان طریقوں کو متعارف کروایا۔ سائنس اگرچہ جدید دنیا میں عربی تہذیب کا سب سے اہم کارنامہ تھی تاہم اس کا پھل دھیرے دھیرے پکتا تھا۔ جب موروں کی ثقافت تاریکی میں چلی گئی تب مدت کے بعد وہ جن جسے انہوں نے جنم دیا تھا قوت کے ساتھ ابھرا۔"

ایک دوسرے عالم نے مسلمانوں کے سائنسی کارناموں کا مقابلہ ہندوستانیوں کی اس پسماندگی سے کیا ہے جو سائنس کے مقابلے میں ان کے یہاں پائی جاتی تھی۔

اس نے کہا ہے: "آج بھی صحیح علم کے حصول کا وہ اصول درست ہے جو مسلم سائنسدانوں (عالموں) نے ایک ہزار سال پہلے بیان کیا لیکن وہ سائنسی نقطۂ نظر جس کی بدولت ایسا علم ممکن ہوا ہنوز ہندوستان کے یہاں نایاب ہے۔ آج بیسویں صدی میں بھی یہ لوگ جادو کی شعبدہ بازیوں اور روحانی عطائیت کے بھوت کو اپنے اوپر سوار کیے ہوئے ہیں۔ پھر سائنسی علم کی صحت کے بارے میں انہیں سنجیدگی سے مقابلے کے لائق سمجھتے ہیں۔"

"ریڈرز ڈائجسٹ" کے ۱۹۵۵ء کے ایک شمارے میں ایک مضمون نگار نے ایسا

Marfat.com

واقعہ بیان کیا ہے جس سے عقلی حقیقت افروز اور (بدیں سبب) صحیح معنی میں اس سائنسی نظریے کی وضاحت ہوتی ہے جسے ہمیشہ اسلام نے ذہنوں پر منقش کرنے کی سعی کی ——

"ہر معاملے میں محمدؐ سراپا عمل کے پیکر تھے۔ جب ان کے پیارے بیٹے ابراہیم کا انتقال ہوا تو سورج گرہن ہوا۔ چپکے چپکے خدا کی ذاتی تعزیت کی افواہیں اڑیں جس پر محمدؐ نے ارشاد فرمایا —— سورج گرہن فطرت کا عمل ہے۔ کسی آدمی کی پیدائش یا موت کو اس سے منسوب کرنا حماقت ہے۔"

ایک اور یورپین اسلام کے ابتدائی ایام کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے: "یہ اسلام کی عظمت ہے کہ اس نے سائنسی علوم کو مسجد میں وہی جگہ دی جو قرآن، حدیث اور فقہ کے مطالعے کو دی۔ یاد رہے کہ اپنے عہدِ عروج میں مسجد اسلام کی یونیورسٹی تھی۔ مسجد میں کیمیا، طبیعات، نباتات، علم الادویہ، فلکیات اور فلسفے وغیرہ پر لیکچر دیے جاتے۔"

ان حالات میں یہ جاننا شاید ہی تعجب خیز ہو کہ —— "قرآن یا حدیث میں ایک فقرہ ایسا نہیں جو کسی مسلمان کو مظاہرِ فطرت کی آزادانہ تحقیق سے باز رکھے"۔ سائنس کے متعدد شعبوں میں مسلمانوں کے کارناموں کی طویل فہرست اس بیان کا بلیغ ثبوت ہے۔ "جنرل ہسٹری آف یورپ" میں اس کے مؤلفین —— تھیچر اور شول ان کارناموں کا ایک مؤثر خلاصہ یوں پیش کرتے ہیں ——

"ریاضیات میں مسلمانوں نے یونانیوں کی بنیادوں پر تعمیر کھڑی کی۔ عرب ریاضی دانوں نے صفر ایجاد کیا۔ سب سے پہلے محمد بن موسیٰ نے اعشاری علامات استعمال کیں اور ہندسوں کی قدری درجہ بندی کی۔ عربوں نے علم المثلثات کو ترقی دی نیز جیبِ زاویہ،

Marfat.com

خطِ مماس اور مماس التمام ایجاد کیے۔ طبیعات میں انہوں نے پنڈولم ایجاد کیا اور بصریات پر کتابیں لکھیں۔ انہوں نے علم النجوم میں ترقی کی، متعدد رصد گاہیں بنائیں اور ستارہ شناسی کے لیے ایسے آلات تیار کیے جو آج بھی مستعمل ہیں۔ وہ مدار پر سورج اور زمین کے زاویے کا حساب اور دن رات برابر ہونے کی تاریخوں کا تعین کر سکتے تھے۔ لاریب فلکیات کے بارے میں ان کا علم خاصا تھا۔ علم الادویہ میں وہ یونانیوں کی کتابوں سے بہت آگے بڑھ گئے۔ انہوں نے علم البدن اور حفظانِ صحت کا مطالعہ کیا۔ ان کی قرابادین عملاً ہماری آج کے زمانے کی میٹریہ میڈیکا سے ملتی جلتی ہے۔ ان کے علاج کے کتنے ہی طریقے آج بھی ہمارے یہاں رائج ہیں۔ ان کے سرجن بے ہوش کرنے والی ادویہ کے استعمال سے آگاہ تھے اور انہوں نے جراحی کے بڑے مشکل کارنامے سرانجام دیے۔ اس زمانے میں جبکہ مذہب کی رُو سے یورپ میں دوا کا استعمال ممنوع تھا اور علاج کی توقع ان مذہبی ریتوں، رسموں سے کی جاتی جنہیں پادری ادا کرتا عرب حقیقی طور پر علم الادویہ رکھتے تھے۔"

اگرچہ سائنسی دریافتوں کے ابتدائی ایام میں علم کو فوری طور پر علیحدہ علیحدہ مستقل شعبوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا تاہم میں سمجھتا ہوں کہ اگر چند کارناموں کو الگ الگ عنوان کے تحت درج کیا جائے تو قارئین کو مسلمانوں کی ریسرچ کی قدر و منزلت اور اس کے تنوّع کا اندازہ لگانے میں سہولت رہے گی۔ عنوان یہ ہوں ——

"ریاضی (نظریاتی اور اطلاقی)، میکانیات، طبیعات اور بصریات فلکیات، کیمیا، جغرافیہ (نقشہ کشی اور علمِ جہاز رانی اس میں شامل ہیں)، نباتات، آخر میں وہ علم جس میں مسلمانوں کے کارناموں نے دُور رس اثرات پیدا کیے —— یعنی علم الادویہ۔"

Marfat.com

## ریاضی

ریاضی کی ابتدائی تاریخ میں غالباً الخوارزمی محمد ابن موسیٰ (۸۵۰ - ۷۸۰ شمسی) سب سے بڑی نامور ہستی ہے۔ الجبرا پر سب سے پہلے اسی نے کام کیا۔ اس کی تالیف "حساب الجبر والمقابلہ" میں تکمیل اور مساوات کی آٹھ سو مثالیں پیش کی گئی ہیں۔ بارہویں صدی میں اسے عربی سے لاطینی میں منتقل کیا گیا اور پھر اس کے بعد سولہویں صدی تک یہی کتاب اس موضوع پر اہم نصاب کے طور پر رائج رہی۔ اس کی تالیف کی بدولت یورپ میں عربی ہندسے رواج پذیر ہوئے۔[1]

دوسرا اعظم ریاضی دان عمر خیام تھا جس کی تالیف ہیں اقلیدس اور الجبرا کی دوسرے درجے کی مقادیر کے حل پیش کئے گئے ہیں۔ وہ اپنے کام کو نیا بتاتا اور اپنا دعویٰ ان الفاظ میں سپرد قلم کرتا ہے —— "ان مسائل کے بارے میں قدماء کی کوئی تحریر مجھ تک نہیں پہنچی"۔

نصیر الدین نے چہار "ضلعی اشکال" پر رسالہ تالیف کیا۔ علم المثلثات اور سادہ و کرہ نما اشکال پر بھی کتابیں لکھیں۔

کمال الدین نے بارش کے قطروں میں آفتابی شعاعوں کی خمیدگی کا معائنہ کیا اور ابتدائی اور ثانوی قوس قزح کے معرض وجود میں آنے کی وضاحت کی۔

---

[1] اگرچہ انگریزی رسم الخط بائیں سے دائیں طرف چلتا ہے لیکن ہندسوں کے معاملے میں اسے اپنی روش بدلنی پڑی۔ عربی ہندسے اس ترتیب سے لکھے جاتے ہیں کہ نقطہ آغاز دائیں طرف رہتا ہے۔ پہلے صفر یا اکائی لکھتے ہیں۔ پھر دہائی، سینکڑہ، ہزار، دس ہزار، لاکھ وغیرہ لکھتے ہیں۔

ریاضی میں مسلمان کی کتاب عالموں اور سائنسدانوں نے جو شاندار کام کیا اس کیلئے قابل مطالعہ ہے۔ مترجم۔

Marfat.com

# میکانیات

حساب (نظریاتی اور اطلاقی) میں مسلمان سب پر سبقت لے گئے اور انہوں نے میکانیات میں غیر معمولی کام کیے۔ ڈاکٹر ایچ۔ جے۔ ونٹر جو ڈاکٹر آف سائنس اور انگلستان کے ایک یونیورسٹی کالج میں تعلیمات کے لیکچرار ہیں۔ "مسلمان میکانیات دان اور میکانکی آلات" کے عنوان سے ایک مضمون میں یوں رقمطراز ہیں ــــ

"خلیفہ ہارون الرشید نے شاہنشاہ شارلیمان کو جو ساعت آبی پیش کی تھی اس کی کہانی عام معروف ہے۔ عرب اور ایرانی ایسے آلات بنانے میں جواب نہ رکھتے تھے۔ اسلام میں میکانیک کا علم یونانی فکر اور تجربے کی میراث ہی نہیں تھا بلکہ اس میں چند قابلِ توجہ اضافے بھی کیے گئے جو مسلمان دانشوروں کا کرشمہ تھے۔"

ہوم بولٹ وقت کی پیمائش کے لیے پنڈولم کے استعمال کو مسلمانوں سے منسوب کرتا ہے۔ خلیفہ مامون کے دوست موسیٰ ابن شاکر کے تین لڑکے "گورکھ دھندوں کی کتاب" کے مشترکہ مصنف تھے۔ اس میں ایک سو میکانکی چیزوں کا بیان تھا۔ بیشتر ان کھلونوں کا ذکر تھا جو بڑی ہنرمندی سے بنائے گئے تھے۔

۹۰۰ شمسی کے بعد نظریاتی اور اطلاقی میکانیات میں خاصی ترقی کی گئی تھی۔ اس کے نتیجے میں پہیے، دھرے، پھرکی، بیرم، دندانہ دار پہیے اور پن چکی پر بہت زیادہ اور مفید کام ہوا۔

میکانیات پر غیر معمولی اہمیت کی دو کتابیں ہیں ــــ "الکتاب فی معرفت الحیاء الھندسیہ" (اقلیدسی یا میکانکی طریقوں اور ہنر کی کتاب) جسے ابوالفیض اسماعیل ابن الرزاق الرزری بدیع الزمان نے لکھا اور "الکتاب میزان الحکمت" جسے

Marfat.com

مرو کے الخزینی نے لکھا۔ پہلی کتاب ۱۲۰۶ شمسی میں لکھی گئی۔ فارسی اور ترکی میں اس کا ترجمہ ہوا۔ اس کی دلچسپی کا بڑا سبب یہ ہے کہ اس میں پن گھڑیوں نیز آلاتِ آب رواں ـــــ چپو، دندانہ دار پہیہ اور گھماؤ لٹھ یا لٹو وغیرہ ایسے آلات کا ذکر تھا جن سے پانی اٹھاتے تھے۔ میکانیات کے موضوع پر جو بڑی کتابیں لکھی گئی ہیں "میزان الحکمت" ان میں سے ایک ہے۔ نہایت مکمل تالیف ہے۔ اس میں صحیح وزن معلوم کرنے، کثافات نوعی کے تعین، زمین پیمائی اور تیرنے کے اصول کا بیان تھا اسی کے ساتھ کشش ثقل کے بارے میں بھی کچھ بحث تھی۔

"میزان" پر ایک دوسری کتاب میں الخزینی۔ وزن کرتے وقت درجہ حرارت کی کمی بیشی کے اثرات رفع کرنے کی ضرورت پر زور دیتا ہے۔ دیگر امور کے مطالعے میں وہ خود کو گلیلیو کا پیش رو ثابت کرتا ہے۔

خزینی سے بھی قبل میزان پر عظیم ترین کام لاریب عمر خیام نے کیا تھا۔ نظریاتی شعبے میں بو علی سینا اور رَے کے محمد ابن زکریا نے بہتیرا کام کیا تھا۔ عمر خیام کے بعد المظفر ابن اسماعیل الاسفرین نے کام کیا۔ حال ہی میں فلسفی ابو نصر الفارابی کا ایک مخطوطہ ملا ہے جس سے طبیعات میں دلچسپی لینے کا سراغ ملتا ہے۔ اپنی اس تالیف میں فارابی خلاء سے انکار کرتا ہے۔ ہوا کی لچک کے موضوع پر اس کا مضمون نہایت دلفریب ہے اور طرز استدلال کا ایسا نیا نشہ پارہ ہے جس پر یونانی اور لاطینی کا شمہ بھر اثر نہیں۔

## بصریات

میکس میئرہاف نے کہا ہے "مسلمانوں کی علمی شان بصریات کے شعبے میں نمایاں ہوئی ہے۔ ریاضی میں ابن الہیثم ( ALHAZEN ۹۶۵ - ۱۰۳۹ء) اور کمال الدین

Marfat.com

کی ذہنی صلاحیت اقلیدس اور بطلیموس کی صلاحیت کو ماند کر گئی۔ اس شعبے میں تحقیقی اور مستقل علمی فتوحات انہی کا حصہ ہیں۔"

ایک اور المانوی مصنف ہیلمٹ جرنشیم نے اطلاقی ریاضی میں مسلمانوں کے کارناموں کی ایک دلچسپ مثال دی ہے اپنی تالیف "ہسٹری آف فوٹوگرافی" میں وہ لکھتا ہے۔ عرب عالم ابنُ الہیثم ۱۰۳۸ء سے قبل تصویر کشی کے کیمرے CAMERA OBSCURA سے واقف تھا۔"

درحقیقت قرونِ ادلی کے مفکرین اسلام نے ریاضی کی ہر شاخ پر کام کیا۔ اگلے پیرے میں فلپ حتّی اجمالاً بتاتا ہے کہ عربوں کی تحقیقات سے یورپ میں ریاضی کی لغت کس قدر متاثر ہوئی ــــ

"یورپ میں ریاضی کی لغت پر ہمیں عربوں کے علمی اثرات کی ایک اور بلیغ شہادت ملتی ہے۔ الجبرا اور الگورزم[1] ایسے الفاظ لاطینی میں اپنا لیے گئے۔ یہی نہیں بلکہ بعض عربی اصطلاحات کا لاطینی میں ترجمہ کیا گیا۔ الجبرا کی اصطلاح SURD (مقادیرِ اصم)، جس کے معنی بہرے کے ہیں عربی ترکیب "جذر اصمّہ" (بہری جڑ) کا ترجمہ ہے۔ اسی طرح ٹریگنومیٹری میں CINE (جَیب زاویہ) عربی لفظ جَیب کا ترجمہ ہے حساب کی کتاب کی سب سے دلچسپ اصطلاح جو اپنائی گئی ہے۔ سائفر CIPHER یا زیرو[2] ہے۔ آج ہم جانتے ہیں کہ گنتی کے علم کی پُشت پر صفر اور عربی اعداد ہیں۔ ان کارناموں کی روشنی میں لاریب کوئی بھی اس بات پر اصرار نہیں کر سکتا کہ

---

[1] نویں صدی کے ریاضی دان الخوارزمی کا طریقہ جس کی رُو سے نو عددوں اور صفر کی مدد سے ہندسے اور بعض دوسری قدریں شمار کی جاتی ہیں۔

[2] عربی میں یہی صفر ہے۔

Marfat.com

اسلام سائنسی تحقیق و تفتیش کے خلاف ہے جبکہ خاص طور پر سائنس کے بیشتر معلّم یک وقت علمائے دیں بھی تھے۔ اس کی ایک مثال آٹھویں صدی کے حضرت قاضی ابوبکر ہیں جو مسجد میں دینیات پڑھاتے تھے اور مسجد اس وقت کی یونیورسٹی ہوتی تھی ــــ زمان ومکان کے بارے میں نظریۂ اضافیت مرتّب کرنے کے لیے علمِ ریاضی کام میں لایا کرتے تھے۔ بعد ازاں پٹنہ کے ایک عظیم المرتبت مسلمان حضرت مُحبّ اللہ صاحب بہاری نے "جوہر الفرد"[1] کی چار جلدوں میں ان کے نتائج کی توثیق کی ہے۔

## عِلم النُّجوم

مطالعۂ ریاضی کے بالکل ساتھ ساتھ ابتدائی دَور کے عرب مُنَجّمین کا کام ہے۔ جب نویں صدی کے شروع میں جنوب مغربی ایران میں پہلی رصدگاہ قائم کی گئی تو اسلام میں سائنسی خطوط پر علم النجوم کے مطالعے کا آغاز ہوا۔ ۸۲۹ء تک خلیفہ المامون نے اپنے بیت الحکمت (بغداد) سے ملحق ایک رصدگاہ بنالی تھی جو خوب سازوسامان سے آراستہ تھی۔ یہاں اجرامِ فلکی کی حرکات کے مطالعے کے لیے جو آلات کام میں لائے جاتے تھے وہ کافی حد تک صحیح تھے۔ مامون کی پُرشکوہ خلافت سے قبل ابراہیم الفزری (۷۷۲ء) وہ پہلا شخص تھا جس نے اُصطرلاب بنایا۔ خلیفہ المتوکّل نے الفسطاط میں نائیلومیٹر[2] (نیل پیما) نصب کیا جس کی نگرانی پر معروف ترین ماہر نجوم ابوالعباس احمد الفرغانی مامور ہوا۔ اسی کی سب سے بڑی تالیف "المدخل الیٰ علم الحیات الافلاک" ۱۱۳۵ میں لاطینی زبان میں منتقل ہوئی۔

---

[1] ریاضی کی مساوات اور نجوم وطبیعات کے نظام کا جوہر۔ مترجم

Marfat.com

دسویں صدی کے آخر تک بغداد میں ماہرینِ نجوم کا ہجوم تھا جن میں علی ابن اماجر اور ابو الحسن علی بھی شامل تھے جو قمری حرکات کے بارے میں صحیح ترجمانی کے باعث آج بھی معروف ہیں۔ سلطان شرف الدولہ نے بغداد میں دوسری رصدگاہ قائم کی جسے عبدالرحمٰن الصوفی کام میں لاتے۔ ان کی تالیف "الکواکب والثوابتہ[1]" شاہدانی فلکیات کا شاہکار ہے۔ علمِ طبیعی کے میدان میں اسلام نے ابوالریحان محمد ابن احمد البیرونی ایسا جید ترین اور متبحر عالم پیدا کیا۔ اس نے فلکیات پر متعدد کتابیں لکھیں جو بہت معروف ہیں۔ سلجوقی سلاطین میں سے جلال الدین ملک شاہ فلکیات کے مطالعے کی سرپرستی کرتا اس نے رُے اور نیشاپور میں رصدگاہیں قائم کیں۔ یہیں تقویم (کیلنڈر) میں ایک اہم ترمیم کی گئی۔ یہ ترمیم اعتدالِ سال کی صحیح مدت کے تعین کی بنیاد پر کی گئی۔ یوں قدیم ایرانی تقویم کی تجدید ہوتی۔ یہیں عظیم ہیئت دان عمر خیام نے تحقیق کا کام کیا اور اپنے ہمکاروں کے ساتھ مل کر وہ تقویم ایجاد کی جس کا نام التقویم جلالی تھا۔

جان ولیم ڈریپر لکھتا ہے، مغربی یورپ میں فلکیات کا آغاز محمد فرغانی کی عربی تالیف کے لاطینی ترجمے سے ہوا۔ یورپ میں بھی سب سے پہلے عربوں ہی نے رصدگاہیں بنائیں۔ اِشبیلیہ[2] میں جیرالد امینار عرب ریاضی دانوں کی زیرِ ہدایت تعمیر کیا گیا۔

---

[1] سیارے اور ستارے۔

[2] اِشبیلیہ۔ موجودہ اندلس کا جنوب مغربی صوبہ جو قرطبہ کے مغرب میں واقع ہے۔ شاداب علاقہ ہے۔ دریائے وادی الکبیر شہر کے وسط میں سے گزرتا ہے۔ اسلامی عہدِ حکومت میں یہ سیر و سیاحت کا مقام تھا۔ دریا میں جہاز چلتے پھرتے نظر آتے۔ اس پر کشتیوں کا پُل باندھا گیا تھا۔ ایک روایت کے مطابق روما کے فرمانروا جولیس سیزر نے اِشبیلیہ کا شہر آباد کیا۔ یہاں دیوی افرودائتی (حسن و محبت کی دیوی وینس) کا بُت تھا۔ (افرودائتی یونانی نام ہے، وینس روما کا عطا کردہ نام ہے)

Marfat.com

۱۹۳۵ء میں انٹرنیشنل ایسٹرونومیکل یونین کا اجلاس ہوا تو فلکیات کے علم میں اسلام کے کام کا اعتراف کیا گیا۔ چاند کی تیرہ اشکال تیرہ مسلمان سائنسدانوں سے نامزد کی گئیں۔ ان علماء کے نام یہ ہیں ــــــ

---

یہ بت اس قدر خوبصورت تھا کہ لوگ اس پر فریفتہ ہو جاتے۔ اپریل ۷۱۱ء میں جب طارق بن زیاد اندلس میں داخل ہوا تو اسی مہینے اگلے سال موسیٰ بن نصیر والیٔ افریقہ نے اشبیلیہ فتح کرنے آیا۔ محاصرے کے بعد شہر فتح کر لیا گیا۔ ۷۴۲ء میں خلافتِ دمشق کی جانب سے لشکرِ حمص یہاں آیا اور آباد ہوا۔ اس رعایت سے اشبیلیہ کو حمص بھی کہتے ہیں۔ اُموی سلطان قرطبہ (۸۲۲ تا ۸۵۲ء) کے عہد میں اشبیلیہ میں عیسائیوں نے بہ تعداد کثیر اسلام قبول کیا۔ افریقہ کے مرابطین نے بھی یہاں حکومت کی۔ ان کے بعد موحدین حکمران ہوئے۔ پانسو سال تک مسلمان متسلط رہے۔ ابتداء میں مسلمانوں نے اسی کو دارالحکومت بنایا۔ عیسائی آئے تو انہوں نے یہاں کی شاندار مسجد شہید کی البتہ قصرِ اشبیلیہ ALCAZAR کو اپنی شان و شوکت دوبالا کرنے کی غرض سے گزند نہ پہنچایا۔ اسلامی عہد میں یہ علوم و فنون کا گڑھ تھا۔ عبداللہ بن عمر بن خطاب اشبیلی یہاں کے نامور قاضی ہو گزرے ہیں۔ یہاں جہاز سازی کے فن کو بڑا فروغ ملا۔ یہاں کے صناع موسیقی کے نہایت نفیس آلات خیال، عدد، زامی، اوطلہ بناتے۔ یہاں کے معماروں نے مراکش کے محلات تعمیر کیے۔ پارچہ بافی پچی کاری اور مینا کاری کے ماہروں کی کمی نہ تھی۔ آج کل کے عیسائی کاریگر اشبیلیہ کے مسلمان کاریگروں کے نمونے سامنے رکھ کر کام کرتے ہیں۔ یہاں تیر کمان بنانے کے لیے بہترین لکڑی پیدا کی جاتی۔ ظروف سازی کے کام کو ترقی ملی۔ یہاں کے خشک میوے اور کھانے بڑی شہرت رکھتے۔

(مترجم)

(ماخوذ از "اندلس کا تاریخی جغرافیہ"۔ مؤلفہ محمد عنایت اللہ)

Marfat.com

(۱) ماشاء اللہ ____ مامون کے زمانے میں ہوگزرا ہے۔ ازمنۂ وسطیٰ میں اس کی کتابیں لاطینی میں منتقل کی گئیں اور نصاب کے طور پر مستعمل رہیں۔

(۲) المامون [ALMANAN] عبداللہ المامون خلیفہ ہارون الرشید کا بیٹا تھا اس نے ۸۲۹ء میں بغداد میں رصدگاہ قائم کی۔

(۳) الفرغانی ALFRAGANUS اس کا پورا نام ابوالعباس احمد ابن محمد ابن کاثر ہے۔ یہ فلکیات کا ریسرچ اسکالر تھا۔ اس کی کتابیں بڑی مقبول تھیں اور بارہویں صدی میں لاطینی میں منتقل کی گئیں۔ کتاب فیہ حرکت السماویہ وجوانیہ اور المدخل الیٰ علم حیات الافلاک خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

(۴) البطانی ALBATIGMUS اس کا پورا نام ابوعبداللہ محمد ابن جابر ابن سنن البطانی الہرانی الصابی ہے ۸۵۸ء میں پیدا اور ۹۲۹ء میں فوت ہوا۔ اس نے سورج پر چاند گرہن کا امکان ثابت کیا۔ فلکیات پر اس کا ایک رسالہ ہے جس میں گوشوارے ہیں۔ لاطینی میں اس کا نام یہ ہے ____

DE SCIENTIA STALLARUM DE NUMBERS STILLRRUNET MITTILLUS

کتاب کا تیسرا باب مثلثیات سے تعلق رکھتا ہے۔

(۵) ثابت۔ اس کا پورا نام ثابت ابن قرا۔ ابن مروان الہرانی ہے۔ اس نے اور اس کے بیٹوں اور پوتوں نواسوں نے فلکیات اور اقلیدس میں بڑا کام کیا۔

(۶) الصوفی ALZOPHI سلطان شرف الدولہ کے زمانے میں ہوگزرا ہے اس کی شاہکار تصنیف "الصّور الکواکب الثابت" کوکبی فلکیات کے موضوع پر ہے۔

(۷) الحسن الہثیم ALHAZEN اس کا پورا نام ابوعلی ابن الحسن الہثیم ہے ۹۸۷ء میں بمقام بصرہ پیدا ہوا۔ ۱۰۲۹ء میں وفات پائی۔ یہ دنیا بھر میں صفِ اوّل

Marfat.com

کے محققین بصریات میں سے تھا۔ اس کی شاہکار تصنیف علم مناظر المریۃ ہے۔ یہ کتاب روجر بیکن گیا گیٹر اور دوسرے انگریز سائنسدانوں کے لیے محرکِ خیال ثابت ہوئی۔

(۸) الزرقلی ALZACHEL اس کا پورا نام ابو اسحاق ابراہیم ابو یحیی علی زرقلی ہے۔ اس نے فلکیات کے ضمن میں لگاتار مشاہدے کیے۔ وہ پہلا سائنسدان ہے جس نے ستاروں کے مقابل اوج الشمس کی حرکت کو حتمی طور پر ثابت کیا۔ کوپرنیکس نے اپنی مشہور کتاب DE REVOLUTIONIBUS میں اس کا حوالہ دیا ہے۔

(۹) جابر ابن الافلح GEBER ۱۱۴۵ء میں اس کا انتقال ہوا۔ اس کی مشہور کتاب "اصلاح المجسطی" کا لاطینی میں ترجمہ کیا گیا۔ سولھویں صدی میں یورپ کے ہئیت دان اس کی طلب رکھتے تھے۔ یہ پہلا سائنسدان ہے جس نے اجرام فلکی کی حرکات کا اندازہ لگانے اور ان کی تشریح کے لیے چھوٹا سا آسمانی کرہ بنایا۔ اس نے آسمانی مثلثیات کے چند اہم مسائل بھی حل کیے۔

(۱۰) ناصر الدین۔ فارس کے ایلخان اور ہلاکو خان کا وزیر تھا۔ ۱۲۰۱ء میں پیدا ہوا۔ ۱۰۷۳ء میں اس نے وفات پائی۔ مرغاہ میں جو رصدگاہ قائم ہوئی تھی اس میں بھی مشاہدہ کرتا۔ بہت بڑا اقلیدس دان تھا۔ مشہور و معروف ایلخانی گوشوارے اسی نے تیار کیے تھے۔ ثوابت کی فہرست بھی مرتب کی جو مدتوں یورپ اور چین میں مستعمل رہی۔

(۱۱) علی بطروجی۔ اس کی تالیف "کتاب الحیاۃ" یورپ میں بڑی مقبول ہوئی۔

(۱۲) ابوالفدا (۱۳۳۱ - ۱۲۷۳ء) اس کا پورا نام اسماعیل ابن الفدا ہے۔ یہ براہِ راست سلطان صلاح الدین کے بھائی کی اولاد میں سے تھا اور سلطان الناصر کے تحت حماح کا عامل تھا۔ اس نے بھی جغرافیے پر انسائیکلوپیڈیا قلمبند کی۔ اس کی معروف ترین کتاب "مختصر تاریخ البشر" ہے۔

Marfat.com

(۱۳) الوغ بیگ (۱۴۴۹ء ۱۳۹۲ء) یہ تیمور لنگ کا پوتا (یا نواسا) تھا۔ اس نے سمرقند میں ایک شاندار رصدگاہ قائم کی جسے بہترین ساخت کے صحیح ترین فلکیاتی آلات سے لیس کیا۔ اس نے سیاروں کی حرکات کے گوشوارے تیار کیے جو مقبول ہوئے اور ان کی خوب طلب رہی۔

حتّی[1] اپنی تالیف "عربوں کی تاریخ" میں لکھتا ہے ــــــ

"عرب ہیئت دانوں نے آسمان پر اپنے ہنر کے لازوال نقوش چھوڑے ہیں، کوئی شخص بھی کرۂ فلک کے ستاروں کا نام پڑھے گا تو جھٹ حقیقت جان لے گا۔ یورپ کی زبانوں میں ستاروں کے اکثر نام عربی سے لیے گئے ہیں۔ مثلاً عقرب (بچھو) الجیدی (الجدی۔ (لڑکا) الطائر (اڑنے والا)، ڈینیب (ذنب دم) فیرکیڈ (فرقد۔ بچھڑا) پھر متعدد اصطلاحات بھی عربی الاصل ہیں۔ ان میں" ازیمتھ" (السمت) نادر (نذیر)، زینتھ (السمت) عربی سے ماخوذ ہیں۔ یہ اسلام کے اس ورثے کی شہادت دیتے ہیں جو مسیحی یورپ کو ملا۔"

جان ولیم ڈریپر ایک فقرے میں فلکیات کے شعبے میں عربوں کے کام کا یوں ذکر کرتا ہے، "عربوں نے آسمان پر اپنی انگلیوں کا ایسا نشان چھوڑا ہے جسے ہر وہ شخص دیکھ سکتا ہے جو عام فلکی کرّے پر ستاروں کے نام پڑھے گا۔"

فرانسیسی سائنسدان سید یلوت نے بتایا ہے کہ ابتدائی دور کے عرب فلکیات دان کس قدر سچا سائنسی رجحان رکھتے تھے۔ وہ کہتا ہے: "عرب معلوم سے نامعلوم سے

---

[1] فلپ حتّی، عہدِ حاضرہ کا مستشرق جس کی دو کتابیں HISTORY OF THE ARABS اور HISTORY OF SYRIA نہایت وقیع ہیں۔

Marfat.com

رجوع کرتے ہوئے فلکی نظامِ عمل کا صحیح حال پیشِ نظر رکھتے۔ کسی ایسی بات کو سچ نہ مانتے جس کی توثیق ذاتی تجربے یا تجربہ گاہ سے نہ ہوتی ــــ سائنس کے مسلمان استادوں نے انہی اصولوں کی تعلیم دی اور انہی کا دعویٰ کیا۔"

مشاہدے کی یہ بات ہِن وعَن وہی اسپرٹ رکھتی ہے جو قرآنِ کریم کی اس آیتہ کریمہ میں ہے۔

"بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق، رات اور دن کے فرق میں سمجھ واروں کے لیے نشانیاں ہیں۔"

## کیمیا

عظیم ترین مسلمان علمائے کیمیا میں سے ایک جابر بن حیان تھا جسے لاطینی میں GEBER کہتے۔ مغربی روایات کی رُو سے اس نے کئی کیمیائی مرکبات دریافت کیے۔ اس کے پانچ رسالے لاطینی میں منتقل کیے گئے۔ یہ رسالے چودھویں سے اٹھارہویں صدی تک مغرب کی یونیورسٹیوں میں مستعمل رہے۔ اس کی تالیفات میں تکلیس[۱]، التحالہ[۲] ایسے کیمیائی طریقوں کا ذکر ہے۔ علاوہ ازیں اصلاح شدہ عملِ تبخیر، قلم بنانے اور عملِ تصعید[۳] کا بھی ذکر ہے۔ دھات کے اجزاء کے بارے میں اس نے ارسطو کے نظریے میں جو اصلاح کی اس کا اٹھارہویں صدی تک دَور دَورہ رہا۔ اس کے علاوہ خالد ابنِ یزید اور امام جعفر الصادق

---

[۱] ایسا عمل جس میں حرارت پہنچنے پر کوئی شے سفوف بن جائے۔ آکسیجن کے ملنے کا عمل۔

[۲] گیس کی شکل میں تبدیل ہونے کا عمل۔

Marfat.com

ایسے مسلمان کیمیا دان ہو گزرے ہیں جنہوں نے الکحل، پوٹاشیم نائٹریٹ (قلمی شورہ) نیز شورے اور گندھک کا تیزاب بنایا۔

"علم الکیمیا کی ابتداء اور اصلاح کا سہرا عرب مسلمانوں کے سر ہے" یہ عظیم مورخ گبن کی رائے ہے جس کا اظہار اس نے اپنی تالیف "سلطنتِ روما کا زوال و انحطاط" کی پانچویں جلد میں کیا ہے۔" یہ عرب ہی تھے جنہوں نے سب سے پہلے عمل تقطیر کے لیے قرنبیق ایجاد کی۔ قدرت کی مملکت کی تین چیزوں کا تجزیہ کیا۔ الکلی اور تیزاب میں امتیاز کیا اور ان کا باہمی تعلق معلوم کیا۔ نیز سمیات (زہروں) کو ملائم اور صحت بخش ادویہ میں تبدیل کیا۔" [1]

## جغرافیہ [2]

جغرافیے کے علم میں مسلمان سائنسدانوں نے بڑا کام کیا ہے۔ جزوی طور پر اس علم میں اشتیاق کا سبب حج کا وہ دینی فرض تھا جس کی ادائی کے لیے اکثر مسلمان طویل، لازمی سفر اختیار کرتے جو ان کے گھر سے سینکڑوں میل دور کا ہوتا۔

فلپ حتّی اپنی تالیف "عربوں کی تاریخ" میں کہتا ہے: "اسلام کے آغاز کے بعد بیت اللہ کا دستور، مساجد کو مکتبوں کا رنگ دینے کی جدت اور بوقتِ نماز کعبے کی

---

[1] آج بھی طب مشرق میں بعض اہم مرکبات سم الفار (سنکھیا)، شنگرف، کچلہ، پارہ، نیلا تھوتھا وغیرہ ایسی زہریلی اور مہلک چیزوں سے تیار کیے جاتے ہیں۔ مترجم۔

[2] جیوگرافی۔ جی، یونان کی دھرتی دیوی کا نام ہے چنانچہ جس علم وفن کے ساتھ جی آ کا نام ہوگا وہ زمین سے تعلق رکھتا ہوگا جیسے جیالوجی (ارضیات)، جیوفزکس (ارضی طبعیات) اور جیومیٹری وغیرہ ــــ جغرافیے میں مسلمانوں نے جو قابلِ قدر کام کیا ہے اس میں مسلمان سیاحوں اور دوسرے علماء کا بڑا عمل دخل ہے اس سلسلے میں کی کتاب MUSLIM CONTRIBUTION TO GEOGRAPHY مطالعے کے لائق ہے۔ مترجم

Marfat.com

سمت کے تعین سے مسلمانوں کے جغرافیائی مطالعے کو مذہبًا تحریک ملی"۔

یوں گویا ایک اور شعبے کو وجود ملا جس میں چہ جائیکہ ذرا بھی قرآن روڑے اٹکاتا سائنس کی ترقی کے لیے یقینی طور پر اس کی حوصلہ افزائی کی گئی۔

مسلمانوں کے لیے جغرافیے میں خصوصی دلچسپی کا ایک اور سبب یہ تھا کہ اسلامی سلطنت کی بے پناہ توسیع سے تجارت کے لیے تحریک ہوئی۔ ساتویں صدی ہی میں مسلمان تاجر ہندوستان، چین اور مشرق میں پہنچ گئے۔ وہ سمندر اور خشکی دونوں پر سفر کرتے۔ جنوب میں وہ زنجبار اور برِّاعظم افریقہ کے انتہائی جنوب تک پہنچے۔ مغرب میں جزائر کینیری اور طنبرقت کی خبر رکھتے تھے۔ شمال میں روس، بحیرۂ بالٹک کے ممالک بلکہ بہت دور آئس لینڈ تک چلے گئے تھے۔ شمال مشرقی سوویت روس میں پیکورا اتک میں ساتویں سے گیارہویں صدی تک کے عربی سکے دریافت ہوئے ہیں۔ ستمبر ۱۹۵۰ء میں ناروے کے قدیم دارالحکومت میں خاص طور پر ان سکوں کا ایک انبار ملا۔ مسلمانوں کے تمدن کا اثر برطانوی جزیروں تک پہنچا۔ آٹھویں صدی میں مرسیا کے شاہ اوفا نے ایسا طلائی سکہ گھڑوایا جو عربی دینار سے ملتا جلتا تھا۔ حد تو یہ ہے کہ اس کی عبارت بھی عربی عبارت کے مماثل تھی۔ آئرستان کے ایک دلدلی علاقے میں طلائی برنجی صلیب ملی ہے جسے روپے کے طور پر تو استعمال نہیں کرتے تھے تاہم اس سے مسلمانوں کے اثر کی غمازی ہوتی ہے۔ اس پر عربی رسم الخط میں بسم اللہ لکھی تھی۔

چین اور ہندوستان کے بارے میں سب سے پہلی عربی تحریر تاجر سلیمان التازی کی ہے۔ سن تحریر ۸۵۱ عیسوی ہے۔ دوسری دلچسپ باتوں کے علاوہ سلیمان چینیوں کے یہاں دستخط کی بجائے انگوٹھا لگانے کا ذکر بھی کرتا ہے۔ مارکوپولو ــــــ نامور سیّاح چین میں مسلمان تاجر آبادکاروں کا ذکر کرتا ہے۔ سب سے پہلے روس کا حال احمد ابن فضلان حمید نے کیا جسے خلیفہ مقتدر نے ۹۲۱ عیسوی میں شاہِ بلغاریہ کے پاس بھیجا تھا۔

Marfat.com

۹۲۸ عیسوی میں البیرونی نے بتایا کہ ہند جزیرہ نما ہے۔

جے۔ایچ۔کریمر لکھتا ہے ـــــــ

"علم جغرافیہ، دریافت و انکشاف، بین الاقوامی تجارت، نئی جگہوں کے کھوج لگانے اور سیاحت کے میدان میں اہلِ یورپ مسلمانوں کو اپنا ثقافتی بزرگ جانیں۔"

یہ ایک دلچسپ بات ہے کہ دالیپس سے ایک ہزار سال پہلے خلیفہ ہارون الرشید خاکنائے سویز سے نہر نکالنا چاہتا تھا۔

نئی نئی جگہوں کی دریافت مسلمانوں کے اس کام کا حصہ ہے جو انہوں نے علم جغرافیہ کے سلسلے میں کیا۔ اس سے کہیں زیادہ دُور رس اہمیت کا حامل یہ کام تھا جو مسلمان ریاضی دانوں نے طُولُ البلد اور عرضُ البلد کا تعین کرتے نیز زمین کے گول یا چپٹا ہونے کے سلسلے میں کیا۔

خلیفہ مامُون (۸۱۳-۸۳۳) کے شاندار عہد میں جب ابھی نویں صدی کی ابتدا تھی مسلمان سائنسدانوں نے اس حقیقت کو مسلّم قرار دیا کہ زمین گول ہے۔

مامُون نے ستّر سائنسدانوں پر مشتمل ایک جماعت بنائی جس نے عظیم ہستی ـــــ ابنِ موسیٰ الخوارزمی کے زیرِ نگرانی (۸۳۰ میں) کرۂ ارض کا پہلا نقشہ تیار کیا۔

لاریب مسلمان سائنسدانوں ہی کی بدولت مغرب کو وہ حقائق ملے جن سے کرسٹوفر کولمبس کو سفر کی تحریک ہوئی کیونکہ ہسپانیہ اور پرتگال میں خاص طور پر مسلمانوں کا اثر بہت زیادہ تھا، یہیں کولمبس نے جہازرانی کے علم کے مطالعے میں دن گزارے۔ ملّاحوں کا قُطب نُما جسے کولمبس نے استعمال کیا اصل میں عربوں کی ایجاد تھا۔

Marfat.com

## جہاز رانی کا علم

کئی یورپین ملاحوں کے قطب نما کو چینیوں کی ایجاد بتاتے ہیں لیکن جارج سارٹن فلپ حتی اور سر آر۔ ایف۔ برٹن اسے عربوں کی ایجاد مانتے ہیں۔ وہ یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ دسویں اور گیارہویں صدی کے عظیم عرب ملاح کولمبس کے ہم پلہ قرار دیے جانے کے مستحق ہیں۔ سلیمان الماہری اور شہاب الدین ابن مجید نے بحر ہند، بحر اوقیانوس اور بحر الکاہل پامال کیے — جہاز کے ذریعے برا عظیم افریقہ کے گرد چکر کاٹا۔ دونوں نے کئی کتابیں بھی لکھیں۔ بحری جہاز رانی پر سب سے اہم کتاب ابن مجید کی ہے۔ اسی نے سب سے پہلے بحری گائیڈ تالیف کی۔

## فن نقشہ کشی

نقشہ کشی کے باب میں مسلمانوں نے یونانی نقشہ کش بطلیموس کا اثر قبول کیا لیکن انہوں نے اس کی اندھی تقلید نہیں کی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے علم کو اس کے علم سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ پایا۔ انہوں نے جو ارضی کرے تیار کیے نیز جو نقشے کھینچے اور ریاضی کے کام کیے وہ یورپ کی تمام درسگاہوں میں بہت معروف ہوتے۔
شاید سہل ترین طریقہ یہی ہے کہ مسلمان جغرافیہ دانوں نے جو کام کیا ہے ان میں سے چند درخشاں ہستیوں کے اسمائے گرامی یہاں دے دیے جائیں۔ الخوارزمی نے فلکیات اور نقشہ کشی کے شعبوں میں جو کام کیا ہے اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ اس کے بعد باعتبار عظمت یاقوت ابن عبداللہ الحموی کا نام آتا ہے جس کا عہد ۱۱۷۹ سے ۱۲۹۹ تک ہے۔ اس کی کتاب معجم البلدان ایک طرح سے دائرۃ المعارف دانسائیکلوپیڈیا ہے۔ اس میں اس کے وقت کا تمام علم جغرافیہ موجود ہے۔ یاقوت نے شہر نامہ بھی تیار کیا تھا جس

Marfat.com

ہیں تمام شہروں کے نام اور حالات بطریق ابجد درج تھے۔

ایک اور نامی گرامی جغرافیہ دان ابوعبداللہ محمد ابن احمد المقدسی ہے۔ پسرینگر نے اسے "ہر دور کا عظیم ترین جغرافیہ دان کہا ہے۔" احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم" اس کی مشہور کتاب ہے۔ اس میں نہایت دلفریب اور بہ کثرت نقشے دیے گئے ہیں جن سے سنہری ریت، نیلگوں سمندر، دریا، بھورے پہاڑ عیاں ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے تجارتی راستے سرخ رنگ سے دکھائے گئے ہیں۔[1]

ابوزید احمد ابن صالح البلخی کے سر اس بات کا سہرا ہے کہ اس کا اٹلس نہ صرف ابتدائی دور کے بہترین اٹلسوں میں سے تھا بلکہ مسلمانوں کا بہترین اٹلس تھا۔ اس میں عرب، بحر ہند مراکش، الجزائر، شام، مصر، بحیرہ روم کے نقشے شامل تھے۔ غالباً ۹۲۴ء میں اسی کو اسلامی سرکاری نقشہ سمجھا جاتا تھا۔

ایک اور قابل ذکر نام ابوقاسم عُبید اللہ کا ہے جسے ۸۴۴ء میں صاحب البرید مقرر کیا گیا۔ اس نے تجارتی شاہراہوں کے باب میں مفید کام کیا۔ جزیرہ نمائے ہند کے سلسلے میں عظیم البیرونی (۹۷۲ء) کا پہلے ہی ذکر کیا جا چکا ہے۔ اپنی تالیف "کتاب التفہیم" میں یہ بات واضح کر چکا ہے کہ وہ بڑے بڑے سمندروں کی جائے وقوع سے آگاہ تھا۔ اس

---

[1] یہ حقیقت ہے کہ جب اہل مغرب نئے فاتحین کی حیثیت سے کرۂ ارض پر نمودار ہوئے تو مسلمانوں کے کارناموں اور علمی و فنی فتوحات کے بے پایاں انبار ان کے سامنے آئے جن سے انہوں نے خوشہ چینی کی اور نئی راہوں کا سراغ پایا لیکن اپنی عصبیت، تنگ دلی اور اسلام دشمنی کے باعث انہوں نے مسلمانوں اور ان کے کاموں کا تذکرہ نہ کیا البتہ اپنے زعماء اور ان کے کارناموں کا ذکر خوب بڑھا چڑھا کر کیا۔ یہ سازش ایک طویل المیعاد منصوبے کے تحت کی گئی۔ آج یہ تاثر عام ہے کہ ہر ایجاد، ہر دریافت، ہر فن اور ہر علم کی ترقی کا سہرا اہل مغرب ہی کے سر ہے حالانکہ حقیقت اس سے بہت مختلف ہے (مترجم)۔

Marfat.com

نے دنیا کا ایک قابلِ قدر گول نقشہ بھی تیار کیا تھا۔

اہلِ یورپ جس مسلمان جغرافیہ داں کو سب سے زیادہ جانتے ہیں، وہ ابوعبداللہ الادریسی ہے۔ ادریسی ۱۱۳۰ء سے ۱۱۵۴ء تک قرطبہ[1] میں پڑھاتا رہا اور اس نے اپنی معروف

---

[1] قرطبہ عبرانی الفاظ سے مرکب ہے جن کے معنی قریۂ طیب (اچھا گاؤں) ہے اندلس کے اس شہر کو عمالقہ (قرطاجنہ ـــــ کارتھج کے فنیقیین نے بسایا۔ مسلمانوں سے قبل روما اور بزنطیہ (بازنطیم) والے حکمران رہے۔ ۷۱۱ء میں طارق بن زیاد کے حکم سے لشکر نے قرطبہ پر قبضہ کیا۔ ۷۱۹ء میں اشبیلیہ کی جگہ اسے دارالحکومت بنایا گیا۔ اس کے اکیس محلے تھے اور ہر محلہ اپنی ضروریات میں خود کفیل تھا۔ وادیٔ الکبیر اس میں سے بہتا تھا۔ شہر کے گرد فصیل تھی۔ خانہ جنگیوں کے دور میں ہر محلے کے گرد خندقیں کھودی گئیں۔ مسلمانوں نے یہاں کے قدیم قصر۔ قصرِ رزریق میں حسین اضافے کیے۔ جبالِ قرطبہ سے آبِ شیریں کی نہر کاٹ کر محل میں لائے۔ نہر کا پانی جستی نلوں کے ذریعے شہر بھر میں پہنچایا گیا۔ بے نظیر باغ لگائے گئے۔ سنگِ مرمر کے فوارے بنوائے گئے "الکازر" یہاں کا سب سے معروف قصر ہے۔ شہر میں حمام تھے، مساجد تھیں۔ امیر ہشام بن عبدالرحمٰن الداخل مسجد میں ہی بیٹھ کر رعایا کے مقدمات فیصل کیا کرتا۔ وادیٔ الکبیر پر پتھر کا پُل بنایا گیا جو اُندلس کے عجائبات میں سے ہے۔ دریا یہاں اشبیلیہ کی طرح غارت گری نہیں کرتا۔ دسویں اور گیارہویں صدی میں یہاں رئیسوں، سرداروں اور لشکریوں کے مکانوں کی تعداد ساٹھ ہزار تھی۔ لکڑی کے مکان، سرائیں دکانیں اور حمام ان کے علاوہ تھے۔ چار ہزار سے زائد بازار تھے۔ آٹھ سو تک مسجدیں اور سات سو حمام تعمیر ہوئے۔

اس تاریخی شہر کی شہرت میں مسجدِ قرطبہ کا بھی حصہ ہے جو اپنی دلفریبی میں یکتائے روزگار ہے آج یہ ویران ہے لیکن اس سے مسلمانوں کی شان عیاں ہے۔ اس کا نقشہ ذوق کے ایک ماہرِ تعمیر نے تیار کیا۔ مسجد کے گرد چار دیواری تھی۔ دیواروں پر کنگرے تھے جن کے باعث اسے قلعے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

کتاب بعنوان "نزہت المشتاق فی اختراق الآفاق" شائع کی۔ اس کتاب کا مطلب ہے — "زمینوں کی سیاحت کا شوق رکھنے والے کے مزے"۔ اس میں کئی دلچسپ نقشے ہیں۔

کولمبس اپنے پایہ کے جن جغرافیہ دانوں کا مرہونِ منت ہے ان کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ جنوبی افریقہ کے ایک اسکالر نے بڑی سنجیدگی سے یہ دلچسپ تر نظریہ قائم کیا ہے کہ ہسپانیہ سے کولمبس کی روانگی سے کہیں پہلے عربوں نے امریکہ دریافت کر لیا تھا۔ "دہلی ایکسپریس" مورخہ ۱۱ اگست ۱۹۵۲ء میں ایک اخباری مضمون یوں رقم ہوا ہے —

" جنوبی افریقہ کا ایک نامور بشریات دان کہتا ہے کہ عربوں نے امریکہ دریافت کیا، کہ کرسٹوفر کولمبس نے۔ واٹرسینڈ یونیورسٹی میں معاشرتی بشریات کے سینئر لیکچرار ڈاکٹر جیفریز کے انکشاف کی رُو سے عرب کولمبس سے پانچ سو سال پہلے بازی لے گئے۔ اٹھارہ ماہ ہوئے کہ ڈاکٹر موصوف نے دریائے

---

کی شکل مل گئی۔ جن لوگوں نے یہ خوشنما مسجد دیکھی ہے ان کی یادیں تمام عمر اس کے تصور سے حسین اور مسلمانوں کی عظمت کے تخیل سے معمور رہتی ہیں۔ یہ مسجد جادوگری کا نمونہ معلوم ہوتی ہے۔

اس شہر میں ہر قسم کے عُلوم و فنون کی تعلیم و تدریس جاری تھی۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب مسیحی یورپ میں بڑے بڑے پادریوں اور سرکاری عہدیداروں کے سوا سب لوگ ناخواندہ تھے — اور اسلامی اُندلس کا بچہ بچہ پڑھا لکھا تھا۔ قرطبہ کے علماء، حکماء اور فقہاء نے دنیا بھر میں نام پایا۔ ابنِ رشد ایسا لاثانی فلسفی اسی شہر میں پیدا ہوا اور اس نے یہیں فقہ اور طب کی تعلیم پائی۔

مترجم نے یہ نوٹ محمد عنایت اللہ بی اے کی گراں قدر تالیف "اندلس کا تاریخی جغرافیہ" مطبوعہ دارالطبع عثمانیہ، حیدر آباد دکن (۱۹۲۷ء) سے تیار کیا۔

Marfat.com

ریوگرینڈ میں ایک حبشی کی کھوپڑی دریافت کی اور اس پر اپنے دعوے کی بنیاد رکھی۔

"ڈاکٹر جیفریز کا خیال ہے کہ ۱۰۰۰ء تک عرب بحیرۂ روم پر مسلط ہو چکے تھے۔ انہوں نے افریقہ کے مغربی ساحل پر ڈیرے جما لیے تھے اور امریکہ میں بھی آباد ہو گئے تھے۔ کولمبس نے خاکنتے دیریاں میں حبشیوں کی چھوٹی چھوٹی بستیاں پائی تھیں۔ ڈاکٹر جیفریز کے خیال میں یہ حبشی عرب غلاموں کی نسل سے تھے۔ ڈاکٹر موصوف نے کہا ـــــ جزیرۂ بہاما میں حبشیوں کی جو کھوپڑیاں ملی ہیں اور کیریبین میں جڑوں والی جو فصلیں اگائی جاتی ہیں ان سے یہ نظریہ قابلِ قبول ہو جاتا ہے۔"

قاری ڈاکٹر جیفریز کا پوری طرح ساتھ دے نہ دے لیکن اتنا تو یقینی ہے جیسا کہ اسکالر جے۔ ایچ کریمر کے ان الفاظ سے عیاں ہے ـــــ "نئی دنیا کی دریافت میں عرب اپنے حصے کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔" اسی کے پہلو بہ پہلو یہ بھی ایک قطعی حقیقت ہے کہ تجارت اور کاروبار پر اختیار رکھنے کے باعث عرب قدیم دنیا کے جغرافیے کے بارے میں تمام دوسری قوموں سے زیادہ علم رکھتے تھے۔ وہ مغربی یورپ سے اس علم کا آزادانہ تبادلہ کرتے۔

## نباتیات اور تاریخِ حیاتیات (نیچرل ہسٹری)

تاریخِ حیاتیات نیز علومِ طبیعی کے شعبوں میں مسلمانوں نے اپنی تحقیقات سے دنیا کو مالا مال کیا۔ شعبہ نباتیات میں انہوں نے کھجور اور بَن ایسے پودوں میں جنسی اختلافات معلوم کیے۔ انہوں نے ان پودوں کی درجہ بندی بھی کی جو بیج سے پیدا ہوتے یا پھر خودرو ہوتے ہیں۔ حج پر جاتے ہوئے یا سیاحت کے دوران میں انہوں نے پودوں کی

Marfat.com

کئی نئی قسمیں معلوم کیں۔ حیاتیات دانوں کی کئی دریافتوں سے ادویہ سازی میں کام لیا گیا۔ عظیم حیاتیات دان عبداللہ ابن احمد ابن البیطار نے اچھی طرح افریقہ اور ایشیا کو کھنگالا اور اپنی کتاب "الجامع فی الادویۃ المفردۃ" میں اپنا علم جمع کر دیا۔ نباتیات کی یہ شاہکار کتاب ہے اور علم الادویہ میں جو جڑی بوٹیاں سب سے زیادہ مفید ہیں ان کی فہرست پیش کرتی ہے۔ اس میں کل ایک ہزار چار سو دواؤں کے فوائد دیے گئے ہیں۔

رابرٹ بریفالٹ لکھتا ہے:

عربوں نے جو فارماکوپیا ایجاد کیا عملاً وہی ہے جسے آج کل کام میں لایا جا رہا ہے۔ بس نئے ترکیبی اور عضویاتی علاج کے مرکبات ان کے اپنے ہیں، ورنہ نکس وومیکا، نائٹرک کا مرکب، جدوار (میٹھا تیلیا)، پچھان بید، ببول کی چیڑ (مُر)، زنکپور اور ہمارے نسخوں کا ڈھانچہ عربوں کی ایجاد ہے۔"

تاریخ حیاتیات (نیچرل ہسٹری) کے شعبے میں قرآن کا ایک حوالہ یہ ظاہر کر سکے گا کہ کیوں قرونِ اولیٰ کے مسلمان اسرارِ دنیا کے باب میں سوچ بچار پر آمادہ ہوئے۔

"لاریب مویشیوں میں بھی تم ہدایت کی نشانی پاؤ گے۔ کیونکہ یہ اپنے بدن میں لہو اور بول و براز کے درمیان میں سے تمہارے پینے کو خالص دودھ پیدا کرتے ہیں جو پینے والے ہیں ان کے لیے یہ قابلِ قبول ہوتا ہے۔"

"کھجور اور انگور میں سے تمہیں مکمل مشروب اور خوراک دستیاب ہوتی ہے۔ دیکھو! جو دانشمند ہیں ان کے لیے اس میں بھی نشانی پائی جاتی ہے۔"

"اور تمہارے خدا نے شہد کی مکھی کو پہاڑوں پر، پیڑوں اور لوگوں کے گھروں میں چھتہ بنانا سکھایا۔ یہ تمام پھل کھاتی اور تمہارے رب کی راہ پر چلتی ہیں جو ان کے لیے ہموار کر دیا گیا ہے۔ ان کے شکموں میں سے کئی کئی رنگ کا مشروب برآمد ہوتا ہے جس میں انسانوں کے لیے شفا ہے اور

Marfat.com

دیکھو، اہلِ فکر کے لیے نشانی ہے۔[1]"

## علم الادویہ

قبل ازیں حواشی دے کر یہ بات ظاہر کی گئی ہے کہ کیمیا دانوں اور نباتات دانوں، دونوں نے علم طب کی ترقی میں حصہ لیا۔ فلپ حتّی "ہسٹری آف دی عربز" میں لکھتا ہے "عربوں نے ادویہ کے استعمال میں جو تحلیقی کام کیا اس کے سلسلے میں انہوں نے پیش قدمی کے بعض نمایاں کارنامے سرانجام دیے۔ سب سے پہلے انہی نے عطار خانے کھولا۔ دوا سازی کی پہلی درس گاہ قائم کی اور پہلا فارماکوپیا مرتب کیا۔"

مسلمان سائنسدانوں نے دوا سازی کے کئی قرابا دین تیار کیے۔ ۸۷۰ء میں جابر

---

ا۔ وَاِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِیْكُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهٖ مِنْ بَیْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآىٕغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ ۝ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِیْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝ وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ ۝ ثُمَّ كُلِیْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِیْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ یَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

قرآن حکیم
سورہ النحل (۱۶) آیات کریمہ ۶۶ تا ۶۹۔

Marfat.com

بن حیان نے ان کی ابتدا کی۔ جابر بن حیان کو بالعموم عربی کیمیا کا باپ کہتے ہیں۔
خلیفہ مامون کے عہد تک نیز المعتصم کے زمانے میں فارغ التحصیل ہونے کے لیے امتحانوں کا طریقہ رائج ہو چکا تھا۔ ان امتحانوں نیز بدعنوانی کے مشکوک معاملوں کی نسبت قانونی تفتیش کی بدولت بغداد کو نیم حکیموں سے نجات مل گئی۔ مؤرخ گبن بتاتا ہے کہ آٹھ سو سے زائد اطباء نے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ بغداد میں ۸۶۰ طبیبوں کو اس منافع بخش پیشے کے لیے اجازت نامہ ملا تھا۔"

## شفاخانے

اس زمانے میں بغداد میں شفاخانوں کی کوئی کمی نہ تھی۔ علامہ مقریزی کے بیان کی رو سے المتوکل کی خلافت کے دوران میں قاہرہ میں شفاخانہ قائم کیا گیا۔ عہدِ ایوبی میں مصر میں متعدد شفاخانے کھولے گئے۔ قاہرہ کے عامل ابن طولون نے ۸۷۲ء میں ایک شفاخانے کے لیے تین لاکھ روپے کی آمدنی کا عطیہ دیا۔ اس شفاخانے میں ہر مرض کے علاج کے لیے علیحدہ علیحدہ وارڈ تھے اور مریضوں کو علاج کے ساتھ ساتھ مفت خوراک اور رہنے کی جگہ دی جاتی۔ بیرونی مریضوں کے لیے الگ شعبہ قائم تھا۔ جراحی کے لیے خاص وارڈ تھے۔ پھر پاگلوں کے علاج کے لیے بھی علیحدہ شعبہ قائم تھا۔

بغداد ہی نہیں بلکہ تمام اسلامی دنیا میں پاگلوں کے لیے شفاخانے کھولے گئے:

> "دماغی امراض کے شفاخانوں میں پاگلوں کا علاج انسانی ہمدردی اور زیادہ تندہی سے کیا جاتا جبکہ مغربی ملکوں میں صدیوں بعد بھی انہیں مجرم ہی سمجھا جاتا ـــــ یہ امر واقع ہے کہ ۱۴۱۰ء میں ویلنشیا کی مذہبی تنظیم نے ہسپانیہ میں دماغی امراض کا جو پہلا یورپی شفاخانہ قائم کیا وہ ایک

Marfat.com

مشہور اسلامی شفاخانے کی طرز پر تھا۔"

قاہرہ کے شفاخانے کے بارے میں ۱۲۸۲ء میں المقریزی نے جو تفصیل پیش کی ہے اس میں یہ ذکر موجود ہے کہ جو مریض رو بصحت ہوتے ان کی فوری اور کامل صحت یابی کے لیے یہاں گویّے رکھے گئے تھے۔

جب ۸۵-۱۱۸۳ء اور پھر ۹۱-۱۱۸۹ء میں علامہ ابن زبیر نے مکۂ معظمہ کا سفر کیا تو انہوں نے بغداد، موصل، حلب اور دمشق میں اعلیٰ درجے کے شفاخانوں کا جال بچھا دیکھا۔ دمشق میں نور الدین نے اعلیٰ درجے کی ڈسپنسری قائم کی اور سلطان صلاح الدین نے ایک بڑے فاطمی محل کو شفاخانے میں تبدیل کیا۔ اس کی خصوصیت یہ تھی کہ زنانہ وارڈ الگ تھے اور یہاں طبیب عورتیں بھی موجود تھیں۔ اپنے پیش رو حکمرانوں سے متاثر ہو کر دوسرے سلاطین نے بھی مخیرانہ مدد دی۔

بغداد کا سب سے بڑا شفاخانہ عضد الدولہ کا تھا۔ اس کی تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ عصرِ حاضر کے اکثر شفاخانوں کے پایے کا تھا۔ صرف یہی نہیں کہ اس کی عمارات کشادہ تھیں اور یہ جدید ترین آلات سے لیس تھا بلکہ اس کا عملہ ایسی امتیازی شان کا تھا کہ اس سے بہتر عملہ کبھی کسی دوسرے شفاخانے میں نہ ہوا ہو گا۔ درحقیقت یہ محض شفاخانہ نہ تھا، اس سے سوا تھا۔ یہ طبی یونیورسٹی تھا جہاں ابو نصر ایسی عظیم ہستیاں پیدا ہوئیں۔ یہ نامور طبیب امراضِ چشم کا ماہر تھا۔ یہیں سرجن ابو الخیر، ابو صولت مریضوں کا علاج کرتے اور طالب علموں کو لکچر دیتے۔ یہاں اتنی یا اس سے زائد جو اطبّا کام کرتے تھے، ان میں ابنِ بلخ، ابو یعقوب اور ابو علیٰ شامل تھے۔

ایک یورپی مصنف کہتا ہے ــــــ "بغداد میں جو شفاخانہ قائم کیا گیا تھا وہ باقی تمام شفاخانوں پر چھایا ہوا تھا۔ پورے ساز و سامان سے لیس تھا، متعدد اوقاف سے روپیہ فراہم کرتا اور اس میں ایسا دواخانہ تھا جہاں دنیا بھر سے دوائیں جمع کی

Marfat.com

جائیں۔

شفاخانے میں جو دوائیں اور غذائیں مروج تھیں ان کی فہرست لندن کے برٹش میوزیم میں محفوظ ہے۔ شفاخانوں کی فہرست غیر مختتم لگتی ہے۔

طُلیطلہ[1] کے ایک یہودی سیاح بن یامین نے صرف بغداد میں ساٹھ شفاخانے

---

[1] طُلیطَلَہ یا طُلَاطَلَہ اندلس کے ایک صوبے کا دار الحکومت۔ جَبَل طیطلہ کے مغربی و شمالی جانب واقع ہے۔ ایک روایت کے مطابق اسے طوبال پسر نوح نے بسایا۔ جب بخت نصّر نے یہودیوں کو فرات و دجلہ کی وادی میں سے نکالا تو اندلس چلے آئے اور انہوں نے تولیدث نام کا شہر بسایا۔ قیصرِ روما نے اسے "زیبطلہ" کہا۔ شہر سنگِ خارا کی پہاڑی پر واقع ہے۔ تین طرف سے دریائے تاجہ اس کی حفاظت کرتا ہے۔ دریا پر ایک محرابی پُل تھا۔ چرخ کے ذریعے دریا کا پانی پُل پر چڑھایا اور نلوں کے ذریعے شہر میں پہنچایا گیا۔ یہاں ایک چادر محل تھا جسے قبلِ اسلام کھولنے سے منع کیا گیا اسے روڈرک نے کھولا جس کے بعد اس پر عربوں کا قبضہ ہو گیا۔ طارق کو یہاں سابق حکمرانوں کے ایک سو ستر تاج ملے۔ ہر تاج پر بادشاہ اور اس کی اولاد کا نام درج تھا۔

یہاں سے جو قیمتی اشیاء ملیں وہ مجریط MADRID اور کلونی کے عجائب خانوں میں رکھی ہیں۔

مسلمانوں کی عمارات مسیحی فرماں رواؤں کے ہاتھوں کھنڈر ہوئیں۔ یہاں کی شاندار مساجد پر گرجے تعمیر کیے گئے۔ آبی رسد کا نظام بھی قائم نہ رکھا جا سکا اور برباد ہُوا۔

یہیں یحیٰی بن ذی النّون (المامون) نے قصر بنایا جس میں ایک بحیرہ (پختہ تالاب) تھا۔ بیچوں بیچ گنبد تھا جس کی چوٹی سے اس کے چاروں طرف پانی کی چادر گرتی۔ المامون اندر گنبد میں بیٹھتا اور اس پر پانی کا ذرا سا چھینٹا نہ پڑتا۔ (بقیہ اگلے ص پر)

Marfat.com

دیکھے اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ تمام مریضوں کے علاج اور غذا کا بندوبست سرکاری خرچ پر ہوتا ہے۔ عضد الدولہ نے شیراز میں طبی یونیورسٹی سے ایک شفاخانہ ملحق کیا۔ ابو سعید کوکوبوری نے اربیلا میں اندھوں کے لیے چار شفاخانے بنائے اور پرانی بیماریوں کے لیے کئی شفاخانے قائم کیے۔ تمام دنیائے اسلام میں سب سے عمدہ شفاخانہ مراکش میں تھا جسے ابوالوحید مراکش نے ۱۲۰۰ء میں قائم کیا۔ یہاں نہ صرف غریبوں کا مفت علاج کیا جاتا تھا بلکہ انہیں فارغ کرنے کے بعد اتنی رقم دی جاتی تھی کہ جب تک

---

یہاں ستر ستر سال تک کھتوں میں غلہ پڑا رہتا اور خراب نہ ہوتا۔ اعلیٰ درجہ کی زعفران پیدا ہوتی اور نفیس قسم کی تلواریں بنتیں۔ طارق بن زیاد نے ۷۱۱ء میں اسے فتح کیا۔ ۷۷۹ء میں افریقہ کی اقوام بربر نے خلیفۂ دمشق ہشام بن عبد الملک کے خلاف بغاوت کی تو اندلس میں رہنے والے بربر بھی بگڑ گئے اور انہوں نے طلیطلہ کو گھیرے میں لے لیا۔ والیٔ اندلس نے بغاوت فرو کی۔ شمر ذی الجوشن کا پوتا (صمیل) بھی یہاں کا حاکم ہو گزرا ہے۔ اس کی فیاضی مشہور تھی۔ یہاں بار بار بغاوت ہوئی۔ بغاوتوں میں بیشتر وہ مسلمان حصہ لیتے جو پہلے عیسائی تھے۔

مسلمانوں نے اس شہر کو تہذیب و تمدن کا گہوارہ بنایا۔ یہاں بڑے بڑے محدث، فقیہہ، ادیب، علمائے فلکیات اور مہندس پیدا ہوئے۔ ۳۷۶ برس تک مسلمان ان پر مسلط رہے۔ غرناطہ کی تباہی کے بعد طلیطلہ بھی اسلامی تسلط سے محروم کیا گیا۔ اب تک مسلمان اور عیسائی بلا امتیاز عربی بولتے ہیں۔ عیسائی حکومت نے عربی بولنے کی ممانعت کی البتہ گرجاؤں میں مدتوں عربی مستعمل رہی کیونکہ لوگوں کو عربی کے سوا کسی دوسری زبان میں عبادت کرنی نہ آتی۔ لاطینی زبان کسی کو یاد نہ رہی تھی حالانکہ مسلمان علماء اس زبان سے کما حقہٗ آگاہ تھے۔

(مترجم نے "اندلس کا تاریخی جغرافیہ" سے نوٹ مرتب کیا)۔

Marfat.com

انہیں کام نہ ملتا وہ اپنا گذارہ کر سکتے۔ سولہویں صدی تک مسلمانوں کے شفاخانوں کو امداد دی جاتی رہی۔ ایک نہایت نفیس شفاخانہ دہلی میں قائم کیا گیا۔

مسلمانوں پر خیرات و صدقات فرض کیے گئے۔ ان کا یہ امتیازی وصف جس قدر بڑے بڑے شفاخانوں کے قیام اور ان کی نگہداشت سے عیاں ہے اور کہیں اس قدر عیاں نہیں۔ ان کی رحمدلی اور سائنسی معلومات جس طور مشترکہ قوت بنیں پہلے کبھی نہیں بنیں۔

جہاں تک طبیبوں کا تعلق ہے تاریخ میں ان کا نام درخشاں ترین مقام رکھتا ہے۔ آج بھی پیرس یونیورسٹی کی دیواروں پر دو مسلمان طبیبوں کی تصویروں کو امتیازی مقام دیا گیا ہے۔ ایک رازی ہے جسے لاطینی میں RHAZES کہتے ہیں اور دوسرا بو علی سینا ہے جسے لاطینی میں AVICENNA کہتے ہیں۔

رازی (۸۶۵ء — ۹۲۵ء) نے طب پر ایک سو تیس بڑی اور اٹھائیس چھوٹی کتابیں لکھیں۔ مغربی یورپ کے تمام میڈیکل اسکولوں میں پڑھانے کے لیے انہیں لاطینی میں منتقل کیا گیا۔ ان دنوں لاطینی علمی مطالعے کی زبان تھی۔ رازی بے پناہ نئی سوچ رکھتا اور یہ پہلا طبیب تھا جس نے طبِ اطفال پر کتاب لکھی۔ وہ سورج کی روشنی اور تازہ ہوا کے طبی خواص پر یقین رکھتا تھا۔ اس نے ثابت کیا کہ مردار جانور چشمے کا پانی گندا کرتے ہیں۔ زنانہ بیماریوں میں مریض عورتوں کا معاینہ کرنے کے لیے وہ آرسی استعمال کرنے کو کہتا ہے۔ وہ تو بلکہ نفسیاتی علاج بھی کرتا۔ طبی تاریخ کا ایک نامور مصنف میکس نیو برجر رازی کے بارے میں یوں رقمطراز ہے — "رازی نادر و نایاب صلاحیتوں کا مالک تھا، اَن تھک مصنف تھا، اس کی تالیفات بہ کثرت طبع ہوئیں اور بار بار شائع کی گئیں۔ وہ باکمال شخص اور فکر انگیز معلم تھا۔ وہ ایک دم چھا جاتا لیکن اس سے بھی بڑا وصف یہ تھا کہ اس میں طبیبانہ بصیرت تھی۔ مریض کے بستر پر جا کر اسے

Marfat.com

نیا پن محسوس ہوتا۔ وہ ہر مریض کے معاملے میں اس کی انفرادیت کے بموجب سوجھ بوجھ رکھتا اور علاج معالجہ کرتا۔"

ڈاکٹر کارل سُوڈوف کی رائے میں رازی ہر دور کا عظیم ترین طبیب ہے اور فریڈ کہتا ہے ——"اس نے خون کے خمیر میں چیچک کا سبب دریافت کیا اور البرٹ بک سے صدیوں پہلے کئی بیماریوں کے سلسلے میں جراثیم کی پیدائش کا خدشہ ظاہر کیا۔"

بُوعلی سینا جو ۹۸۰ء میں بمقام بخارا پیدا ہوا۔ رئیسُ الحکماء کے نام سے معروف تھا۔ اس کی متعدد انسائیکلوپیڈیائی تالیفات سے پتا چلتا ہے کہ وہ جملہ علُوم متداولہ میں مہارت کاملہ رکھتا تھا لیکن اس نے سب سے زیادہ شعبۂ طب میں مغربی فکر پر اثر ڈالا۔ اس نے کئی رسالے لکھے، ایک طبّی انسائیکلوپیڈیا لکھی۔ یہ سب کتابیں لاطینی میں منتقل کی گئیں اور مغربی یورپ کی یونیورسٹیوں میں نصاب کے طور پر پڑھائی جاتی رہیں۔ ان دنوں پورے یورپ میں لاطینی ہی طبّی علُوم کا ذریعۂ تعلیم تھی۔

شیخ الرئیس بُوعلی سینا کے دائرۃُ المعارف کا نام "القانُون فی الطِّب" تھا۔ لاطینی میں اس کا نام CANON پڑ گیا۔ درحقیقت یہ ایک یادگار شاہکار تھا۔ اس کے بارے میں فلپ حتّی لکھتا ہے ——

"القانون اپنے انسائیکلوپیڈیائی مندرجات، مربوط ترتیب اور فلسفیانہ پلان کے باعث اس عہد کے طبّی لٹریچر میں جلد ہی ممتاز مقام پا گیا۔ اس نے جالینوس، رازی اور المجوسی کی تالیفات کی جگہ سنبھال لی۔ یہ یورپ کے مدرسوں میں طبّی تعلیم کا نصاب بن گیا۔ مغرب میں یہ دائرۃُ المعارف بارھویں سے سترھویں صدی تک علمِ طب میں عظیم گائیڈ کا کام دیتا رہا۔ مشرقِ وسطیٰ میں اب بھی کہیں کہیں یہ رائج ہے۔"

ڈاکٹر اوسلر کے الفاظ میں یہ ہر دوسری تالیف سے زیادہ مدّت تک طب

Marfat.com

کی انجیل کے طور پر مروج رہی۔ اس عظیم شاہکار کی مقبولیت کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ پندرہویں صدی کے پہلے تیس برس میں یہ سولہ بار چھپی اور سولہویں صدی میں بیس بار۔ جب ہم یہ سوچتے ہیں کہ پہلی بار کریمونہ کے جیرارڈ نے بارہویں صدی ہی میں القانون کو لاطینی میں منتقل کر لیا تھا تو اس بات کا پتا چل جاتا ہے کہ کیوں سکنڈرے نیویا کا ڈاکٹر اوسلر اسے طب کی انجیل کہتا ہے جو طبی لٹریچر کی ہر کتاب سے زیادہ مدت تک مروج رہی۔ یہ حقیقت ہے کہ بوعلی سینا پانسو سال تک مغرب کے شعبۂ طب پر مسلط رہا اور اس کے انکشافات کی قدر و منزلت آج بھی گھٹائی نہیں گئی۔

اس کا عظیم نظریہ اخلاطِ بدنی سے تعلق رکھتا ہے اور اس نے طبی نقطۂ نظر سے اپنے نظریے کی وضاحت کی۔

"اسی نے سب سے پہلے تپ دق میں چھوت کی خاصیت معلوم کی، وہ پہلا شخص ہے جس نے طبِ اطفال اور عوارضِ اطفال پر تخصیصی کتاب لکھی۔"

وہ تازہ ہوا اور سورج کی روشنی کی معالجاتی خاصیت تسلیم کرتا تھا۔ اسی نے ایسے کنوؤں کے پانی کے خطرات سے متنبہ کیا جو مردار جانوروں کے باعث گندا ہو گیا ہو۔

ابن النفیس ایک اور عظیم مسلمان طبیب تھا جس نے ۱۲۸۸ء میں وفات پائی۔ اس نے طبیعیات میں خصوصی مہارت پیدا کی۔ دورانِ خون کے بارے میں ہاروے نے جو نظریہ پیش کیا وہ اس سے صدیوں پہلے ابن النفیس نے صحیح طور پر بیان کیا۔ علی ابن العباس ابتدائی دور کا ایک طبیب ہو گزرا ہے جس نے ۹۹۴ء میں وفات پائی۔ مغرب میں اسے ہیلی عباس کہتے ہیں۔ اس کی عظیم ترین تالیف کتاب الملکی تھی۔ اس کے دو حصے تھے۔ ایک نظریاتی اور دوسرا عملی۔ ہر حصہ دس دس جلدوں پر مشتمل تھا۔ دونوں

Marfat.com

حصے مل کر شعبۂ طب کو پوری طرح محیط کر لیتے۔ علی ابن العباس سب سے پہلا غذائیات دان تھا۔ اس کی تالیفات سے پتا چلتا ہے کہ اس نے بڑی احتیاط سے رُت، موسم، مختلف عمروں، زندگی کی عادتوں اور بیماریوں کے مطابق غذائیں مرتب کی تھیں اور بھی کئی ہستیوں کے نام لیے بغیر آگے نہ گزرنا چاہیے، خصوصاً ابنِ سلیمان، ابنِ ہیبۃ، ابن عزولہ۔ ابنِ ابی الاعلیٰ (ابنِ ظہر) جسے مغرب میں ایون زور کہتے ہیں۔ ابن رشد جسے مغرب والے ایوی روز کہتے ہیں، ابن عباس الزہراوی جسے مغرب میں ابوالکیسز کہتے ہیں اور ابنِ خطیب قابلِ ذکر ہیں۔

ان میں دو ہستیاں تو سرجری (جراحیات) کی دنیا میں نامور ہیں۔ ابنِ عبّاس الزہراوی دنیائے اسلام کا سب سے بڑا سرجن تھا۔ امتیازی خصوصیت کا دعویٰ اس کی کتاب التعریف لمن اعجاز عن التعالیف پر منحصر ہے جس میں اس نے اپنے دور میں جراحی سے متعلق تمام معلومات کوزے میں بند کر دی ہیں۔ یہ بیاض جس میں پتے میں سے پتھری خارج کرنے یا اسے ریزہ ریزہ کر دینے اور عمل جراحی کے طریقے بیان کیے گئے ہیں لاطینی میں منتقل کی گئی اور صدیوں اسے امتیازی مقام حاصل رہا۔ آخری بار آکسفورڈ نے ۱۷۷۸ء میں اسے شائع کیا۔ اس میں آلاتِ جراحی کی تصویریں بھی دی گئی تھیں۔ درحقیقت اسی نے سرجری کی بنیاد رکھی۔

ایون زور (ابنِ ظہر) ایک اور سرجن ہے جس کی تالیف نے یورپ کی طبی درسگاہوں پر بڑا اثر ڈالا۔ علم امراضِ چشم کے شعبے میں چند اور عظیم مسلمانوں کے نام آتے ہیں۔ خلیفہ ابن ابی محاسن (۱۲۵۶ء) نے عینیات پر مشہور رسالہ لکھا۔ اس کے معاصر صلاح الدین ابن یوسف نے بھی کتاب لکھی۔

فرانسیسی مورخ لیکلیرک کے بقول مسلمان آنکھ کی ایک سو سے زائد بیماریوں سے آگاہ تھے اور آنکھ پر پہلا کتابچہ یوحنا النبی موسیٰ ویف (۷۷۷-۸۵۷ء) شمسی نے لکھا۔

Marfat.com

داکٹر سی۔ ینگ اپنی تالیف "مسلم ورلڈ" میں کہتا ہے: "مسلمانوں نے سب سے زیادہ ترقی بصریات اور علم العین کے شعبے میں کی۔"

عربوں کا علم الادویہ زیادہ تر ہسپانیہ سے یورپ پہنچا اور لطف کی بات یہ ہے کہ چودھویں صدی میں جب یورپ میں طاعون تباہی پھیلا رہی تھی۔ اس وقت غرناطہ کے مسلمان طبیب نے مرض کی وبائی اور چھوت کی کیفیت معلوم کی تھی۔ اس نے بتایا، تجربے، تحقیق اور حواس کے شواہد نیز معتبر روئیدادوں سے مرض کی وبائی اور چھوت کی کیفیت مسلّم ہے۔ جب صاحب تحقیق دیکھتا ہے کہ کس طرح وہ شخص جو مریض سے رابطہ قائم کرے مرض میں گرفتار ہو جاتا ہے تو اس پر مریض کی وبائی اور چھوت کی کیفیت عیاں ہو جاتی ہے۔ جو شخص رابطہ قائم نہیں کرتا محفوظ رہتا ہے اور پھر یہ بھی معلوم کر لیتا ہے کہ کس طور کپڑوں، برتنوں اور کانوں کے ذریعے مرض پھیلتا ہے۔" مسیحی طبیب اس وقت وباء کو امر ربّی سمجھتے تھے اور اس کے آگے بے بس تھے۔"

ڈاکٹر رابنسن نے اپنی تالیف "دواء کی کہانی" میں مسلمانوں کے علم اور مغرب کی جہالت میں اور بھی زیادہ وضاحت سے تقابلی مطالعہ کیا ہے۔ صفحہ ۱۶۴ پر وہ یہ ریمارک دیتا ہے "غروب آفتاب پر یورپ تاریکیوں میں ڈوب گیا۔ قرطبہ میں چراغ جل اُٹھے۔"

"یورپ غلیظ تھا، قرطبہ میں ایک ہزار حمام قائم ہوئے۔ یورپ کیڑوں مکوڑوں اور مکھیوں سے بھرا پڑا تھا۔ قرطبہ ہر روز زیر جامہ تبدیل کرتا، یورپ کیچڑ سے لت پت تھا۔ قرطبہ کی گلیاں پختہ تھیں۔ یورپ کے امراء نام تک نہ لکھ سکتے قرطبہ کے بچے بھی مدرسے جاتے۔ یورپ کے درویش بپتسمہ کے وقت جو دعائیں مانگتے لکھی ہوئی صورت میں انہیں پڑھ نہ سکتے، قرطبہ کے معلّموں نے اسکندریہ کے طول و عرض کا کتب خانہ کھڑا کر دیا۔"

Marfat.com

"اس سے بھی بڑھ کر یہ بات ہے کہ یہ پیارا شہر علم کا گڑھ تھا" نامور مورخ لین پول اپنی مشہور کتاب "دی مورز آف سپین" میں جب قرطبہ کی یونیورسٹی کا حال بیان کرتا ہے تو یوں لگتا ہے جیسے غزل لکھ رہا ہو۔

"قرطبہ کے مقامات اور باغات تو حسین ہیں لیکن اس کا مرکزِ علم ہونا اسے اور تعریف و توصیف کے قابل بنا دیتا ہے۔ دماغ بھی اتنا ہی خوبصورت ہے جتنا جسم خوبصورت ہے۔ اس کے پروفیسروں اور استادوں نے اسے یورپی ثقافت کا مرکز بنا دیا۔ یورپ کے تمام حصّوں سے طالب علم آتے اور اس کے نامور اطبّا سے تعلیم پاتے یہاں علم کی ہر شاخ کا سنجیدگی سے مطالعہ کیا جاتا۔ پھر جالینوس کے زمانے کے بعد جو صدیاں بیت گئیں اور ان میں جو کچھ علمی طور پر اضافہ ہوا اندلس کے مسلمان اطبّا نے اس سے کہیں زیادہ اضافہ کیا اور ایجادات و اختراعات کا انبار لگایا۔ چنانچہ علم الادویہ کو کہیں زیادہ علمی سرمایہ ملا۔"

"اس عہد میں قرطبہ میں پچاس شفاخانے اور نو سو حمام تھے۔ لاریب عوامی علم الصحت کے باب میں مسلمانوں نے خوب کام کیا۔ اس سے بھی ہمیں یہ مثال ملتی ہے کہ قرآن پاک کی تعلیمات سے ترقی کا راستہ تو کیا رُکتا دراصل اس نے علم کے فروغ میں بڑا حصّہ لیا ہے۔ قرآنِ پاک میں حفظانِ صحت کا ایسا ضابطہ محفوظ ہے جسے آج کے طبیب من و عن قبول کرتے ہیں۔ کھانے پینے سے متعلق جو اصول ہیں وہ بھی کم پائیدار نہیں۔ یہ جاننا دلچسپی کا موجب ہوگا کہ سب سے پہلے مسلمانوں نے غذا میں ملاوٹ کرنے کے خلاف احتیاطی تدابیر اختیار کیں۔ خوراک کی فروخت میں جو بدعنوانیاں کی جاتی تھیں ان کا سراغ لگانے کے لیے پولیس کو خاص ہدایات دی گئی تھیں۔ یہ ایسا کام تھا جو آج مغرب میں صحتِ عامہ کے حکام کے فرائض میں بطورِ معمول شامل ہے۔"

فوج کے ہمراہ باقاعدہ طبی عملہ جاتا۔ اس عملے کے قیام میں مسلمان اپنے ہمعصر عیسائیوں

Marfat.com

سے پیش پیش تھے۔ موجودہ صلیب احمر کی تنظیم کے مانند اس طبی عملے سے توقع رکھی جاتی کہ اپنے لوگوں کے پہلو بہ پہلو دشمن کے زخمیوں کو بھی مدد دے گا۔ یہ کام قرآنی احکام کی پیروی میں کیا جاتا۔ "اور خیرات اور پرہیزگاری کے معاملے میں تعاون کرو"۔ پیغمبرِ اسلام صلعم کے زمانے میں ایمبولنس سروس کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ تاریخ میں ابتدائی غزوات تک میں فوجی نرسوں، جنگی شفاخانوں اور زخمیوں کو لے جانے والی خاص گاڑیوں کی تفصیل کا ریکارڈ ملتا ہے۔

علم الطب کی ہر شاخ میں نیا پن دکھایا اور عملی ثبوت مہیا کیا۔ یہ درست ہے کہ یونانیوں نے طب کی ابتدا کی، رازی اور بوعلی سینا کے کام کا بہت بڑا حصہ یونانی طبیب ــــــ جالینوس کے علم کا مرہون منت ہے۔ اگر وہ کوئی ایسی بات مسترد کرتے جس کی بابت جانتے تھے کہ درست ہے تو یہ ان کی حماقت ہوتی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ عربوں نے تحقیق و تخلیق نہیں کی اور یہ انہی خطوط پر چلتے رہے جو یونانیوں نے کھینچے تھے جیسا کہ ماسبق سے واضح ہوتا ہے انھوں نے علم کی کئی شاخوں میں سب سے پہلے کام کیا۔ علم الطب کے کئی شعبے ان میں شامل ہیں۔

فرانسیسی اسکالر الفرید گوئیلام کہتا ہے "ہمیں جاننا چاہیئے کہ جو مسلمان حکماء پر جدت کے فقدان اور ذہانت کی پامالی کا الزام دھرتے ہیں انھوں نے کبھی ابن رُشد کو پڑھا ہے نہ کبھی الغزالی کو۔ انھوں نے صرف دوم درجے کے فیصلے کی اتباع کی ہے مغربی مسیحیت کے گڑھ میں اسلامی تعلیمات کا وجود ــــــ خصوصاً ایکوی ناس کی تمامیں ان کا پایا جانا بڑی حد تک اس الزام کی تردید کردیتا ہے کہ مسلمانوں کے یہاں نیا پن نہیں تھا، جمود تھا"۔

Marfat.com

# قرآن اور سائنس

علمی دنیا میں مسلمانوں کی فتوحات کا باب تمام کرنے سے پہلے طلبا جواب تک ابتدائی دور کے مسلمان حکماء کی حقیقی ترقی کے قائل ہو چکے ہوں گے اس امر کو مفید پائیں گے کہ ان کی توجہ قرآنِ پاک کی دو مشہور آیات کی جانب منعطف کروائی جائے ـــــــ

"لاریب زمین اور آسمانوں کی تخلیق، رات اور دن کے ادل بدل اور سمندر میں جو جہاز چلتے ہیں اور جن میں بنی نوعِ آدم کا بھلا ہے، اللہ تعالیٰ آسمان سے جو مینہ بھیجتا ہے، ہر نوع کے جاندار جنہیں وہ زمین پر پھیلا دیتا ہے، ہواؤں کا بدلنا اور بادل جو ارض و سماء کے درمیان ان کے غلاموں کی طرح پھرتے ہیں۔ ان سب میں داناؤں کے لیے نشانیاں ہیں۔"

اور پھر "کیا وہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ یہ کیسے بنائے گئے؟ اور آسمان کو کہ یہ کس طور اونچا کیا گیا؟ اور پہاڑوں کو یہ کس طرح گاڑ دیے گئے اور زمین کو کہ یہ کیسے بچھائی گئی؟"

"یہ نشانیاں ہیں ان کے لیے جو دانا ہیں۔"

یہ کلیدی لفظ ہیں، اسلام نے سائنسی تحقیق کے لیے جو عظیم تحریک دی ہے ان میں اس کی وضاحت ہے۔ قرآن کبھی نہیں کہتا کہ مسلمان اندھا دھند یا عقیدے کی بنا پر بات مان لے۔ اس کے بجائے ہم پر لازم کیا گیا کہ ہم بغور مرئی کا مطالعہ کریں تاکہ یہ غیر مرئی کے وجوہ کی سمت ایقان کی رہنمائی کرے۔ وجودِ ظاہری مظہرِ خداوندی ہے اور اس کا عمل خیر کے لیے وہ دانش، طریق کار اور موزوں انداز ہے لکھتا تھا بعد کی ذات کا عرفان حاصل ہوتا ہے۔ قرآنِ حکیم یہ بھی کہتا ہے، "تمہارے نہ لگا۔ اس کے بعد نشانیاں ہیں، تم دیکھتے کیوں نہیں؟"

مسلمانوں کے دوسرے

Marfat.com

## نبیٔ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم اور علم

سائنس کے مطالعے کو کبھی تعلیمات اسلامی کے منافی یا متضاد نہیں سمجھا گیا۔ لاریب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: علم (سائنس) کا مطالعہ روزے کی قدر و منزلت رکھتا ہے۔ علم کی تدریس بمنزلۂ عبادت ہے"۔ آپ نے یہ بھی فرمایا: "علم پڑھاؤ۔ جو علم پڑھتا ہے اللہ سے ڈرتا ہے۔ جو علم حاصل کرتا ہے اللہ کی ثنا بتاتا ہے۔ جو علم پھیلاتا ہے خیرات بانٹتا ہے۔ جس کے پاس علم ہو وہ احترام اور فیض کا پیکر بن جاتا ہے۔ علم خطا اور گناہ سے بچاتا ہے۔ یہ جنت کا راستہ ہموار کرتا ہے۔ سفر میں ہمارا ساتھی اور دشت میں اعتماد کا موجب ہوتا ہے۔ زندگی کی مسرتوں اور تکلیفوں میں ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ ہمارے دوستوں کے روبرو زیور کا کام دیتا ہے۔"

مغرب نے سائنس نہیں دی۔

شاعر مشرق علامہ اقبال نے ذیل کے اشعار میں سائنس کے شعبے میں مسلمانوں کے کام کا مختصراً ذکر کیا ہے ؎

حکمت اشیاء فرنگی زاد نیست — اصل اُو جز لذت ایجاد نیست
نیک اگر بینی مسلماں زادہ است — ایں گہر از دست ما افتادہ است
چوں عرب اندر اُروپا پر کشاد — علم و حکمت را بنا دیگر نہاد
دانہ آں صحرا نشیناں کاشتند — حاصلش افرنگیاں برداشتند
ایں پری از شیشۂ اسلاف ماست — باز صیدش کن کہ او از قاف ماست

Marfat.com

# ٹیکنالوجی، صنعتی فنون اور زراعت میں اسلام کا حصہ

پچھلے باب میں ہم نے دیکھ لیا کہ اسلام کے پھیلنے سے کئی مغربی ملکوں نے سائنسی عُلوم کے تمام شعبوں میں نامور مسلمانوں سے استفادہ کیا۔ مغرب نے ان عُلوم سے عملی طور پر صنعتی فنون اور ٹیکنالوجی میں بھی فائدہ اُٹھایا۔ مسلمانوں کو کاغذ سازی، پارچہ بافی اور دھات کے کام میں جو مہارت حاصل تھی اس سے ان ملکوں کے باشندوں کو خاطر خواہ فائدہ پہنچا جو مسلمانوں کے زیرِ نگیں رہے۔ پھر مسلمانوں کی خوشحالی سے یورپی تجارت کو زبردست تحریک ملی۔ اس طرح مغربی دنیا کے کئی حصوں میں معیارِ زندگی بلند ہُوا۔

## کاغذ سازی

(مسلمانوں نے آغاز ہی میں جن صنعتوں میں مہارت پیدا کی ان میں کاغذ سازی شامل ہے۔ آٹھویں صدی ہی میں سمرقند میں نہایت نفیس قسم کا تحریری کاغذ بنتا تھا۔ بغداد کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ۷۹۴ء میں یہاں کاغذ کا پہلا کارخانہ لگا۔ اس کے بعد تمام سرکاری دفاتر میں کاغذ نے چرمی پارچے کی جگہ لے لی۔ مسلمانوں کے دوسرے

Marfat.com

شہروں میں مختلف قسم کے سفید اور رنگین کاغذوں کے کارخانے کھولے گئے، جہاں سبزیوں سے کاغذ بناتے اور شام میں بہترین قسم کا کاغذ تیار کرنے کے کارخانے قائم کیے گئے۔ طرابلس کاغذ کی نفیس اقسام کے لیے مشہور تھا۔ مصر میں کاغذ بنانے کے پہلے کارخانے نویں صدی عیسوی میں کھولے گئے۔ دسویں صدی کی ابتدا میں نہ صرف بغداد بلکہ تمام دنیائے اسلام میں کاغذ نے چرمی پارچے کی جگہ لے لی تھی۔ اب تک کاغذ پر تحریر کیا ہوا قدیم مسوّدہ احادیث کے موضوع کی وضاحت کے بارے میں ہے۔ اس کا نام "غریب الحدیث" ہے اور ابو عُبَید کی تالیف۔ اس کی تاریخ ۸۲۷ شمسی خیال کی جاتی ہے۔ اسے ہالینڈ میں دیکھا جا سکتا ہے کہ یہ وہاں لیڈن کی یونیورسٹی کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔

بعد ازاں کاغذ سازی کی صنعت مراکش پہنچی اور وہاں اسلامی مملکتِ ہسپانیہ میں ۱۲۵۰ شمسی کے لگ بھگ پھیلی۔ ہسپانیہ ہی وہ ملک ہے جس کی وساطت سے یورپ میں کاغذ بنانے کا طریقہ رائج ہُوا۔

جے۔ ایچ کریمر لکھتا ہے " تیرھویں صدی میں مسلمانوں کے ذریعے کاغذ سازی کی صنعت یورپ میں آغاز پذیر ہوئی۔ مدّتوں کاغذ سازی کی صنعت پر اسلامی مملکتِ ہسپانیہ کے شہر ویلنشیا (بلنسیہ[ل]) کے نزدیک اس کی اجارہ داری قائم رہی۔ پھر یہاں سے یہ صنعت کیٹیلونیا (قطلونیہ یا قیطلونیہ) اور فرانس میں پہنچی "

یہ امر دلچسپی کا موجب ہوگا کہ ۵۵-۱۴۵۰ء میں طباعت کی ایجاد کے بعد کاغذ

---

[ل] مشرقی اُندلس کا ایک شہر بھی ہے اور صوبہ بھی۔ بنی اُمیّہ کے زمانے میں یہ ایک بڑا علاقہ تھا۔ یہاں ایک جھیل ہے، جسے البفیرہ کہتے ہیں۔ یہ البحیرہ کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ مسلمانوں نے زرعی ضرورت کے لیے آبی ذخیرے اور حوض بنائے۔ ریشم کے کیڑے پالے جاتے۔ اہلِ عرب

(بقیہ اگلے ص پر)

Marfat.com

کی مقدار بڑھتی چلی گئی۔ کاغذ کی ایجاد کا سہرا سمرقند کے مسلمان کاغذ سازوں کے سر ہے۔ اس میں کیا شک ہے کہ سستا کاغذ ملنے سے امریکہ اور یورپ میں جو تعلیم عام ہوتی تو وہ دراصل مسلمانوں کی دریافت کی مرہون منت تھی۔

ازمنۂ وسطیٰ کے قرطبہ کی "کتاب منڈی" پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک نامور یورپی مورخ یوں رقمطراز ہے: "لکھنے والے کاغذ کی مقامی صنعت ہی کی بدولت ایسا ہو سکا ہے کہ اندلس میں کتابوں کے انبار لگے پڑے ہیں۔ یہ اسلام ہی کا کارنامہ ہے جس سے یورپ کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچا۔ کاغذ کے بغیر متحرک ٹائپ کی چھپائی کامیاب ہوتی نہ کاغذ اور طباعت کے بغیر یورپ میں عام تعلیم رائج ہو سکتی"۔ اس تاریخی حقیقت کا لسانیاتی ثبوت یہ ہے کہ انگریزی کا لفظ "رِم"[1] قدیم فرانسیسی لفظ RAYME سے ماخوذ ہے۔ یہ فرانسیسی لفظ ہسپانوی لفظ "ریمیا" سے لیا گیا ہے۔ اور یہ لفظ عربی لفظ رِزمہ سے ماخوذ ہے۔

## ہسپانیہ میں اسلامی صنعتی مرکز

عہدِ اسلام میں ہسپانیہ یورپ کا سب سے مالدار، خوشحال اور گنجان آباد ملک تھا اس کا دارالحکومت اپنے تیرہ سو پارچہ بافوں پر نازاں تھا۔ اُون اور ریشم کے کپڑے قرطبہ،

---

کے تسلط کے باعث عربی کا اتنا رواج ہوا کہ ان کے بعد بھی اسی زبان میں انجیل پڑھائی جاتی۔ عربی کے الفاظ آج بھی لوگوں کی بول چال میں پائے جاتے ہیں۔ اسلامی تہذیب و تمدن کے اثرات مختلف شکلوں میں ملتے ہیں۔ اندلس کے تمام شہروں میں سب سے روشن یہی شہر تھا۔ اسے خوشبوؤں کا شہر کہتے تھے۔ بڑے بڑے باکمال انسان یہاں ہوتے۔ (مترجم)

[1] REAM کاغذ کا گٹھا جس میں بالعموم پانسو تختے ہوتے ہیں۔

Marfat.com

مالقہ[1] اور المیریا (المریہ)[2] میں تیار کیے جاتے تھے۔ المیریا ہی میں کانسی کے برتن اور شیشہ بنایا جاتا تھا۔ ویلینشیا میں پیٹرنا کے مقام پر برتن بنتے تھے۔ یہ تو بلکہ برتنوں کا گھر تھا۔ جین اور المغرب سونے اور چاندی کی کانوں کے لیے مشہور تھے۔ اسی طرح قرطبہ سیسے کے لیے مشہور تھا۔ یہ دھاتیں طُلیطلہ کی ایک بڑی صنعت میں کھپتی تھیں —— یہاں نہایت نفیس قسم کی منقش تلواریں بنتی تھیں۔

پہلے دمشق نے شہرت پائی۔ پھر اسی طرح طُلیطُلہ نے تلواروں کی صنّاعی اور دلفریبی کے باعث نام پایا۔ یہ تلواریں فولاد سے تیار کی جاتیں۔ ان میں سونے اور چاندی سے پھول بُوٹے بنائے جاتے۔ یہ فن پہلے دمشق میں رائج ہوا اور نام کی رعایت سے دمشقین کہلایا۔

یہی ہنرمندی دھات کے کام میں دکھائی گئی جس سے جواہرات کی صنعت کو فروغ ملا۔ اس کے لیے مالقہ سے قیمتی یاقوت حاصل کیے جاتے۔ سنتے ہیں کہ بازو بندوں،

---

[1] MALAGA جنوبی اُندلس کے ایک صوبے اور دارالحکومت کا نام۔ رومن نام مالاکا تھا۔ مالقہ میں نمک کی ایک جھیل ہے۔ یہاں لوہے اور سیسے کی کانیں ہیں۔ ۷۱۱ش میں مسلمانوں نے فتح کیا۔ اسے بڑا شہر اور بندرگاہ بنایا۔ یہاں کی شراب بہت مشہور تھی۔ نہایت نفیس اور قیمتی کپڑا بنایا جاتا جس کی قیمت بعض اوقات ہزاروں درہم ہوتی۔ (مترجم)

[2] جنوبی اندلس کا ایک شہر۔ یہاں پہاڑوں کے کئی سلسلے اور کئی وادیاں ہیں۔ قدرتی ذخائر بکثرت پائے جاتے ہیں۔ تانبے، لوہے، پارے، جست، گندھک کی بہترین کانیں ملتی ہیں۔ سنگ مرمر بھی نکلتا ہے۔ پہلی صدی ہجری میں مسلمانوں کے قبضے میں آیا۔ یہاں مسلمانوں نے جہاز سازی کے کارخانے اور اسلحہ خانے بنائے۔ ریشم کے آٹھ سو کارخانے تھے۔ پھلواڑیاں، باغ اور پن چکیاں تھیں (مترجم)۔

Marfat.com

بروچوں اور ہاروں کے علاوہ سنار شجر طلائی ایسے غضب کے نازک زیور بناتے تھے۔ پھر مسلمان ریاضی دانوں نے جو گھڑیاں بنائیں ان کے لیے نہایت خوشنما خلنے اور خول تیار کرتے تھے۔

اسی طرح ہم چمڑے کی صنعت میں مسلمانوں کی کاریگری اور ڈیزائن کی خوبی اور اعلیٰ معیار دیکھ سکتے ہیں۔ ہسپانیہ کے کاریگروں نے مراکش سے چمڑے کی دباغت اور اس میں نقش ابھارنے کا کام سیکھا۔ ان آسائشی صنعتوں کے پہلو بہ پہلو ہسپانیہ میں عطر سازی کی صنعت نے بھی بہت زیادہ فروغ پایا تھا۔

## جڑاؤ کام

طُلیطلہ کے کاریگروں کا نقش کنی کا فن کئی دوسری شکلوں میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ بہتیرے لوگوں کا خیال ہے کہ قیمتی پتھر جڑنے کا فن اطالیہ میں آغاز پذیر ہوا لیکن درحقیقت اس کی تیکنیک مسلمانوں کو کئی صدی پہلے سے معلوم تھی۔ فلورنس میں تو اس کا رواج ۱۵۱۰ شمسی میں ہوا۔

## یورپ میں مسلمانوں کی دستکاریوں کا فروغ

پارچہ بافی مسلمانوں کی سب سے بڑی دستکاریوں میں سے ایک تھی۔ جے۔ ایچ کریمر لکھتا ہے: "یہ مسلمان کاریگر ہی تھے جن کے سر فرانس اور اطالیہ میں پارچہ سازی کی صنعتیں قائم کرنے کا سہرا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ مسلمانوں کی خوشحالی کے طفیل صنعتی فنون کو عروج ملا۔ اس دَور میں مصنوعات کا رنگ روپ جمالیاتی اعتبار سے بے نظیر تھا۔

یہ انوکھی حقیقت قابلِ توجہ ہے کہ ازمنۂ وسطیٰ میں جرمنی کے شاہنشاہ کے ملبوسات پر عربی عبارت

Marfat.com

لکھی ہوتی۔

ایک اور یورپین مستشرق لکھتا ہے کہ مسلمانوں کے بُنے ہوئے کپڑے بے حد خوشنما ہوتے تھے ـــــ اس قدر خوشنما ہوتے تھے کہ جنگِ صلیب و ہلال میں لڑنے والے سپاہی اپنے دشمنوں اور حریفوں کے بُنے ہوئے کپڑوں کو ترجیح دیتے اور انہیں پہنتے۔

اسلامی دَور کے صنعتی فن و ہنر نے نفاست میں اعلیٰ پایہ کا وصف پا لیا تھا۔ قالین بافی نے خصوصیت سے ترقی کی۔ مصر اور شام میں مسلمانوں کی کھڈیوں سے ریشم کے جو آرائشی دھاگے تیار کئے جاتے یورپ میں ان کی بڑی قدر و منزلت ہوتی۔ جنگِ صلیب و ہلال میں حصہ لینے والے مسیحی سپاہی اور دیگر اہلِ مغرب تمام کپڑوں پر انہیں ترجیح دیتے اور مسیحی اولیاء کے تبرکات ان میں لپیٹ رکھتے۔"

عہدِ اسلام میں کپڑے کی صنعت درحقیقت بہت وسیع پیمانے پر مروّج تھی بارہویں صدی میں بغداد میں ایک دھاری دار دھاگہ بنتا تھا جسے اتابی کہتے تھے ہسپانیہ میں اس کی نقل کی گئی۔ یہی اطالیہ میں مقبول ہوا جہاں اس کا تجارتی نام "تابی" رکھا گیا۔ طسطائی اور السوسن تجستان میں کئی ایسے کارخانے قائم کیے گئے جن میں سونے کے تاروں کی کشیدہ کاری والا کپڑا تیار کیا جاتا۔ انہی کارخانوں میں سے جنگِ صلیب و ہلال کے مسیحی لشکریوں کے لیے ملبوسات آتے۔

اگرچہ عربوں کی کپڑے کی تجارت بہت وسیع تھی پھر بھی مغرب کی منڈیوں کی روز افزوں مانگ (مسلمانوں کے) کارخانے پوری نہ کر پاتے چنانچہ دستی کھڈیوں اور گھریلو صنعت سے کارخانوں کی رسد پوری کی جاتی۔ یہی حال قالینوں اور نفیس پھلکاری کا تھا۔ ہر طول و عرض اور ہر قیمت کے قالین برآمد کیے جاتے۔ گراں ترین قالینوں میں سے ایک کی قیمت ایک کروڑ تیس لاکھ ڈالر معلوم ہوتی ہے۔

Marfat.com

کپڑے اور قالین کی صنعتوں میں بھی رنگ روپ اور ہنرمندی کا وہی اعلیٰ معیار پایا جاتا جو مسلمانوں کی دوسری دستکاریوں میں پایا جاتا ہے۔ ایک معروف یورپی مستشرق کے الفاظ میں مصنوعات کے میدان میں انہوں (مسلمانوں) نے انواع واقسام، ڈیزائن کی دلفریبی، ہنرمندی اور مہارت میں تمام دنیا کو پیچھے چھوڑ دیا۔ وہ تمام دھاتوں ـــــ سونے، چاندی، تانبے، کانسی، لوہے اور فولاد پر کام کر لیتے۔ پارچہ بافی کے دھاگوں کی صنعت میں انہیں کبھی کسی نے مات نہیں کیا۔ وہ نفیس ترین قسم کا شیشہ اور برتن بناتے رنگ سازی اور کاغذ سازی کے اسرار و رموز سے آگاہ تھے۔ انہیں چمڑہ بنانے کے کئی کئی طریقے آتے تھے اور یورپ بھر میں ان کے کام کا شہرہ تھا۔

محولہ بالا شیشے کی صنعت کا مرکز دمشق تھا جہاں اعلیٰ درجے کے بلوری ظروف تیار ہوتے۔ افسوس تیمور نے اسے برباد کیا۔ دمشق میں مسجدوں کے لیے خاص چراغ تیار کیے جاتے اور پھر دنیائے اسلام کے گوشے گوشے میں بھیجے جاتے۔ دمشق ہی وہ شہر تھا جہاں سے شیشے کی صنعت وینس پہنچی۔ مسلمانوں ہی نے اطالوی کاریگروں کو کام کے اسرار و رموز بتائے۔

مسلمانوں نے یورپ میں صرف نئی صنعتیں ہی قائم نہیں کیں بلکہ وہاں سے وہ ایسی خام اشیاء بھی لے لیتے جو ان کے اپنے ملکوں میں ناپید تھیں۔ مثلاً عنبر بحیرۂ بالٹک کے ساحل سے اور پوستینیں روس سے منگواتے۔ بغداد ایسے شہروں کی منڈیوں میں جس انداز سے یورپ کے انتہائی شمالی علاقوں کی خام اشیاء پہنچیں، اس پر پروفیسر ہیل نے خاص توجہ دی ہے۔ خام اشیاء کے عوض عرب ان علاقوں کو اپنی مصنوعات بھیجتے۔

پروفیسر ہیل کے بقول "عرب ان ملکوں (روس، شمالی یورپ) کو بنی ہوئی چیزیں جواہرات، دھات کی آرسیاں، بلوری منکے، گرم مسالا اور مچھلی مار تلم مہیا کرتے۔ درآمد ـــــ اور برآمد پر اچٹتی ہوئی نظر ڈالنے سے اسلامی سلطنت کی تہذیبی برتری عیاں ہوتی

Marfat.com

ہے۔ شمال کو اس کے خام مال کے عوض اسلامی سلطنت مصنوعات بھیجتی۔"

## مسلمانوں کی برآمدی اور بین الاقوامی تجارت

ازمنۂ وسطیٰ میں عرب بین الاقوامی تجارت پر چھائے رہے۔ ہر نئی فتح مسلمانوں کی دستکاریوں اور صنعتوں کے لیے نئی نئی منڈیاں پیدا کرتی۔ سولھویں صدی میں بغداد، بخارا اور سمرقند ایسے اسلامی شہر عالمی میلوں کے مرکز رہے۔ یہ شہر تین بّراعظموں کے تجارتی راستوں پر مسلّط تھے۔

سمندر پر مسلمانوں کو جو تسلّط حاصل تھا اور جس کا ذکر اسی کتاب میں دوسری جگہ کیا گیا ہے اس کے باعث عرب تاجروں کے لیے چھبیس ۲۶ ہزار بحری جہاز رکھنا ممکن ہوا جن کے ذریعے چین اور برطانیہ ایسے دور دراز کے ملکوں کو مال بھیجا جاتا۔ عرب تاجر ہندوستان جاوا، سماٹرا، لنکا، افریقہ اور یورپ تک سے تجارت کرتے۔ مسلمان تاجر عام استعمال اور آرائش کی متعدد اشیاء کی متعدد ان سے حاصل کرتے اور یورپ کو بھیج دیتے۔ ان کے پہلو بہ پہلو اسلامی ممالک کی مصنوعات بھی برآمد کرتے۔ ان میں ریشمی کپڑے، اطلس و کمخواب، پھلکاریاں، زیورات، جواہرات، نمدے، غالیچے، صوفے، میزیں اور دوسرا فرنیچر، چراغ، مطبخ کے ظروف، قینچیاں، سوئیاں، بلوری برتن اور صابن تک شامل تھے۔

یورپ کی متعدد زبانوں کی تجارتی ڈائرکٹریوں میں اب تک بہ تعدادِ کثیر عربی لفظ موجود ہیں اور اس بات کا بیّن ثبوت ہیں کہ مسلمانوں نے پہلی بار یورپی ملکوں کو ان اشیا سے متعارف کیا۔ لفظ ٹیرف TARIFF جو اس قدر مستعمل ہے عربی سے ماخوذ ہے جہاں اس کے معنی "اعلان" کے ہیں۔

عربوں نے جس اسلوب سے منافع میں شرکت کی اس کے متعلق وان کریمر لکھتا ہے: دنیائے اسلام نے تقریباً پانسو سال تک مادی ثقافت کا جو گراں بہا سرمایہ جمع

Marfat.com

کیا وہ یورپ چلا گیا۔ یہ سرمایہ صرف چین، ہندوستان اور افریقہ کی دولت پر مشتمل نہ تھا جسے اسلام کی مہم جویانہ اسپرٹ کے طفیل دُور افتادہ ملکوں سے لایا گیا بلکہ سب سے پہلی نمائندگی تو اسلامی ملکوں کو حاصل ہے۔ انہی نے قدرتی دولت اور صنعتی پیداوار پیش کی۔"

پھر ایک بار ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مسلمان تہذیب کا تحفظ بھی کرتے ہیں اور آغاز بھی۔ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ انہوں نے مغرب کو اپنی ذہانت اور عملی کمال کے ثمر سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دی۔ انہوں نے علمی معاملات میں بھی یہی رویہ اختیار کیا۔

## نیا معیارِ زندگی

فلپ حتّی نے اپنی ایک تالیف میں قرطبہ کا جو حال بیان کیا ہے اس سے بہتر انداز سے کہیں بھی زندگی کی ان لطافتوں اور آسائشوں کا تذکرہ نہیں ملتا جن میں مسلمانوں کا حصہ تھا۔ حتّی لکھتا ہے: "عبدالرحمان ثالث اور اس کے جانشین الحکم ثانی (۹۶۱ سے ۹۷۲ شمسی تک) نیز الحاجب المنصور (۹۷۷ سے ۱۰۰۲ شمسی تک) کی آمریت کا عہد مغرب میں دور دور تک اسلامی تسلط کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس دور میں بنی امیہ کا دارالخلافہ یورپ کے مہذب ترین شہر کا ہم پایہ نکلا۔ قسطنطنیہ اور بغداد کے پہلو بہ پہلو یہ دنیا کے تین تہذیبی مرکزوں میں سے ایک تھا۔ دارالخلافہ میں تیرہ ہزار ایک سو گھر تھے۔ اکیس مضافات تھے۔ ستر کتب خانے، کتابوں کی کئی دکانیں تھیں۔ کئی مسجدیں اور محل تھے۔ انہی سے اس نے بین الاقوامی شہرت پائی اور سیاحوں کو مرعوب کیا اور ان سے خراج تحسین لیا۔ یہاں میلوں پختہ گلی کوچے تھے جنہیں کنارے کے مکانوں کی روشنیاں منور رکھتیں جبکہ اس کے سات سو سال بعد تک لندن کے کسی گلی کوچے کو روشن کرنے کے لیے ایک بھی چراغ نہ تھا، صدیوں بعد پیرس کا یہ حال تھا کہ جس دن بارش ہوتی

Marfat.com

اس دن دہلیز پر قدم دھرتے تو ٹخنوں ٹخنوں کیچڑ میں دھنس جاتے۔ اسی زمانے میں آکسفورڈ یونیورسٹی غسل کو کافروں کی رسم سمجھتی۔ درآں حالیکہ قرطبہ کے سائنسدانوں کی نسلیں شاندار حماموں میں غسل کا لطف اٹھا رہی تھیں ـــــ جب کبھی لیون[1]، نبرہ[2] اور برشلونہ[3] (بارسیلونا) کے حکمرانوں کو جرّاح، معمار، ماہر موسیقی یا خیّاط کی ضرورت پڑتی تو قرطبہ سے رجوع کرتے۔ اسلامی دارالحکومت کی شہرت دور افتادہ جرمنی تک پہنچی جہاں ایک راہبہ نے اسے "دنیا کا نگینہ" کہہ کر یاد کیا[4]۔

## زراعت کے شعبے میں مسلمانوں کا حصّہ

مسلمانوں نے جس انداز سے زراعت کی اسے لازماً علمی سائنسوں میں جگہ دینی پڑے گی۔ جن ملکوں میں مسلمانوں کی حکمرانی تھی ان میں بنیادی طور سے اس کا انحصار پانی پر تھا۔

---

[1] لیون شمالی اُندلس کا صوبہ اور صدر مقام۔ رومنوں کے عہد میں یہاں سے سونا نکلتا تھا۔ اسلامی دور کے بعد سب سے پہلی مسیحی حکومت یہیں قائم ہوئی۔ یہ شہر فصیل دار تھا۔ ۷۱۰ء میں مسلمان مسلّط ہوئے۔ اہل عرب اسے لیونش بھی کہتے تھے (مترجم)۔

[2] موجودہ شمالی اندلس کا صوبہ۔ یہاں سے فرانس میں جانے کو پہاڑی درے ہیں۔ زرخیز علاقہ ہے۔

[3] برشلونہ کا پرانا نام برشینونہ (رومن نام بارسینونہ) ہے۔ شمال مشرقی علاقے کا صدر مقام جو بحر متوسط کے ساحل پر واقع ہے۔ اس پر کبھی مسلمان اور کبھی فرانسیسی قابض ہوئے۔ بالآخر یہ مسیحیوں کا شہر ہو کر رہ گیا اور اُندلس کے دوسرے مقامات کی طرح یہاں بھی مسلمان ختم ہوئے۔ (مترجم)۔

[4] حتّی کی "ہسٹری آف دی آریبز" صفحات ۲۷-۵۲۶

یہاں مسلمان ریاضی دانوں اور طبیعات کے ماہروں کی معلومات کو عملی مسائل میں برتا جاتا تھا۔ مثلاً ان کی مدد سے پانی کی سطح اونچی کی جاتی تھی اور اس کی تقسیم کا مسئلہ حل کیا جاتا تھا جس سے مفلس تر لوگوں کو فائدہ پہنچتا تھا۔ مسلمان نباتیات دانوں نے بھی فصل کی اصلاح میں مدد دی۔ چنانچہ جہاں پہلے ریگستان تھا۔ وہاں اب فصلیں اگائی جانے لگیں۔ اس بات کو ملحوظ رکھنا اسلام کی روشن خیالی کی پالیسی ہی کا حصہ تھا کہ مذہب و ملت کی تمیز سے قطعِ نظر کھیت کے مزدوروں کو دل کھول کر مدد دی جاتی اور ان کی حفاظت بھی کی جاتی۔

نئی مملکتوں کے عُمّال (گورنر) ہمیشہ پہلے آبپاشی کے وسیلے کو اپنی تحویل میں لیتے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں جہاں زمینی ساخت اور موسم نے اجازت دی وہاں وہاں ہزاروں پون چکیاں اور پن چکیاں لگائی گئیں[1]۔ سینکڑوں نئی نہریں کھودی گئیں اور اتنی ہی پرانی نہریں از سرِ نو جاری کی گئیں۔ عرب جغرافیہ دانوں نے اکثر بتایا کہ خلیفہ دریا نکال رہا یا جاری کر رہا ہے[2]۔ درحقیقت یہ اشارہ نئی نہر بنانے یا پرانی نہر صاف کرنے کی جانب

---

[1] پن چکی کے پنکھ پر پانی کا دھارا زور سے گرتا ہے تو وہ حرکت میں آتی ہے۔ چکّی آٹا پیستی ہے اور پانی کا دھارا کھیت میں چلا جاتا ہے۔ پون چکّی کے پنکھ ہوا سے چلتے ہیں اور یہ پانی نکالنے کے کام آتی ہے۔ مغربی پاکستان میں مکران کے ساحلوں پر تجربتہً پون چکیاں لگائی جا رہی ہیں۔

(مترجم)

[2] مختلف طریقوں سے پانی کی تسخیر ـــــ پانی کے مصنوعی ذخیرے بنانے، بھال کی آبپاشی کا اہتمام کرنے اور نہریں کھودنے کی تحریک کے لیے قرآن میں نہایت واضح اشارات موجود ہیں۔ یہ دو آیات نسبتاً زیادہ معروف ہیں۔ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (ہم نے ہر جاندار شے پانی سے بنائی) اور سَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ (اس نے تمہارے لیے دریا مسخر کیے)۔

Marfat.com

ہوتا۔ آبپاشی سے جو نتیجہ برآمد ہوا اس کی مثال خراسان، شرق اُردن اور سجستان سے ملتی ہے جو مصر اور عراق ایسے دنیا کے زرخیز خطوں سے مقابلہ کرنے لگے۔ بخارا اور سمرقند کے درمیان زمین پر حقیقی جنت اتر آئی تھی ——— دادالسجود اور انہار عبداللہ سے سیراب ہونے والے باغات، قابلِ دید تھے۔ یہ نہریں بصرہ کے جنوب مشرق تک پھیلی ہوئی تھیں۔ ادھر دمشق کے اردگرد کا حصہ باغ کی صورت میں نمودار ہوا تھا۔ ان باغات میں مختلف قسم کے پھل، پھول اور سبزیاں اُگتی تھیں۔ ان میں کھجوریں، سیب، زیتون، آلو، ناشپاتیاں، کشمش، لیموں، سنگترے، انجیریں، انگور، مویباں، انار اور گلاب شامل ہیں۔ فارس اور الاہواز میں گنا پیدا ہوتا تھا۔ شکر صاف کرنے کے کام نے پھولتی پھلتی ہوئی صنعت کی شکل اختیار کر لی تھی۔ خصوصاً جنگِ صلیب و ہلال کے بعد جب یورپ میں اس کا رواج ہوا۔

مسلمانوں نے نہروں کا ایسا عمدہ جال بچھایا کہ جنگِ عالمگیر سے پہلے جب حکومت ترکیہ نے ولیم ولکاکس کو "العراق" کے مسائل آبپاشی کے مطالعے پر متعین کیا تو اس کی رپورٹ میں اس بات پر زور دیا گیا کہ نئی نہریں صاف کرنے کی بجائے پرانی نہریں صاف کی جائیں۔

عربوں نے ہسپانیہ فتح کیا تو کئی ہزار ایکڑ بے آب ویرانے نہروں سے سیراب ہونے لگے۔ ایسا قانونی ضابطہ وضع کیا گیا کہ کاشتکاروں کو منصفانہ طریقے سے پانی مل سکتا۔ جب تک زمین کو سیراب کرنے کی ضرورت نہ پڑتی نہر کے پھاٹک بند رہتے۔ پانی کی ضرورت

---

مسلمانوں نے اپنے عہدِ اقتدار میں صفِ اول کے آبیات دان (ہائیڈرولوجسٹ)، ماہرین علم آبِ رواں (ہائیڈرالکس) اور شعبۂ آب کے انجنیئر پیدا کیے۔

(مترجم)

Marfat.com

خاص خاص موسموں ہی میں پڑتی۔ پھر ایسا نظام بھی قائم تھا جس کے مطابق فالتو پانی اصل نہر میں لوٹا دیا جاتا اور کسی دوسرے وقت کام میں لایا جاتا۔

سائفن کے ذریعے پانی گزارنے کا اصول مسلمانوں کو معلوم تھا۔ ان کے تین سو سال بعد فرانس نے اسے دوبارہ دریافت کیا اور وسیع پیمانے پر آب رواں کے نظام میں استعمال کیا۔ ماردلا میں زمین تلے میل بھر لمبی اور تیس فٹ کے قطر کی آبی گزرگاہ بنا لی گئی جس کے ذریعے اُرگیٔ کا میدان سیراب کیا جاتا۔ ایک ہزار سال گزرنے پر بھی یہ تعمیر اچھی حالت میں موجود ہے۔

ابتدائی دور کے مسلمان کاشتکار کھاد کی اہمیت سمجھتے تھے اور وسیع پیمانے پر زمین کو کھاد دیتے تھے۔ تھیچر اور سول اپنی تالیف "جنرل ہسٹری آف یورپ" میں لکھتے ہیں: وہ سائنسی طریقے سے کھیتی باڑی کرتے تھے اور آبپاشی کا عمدہ نظام رکھتے تھے۔ کھاد کی قدر و منزلت جانتے اور زمین کے کوائف مدنظر رکھ کر فصل اُگاتے تھے۔

مسلمان نباتات دانوں نے پودوں میں اس کی حرکات سے آگاہ ہونے کے بعد بیج بونے کے لیے بہترین وقت کا مطالعہ کیا۔ پیوندکاری کے ذریعے انہوں نے بیج کی اصلاح بھی کی۔ انہیں پیوندکاری کے آٹھ طریقے معلوم تھے۔ تمام بڑے بڑے شہروں اور قصبوں میں زراعتی مدرسے تھے۔ یہاں جو معلومات حاصل ہوتیں کاشتکاروں تک پہنچا دی جاتیں۔ حیاتیات و نباتات کے ماہر اس امر سے آگاہ تھے کہ چھوٹے چھوٹے پودوں کو دھوپ کے مضر اثرات اور پھلوں کو نقصان دہ کیڑوں کے حملے سے کیسے بچایا جا سکتا ہے۔ تھیچر اور سول مسلمان زراعت دانوں کی تعریف کیے جا رہے ہیں۔

باغبانی میں مسلمانوں نے کمال کر دکھایا۔ انہیں پیوندکاری آتی تھی۔ نیز وہ پھولوں اور پھلوں کی نئی قسمیں اگانا جانتے تھے۔ انہوں نے مغرب میں مشرق کے کتنے ہی پیڑ

Marfat.com

پودوں کی کاشت کا آغاز کیا اور زراعت پر سائنسی کتابچے لکھے۔

مغرب میں جن اجناس کی کاشت شروع ہوئی۔ زیتون ان میں سے ایک ہے جس کی فصل ہسپانیہ میں اگائی گئی۔ مدتوں یہاں روغن زیتون کی صنعت وسیع پیمانے پر جاری رہی۔ جان ویلیم ڈریپر لکھتا ہے: "انہوں (مسلمانوں) نے نہ صرف پودے اگانے پر بلکہ نئے نئے پودے اگانے اور اسی کے پہلو بہ پہلو مویشی، بھیڑ بکریاں اور گھوڑے پالنے پر توجہ صرف کی۔ چاول، شکر اور کپاس ایسی بڑی بڑی اجناس کے لیے ہم ان کے مرہونِ منت ہیں۔ جیسا کہ ہم ابھی ابھی دیکھ چکے ہیں انہوں نے باغ کے تمام پھل نیز پالک اور زعفران ایسے کم اہم پودے بھی کاشت کیے۔ ریشم تیار کرنے کے لیے ہسپانیہ انہی کا ممنون ہے"۔

اسلامی ہسپانیہ کی زرعی پیداوار گھریلو ضرورت سے بڑھ کر تھی۔ اِشبیلیہ اس کی بڑی بندرگاہوں میں سے تھی۔ یہاں سے روغن زیتون اور کپاس دِساور بھیجی جاتی۔ مالقہ[1] سے بھاری مقدار میں زعفران، انجیر اور شکر درآمد کی جاتی۔

---

[1] مالقہ (رومن نام مالاکا) اسی نام کے صوبے کا صدر مقام تھا۔ قبل مسیح قرطاجنہ CARTHAGE کے دَور ہی میں یہ بہت بڑا شہر تھا۔ مسلمانوں نے اسے ۷۱۱ء میں فتح کیا۔ انہوں نے اسے اور بھی بڑا شہر اور عمدہ بندرگاہ بنا دیا۔ بڑی گہما گہمی رہتی۔ گلی کوچے اور بازار پُررونق تھے۔ یہاں سے بہترین انجیر برآمد کی جاتی۔ یہ پھل ہندوستان تک پہنچا۔ وادیُ المدینہ (شہر کی ندی) ایک جانب بہتی۔ شریف اِدریسی اور ابنِ بطوطہ نے اس شہر کا ذکر کیا ہے۔ رنگین کپڑے اور سنہری رنگ کے مٹی کے برتن بنانے کی صنعت کو بڑا فروغ ملا۔ یہاں کی عظیم الشان مسجد کو کھنڈر اور اس پر گرجا بنایا گیا ہے۔ اسلامی عہد کے چند آثار عیسائی حکمرانوں کے ستم کا شکار ہونے سے بچ رہے ہیں (مترجم)۔

Marfat.com

جوزف ہیل اپنی تالیف "عربوں کی تہذیب"[1] میں ہسپانیہ میں مسلمانوں کی زرعی ترقی کے بارے میں یوں رطب اللسان ہے ـــــــ

"مئی ۷۵۲ء عیسوی کے وسط میں مشرق سے الگ بنوامیہ نے ہسپانیہ پر اندلس[2] کے شہزادگان کی مانند تسلط جمایا۔ دو سو اسی سال تک ہسپانیہ میں ان کا عہد اسلامی کلچر کی گل افشانی کا دور تھا۔ ملک کو غضب کا اقتصادی فروغ حاصل ہوا۔ آبپاشی اور نہری تعمیرات کی بدولت چاول، گنے، کھجور، ناشپاتی اور انار ایسی مشرقی اجناس پیدا ہونے لگیں اور یوں دولت میں اضافہ ہوا۔ افریقہ اور ایشیا سے ان کی تجارت پروان چڑھی۔ اس کی ریشم کی صنعت میں ایک لاکھ تیس ہزار آدمی مصروف کار رہتے۔"

ہسپانیہ کی زراعت پر مسلمانوں کے اثر کا اندازہ ایک اور طرح بھی کیا جا سکتا ہے اور وہ یوں کہ موروں[3] کے جانے پر غرناطہ جس تباہی اور بربادی کا شکار رہا اس کا مقابلہ

---

[1] ARAB CIVILIZATION

[2] ماضی میں جزیرہ نمائے ہسپانیہ میں پرتگال کی مملکت بھی شامل تھی جسے یونانی آئی بیریا کہتے رومنوں نے اسے ہسپانیہ کا نام دیا۔ عربوں نے اسے اندلس کہا۔ بعض مؤرخ اسے عربی اور بعض عجمی لفظ قرار دیتے ہیں۔ بعض نے اسے نوح علیہ السلام کے نسب سے اندلس بن طوبال سے منسوب کیا۔ قیاس ہے کہ ایک وحشی قوم وندال یا "وندالس" سے اس کا تعلق ہے۔ اسی قوم کے نام پر اس اقلیم کا نام "وندالیکیۃ وندلیسیۃ" پڑ گیا جس سے اندلس کا نام وضع ہوا۔ (مترجم)

[3] مخلوط بربری اور عربی نسل کے مسلمان جو افریقہ کے شمال مغرب کی ریاستوں یا مراکش میں رہتے ہیں۔ یہ ہسپانیہ کے فاتح بھی تھے۔ بڑے جیالے، ذی ہوش اور دانشمند تھے۔ انہیں رسوا کرنے کے لیے فرنگیوں نے لفظ BARBARISM گھڑا ہے اور ہم نے بے سوچے سمجھے اسے اپنا لیا۔ بربریت بمعنی درندگی غلط لفظ ہے۔ اس طرح ہم بہادر بربروں کو گالی دیتے ہیں۔ (مترجم)

Marfat.com

پہلے کے خوشحالی کے دور سے کریں۔ مورخ کونڈ لکھتا ہے: "اور اس طور ہسپانیہ کی سرزمین سے وہ جری، دانشور اور روشن خیال لوگ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چلے گئے جنہوں نے عزم اور محنت سے ایسی سرزمین میں جان ڈال دی جسے اپنے کھوکھلے غرور کے باعث گوتھوں[1] نے بنجر کر کے رکھ دیا تھا۔ موروں نے اس سرزمین کو خوشحالی اور بہتات سے آشنا کیا یہاں بے شمار نہریں بنائیں۔ خوشی اور تباہی، دونوں ہی حالتوں میں ان کا قابلِ قدر حوصلہ یکساں رہتا۔ خلیفہ کے تخت کے لیے یہ بہت بڑا دفاعی حصار تھے۔ ان کی ذہانت، ترقی اور مطالعے نے شہروں میں ہمیشہ تک رہنے والے مینار قائم کیے جن کی شعاعیں یورپ میں پہنچیں۔ ان میں مطالعے کا جذبہ پیدا ہوا۔ ان کی ذی شان اسپرٹ نے تمام اعمال کو اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ شان و شوکت اور عالی ظرفی کے اعتبار سے یہ رنگ بے نظیر تھا۔ آنے والے زمانے کی نظر میں یہ غیر معمولی عظمت اور بہادری کے سحر آفریں روپ سے مزین رہی۔"

لین پول اپنی تالیف "ہسٹری آف دی مورز اِن سپین" میں اس طریق کار پر تبصرہ کرتا ہے جس سے مسلمانوں کی انجینئری کی مہارت نے ملک میں زراعت کی ترقی میں مدد دی اور لین پول غرناطہ کے سقوط کے بعد اسی ملک کی مایوس کُن تصویر یوں کھینچتا ہے ــــ

> "غرناطہ فتح ہوا تو اس کے ساتھ ہی ہسپانیہ کی عظمت بھی زوال کا شکار ہوئی۔ کچھ مدت تک تو موروں کی شان و شوکت کی پرچھائیاں ہسپانیہ کی تاریخ پر ہالۂ نور بنی رہیں لیکن پھر شکست و ریخت کی ہیبت چھا گئی۔ ہسپانیہ ہمیشہ

---

[1] جرمنی کی ایک غیر مہذب قوم جس نے تیسری اور پانچویں صدی میں اطالیہ، فرانس اور ہسپانیہ میں حکومتیں قائم کیں اور آثارِ تمدن برباد کیے۔ (مترجم)

Marfat.com

کے لیے کلیسائی عدالتوں کے وحشیانہ دَور اور جہالت کی تاریکی میں ڈوب گیا۔ وہی سرزمین جہاں کبھی سائنس کو اقتدار حاصل تھا اب جہالت اور گمنامی کے سوا اور کسی شے سے اس کی یاد باقی نہ رہی۔ طُلیطلہ اور المریّہ کے فنون بے معنی ہوکر رہ گئے۔ زمین مُوروں کے ماہرانہ نظامِ آبپاشی سے محروم ہوئی تو بیکار ہوئی اور غفلت کا شکار ہوئی۔ زرخیز ترین اور شاداب ترین وادیاں بے جان اور کھنڈر ہوگئیں۔ اندلس (ہسپانیہ) کے ہر ضلع میں گنجان آباد شہر تھے یہ شہر پامال ہوئے، روبہ زوال ہوئے۔ عالموں، سوداگروں اور تنہ زوروں کی جگہ گداگروں، راہبوں اور ڈاکوؤں نے لے لی۔ جب مُوروں کو نکال دیا گیا تو ہسپانیہ کا بُرا حال ہوا۔ یہ ہے وہ اندوہناک تقابل جو تاریخ پیش کرتی

---

۱؎ المریّہ AL[illegible] آجکل ایک صوبہ ہے۔ مسلمانوں کے آخری دَور میں غرناطہ کا مشرقی حصّہ تھا۔ اس میں سے تین دریا گزرتے ہیں۔ سمندر کے قریب کی گھاٹیوں میں زراعت خوب ہوتی ہے۔ لیموں اور بادام کے درخت بہ کثرت ملتے ہیں۔ یہاں لوہے، تانبے، پارے، جست اور گندھک کی کانیں بھی بہت تھیں۔ جبل الشیرا سے سنگ مرمر بھی نکلتا تھا۔ یہ شہر نرم و شاداب زمین پر آباد ہوا۔ قلعہ خیران کے چار مینار صدہا سال گزرنے پر بھی بڑی شان سے اپنا سر بلند کیے ہوئے ہیں۔ مضبوط شہر پناہ، برجوں اور مورچوں سے شہر کو مستحکم و محفوظ کیا گیا۔ طارق کی فتوحات کے عہد میں پہلی صدی ہجری کے آخر میں مسلمانوں نے اسے فتح کیا۔ یہاں کی ترقی کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ صرف ریشمی پارچات کے آٹھ سو کارخانے تھے۔ دریائے المریّہ پر پن چکیاں نصب کی گئیں۔ بندرگاہ پر اسکندریہ اور شام تک سے جہاز آمد و رفت رکھتے۔ اندلس بھر کے سب سے بڑے تاجر اور اہلِ ثروت یہیں رہتے تھے مسلمانوں نے ۷۹۰ سال یہاں حکمرانی کی۔ (مترجم)

Marfat.com

ہے۔"

# اسلام اور ملکیت زمین

زراعت کو ترقی دینے کے لیے زمین کو سیراب کرنا یا اس میں کھاد ڈالنا کافی نہ تھا بلکہ زمین پر کام کرنے والوں کو مطمئن کرنا بھی ضروری تھا۔ یہاں بھی مذہب اسلام کا عملی پہلو ثمرور ثابت ہوا۔ قرآن حکیم میں ان الفاظ سے زراعت کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے:

"زمین پر تمہارے لیے مسکن ہے اور وقت معینہ تک خورد و نوش کا سامان ہے۔" (سورہ ۲، آیت ۳۶)

اور لوگوں کو زمین پر محنت و مشقت سے کام کرنے پر بار بار زور دیا گیا ہے قرآن حکیم میں ہم پڑھتے ہیں، " ان لوگوں کی کہانی جو اپنی دولت خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور یہ اناج کی کہانی سے ملتی جلتی ہے جس کی سات بالیں ہوتی ہیں۔ ہر بالی میں سو دانے ہوتے ہیں اور اللہ جن کے لیے چاہتا ہے بہتات کر دیتا ہے۔"

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار فرمایا: " زمین نے جو چھپا رکھا ہے اس میں اپنی قسمت ڈھونڈو!" (ترمذی بھی دیکھیے) "جابر ابن عبداللہؓ سے امام مسلم روایت کرتے ہیں، حضور صلعم نے یہ بھی فرمایا کہ جو " مسلمان پودا لگاتا ہے اور سبزیاں اگاتا ہے وہ خدا سے معاوضہ پاتا ہے۔"

جہاں تک زمین کی صحیح تقسیم کا مسئلہ ہے پیغمبر اسلام صلعم کی حدیث ہے: " اگر کوئی آدمی زمین کے کسی ٹکڑے کا مالک ہو تو وہ خود اس میں کھیتی باڑی کرے یا پھر اپنے بھائیوں کو مفت دے دے اور اگر یوں نہ کرے تو پھر زمین کو بے کار نہ پڑا رہنے دے۔"

Marfat.com

پیغمبر اسلام صلعم نے محسوس کیا کہ ایک فرد کے پاس اتنی ہی زمین ہونی چاہیے جتنی اس کے کنبے کی پرورش کے لیے ضروری ہو۔ باقی زمین بے زمین لوگوں میں بانٹ دینی چاہیئے جو اپنی بہترین صلاحیت کے مطابق اس میں کھیتی باڑی کریں ایک دوسرے موقع پر پیغمبر اسلام صلعم نے فرمایا "جتنا کوئی کام کرتا ہے اس سے زیادہ اسے معاوضہ نہیں ملنا چاہیئے"۔

جب نئے علاقے فتح کیے گئے تو زمینیں جُوں کی توں وہیں کے اصل باشندوں کی ملکیت میں رہنے دی گئیں اور ان سے اسی قدر لگان وصول کیا جانے لگا جو وہ پہلے ادا کیا کرتے تھے۔ اس ٹیکس کی بدولت مسلمانوں پر ان کی حفاظت کی ذمہ داری عائد ہوتی۔

پیغمبر اسلام صلعم نے تسخیر کے دوران میں مسلمان سپاہیوں کو سختی سے ہدایت دی کہ وہ پیڑ یا فصلیں تباہ نہ کریں۔ انہیں دشمن کے ان کاشتکاروں کو ہلاک کرنے کی اجازت بھی نہ دی جو پُرامن رہ کر کام کرتے رہے۔ پیغمبر اسلام صلعم کی اس مثال ہی کا اثر تھا کہ جب ۶۳۲ عیسوی میں حضرت اسامہ بن زید کی قیادت میں شام میں پہلی بار لشکرِ اسلام بھیجا گیا تو خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے اور دوسرے جرنیلوں کے نام یہ فرمان جاری کیا۔

"دیکھنا، سفّاکی سے احتراز کرنا، کسی طور صداقت کا دامن نہ چھوڑنا، کسی شخص کی شکل وصورت مسخ نہ کرنا ____ عورت، بوڑھے اور بچّے کو ہلاک نہ کرنا۔ کھجور کے پیڑ کو نقصان پہنچانا نہ اسے جلانا۔ جس پیڑ سے آدمی یا حیوان کو روزی یا خوراک ملتی ہو اسے مت کاٹنا۔ مویشیوں اور بھیڑ بکریوں کے گلّوں یا اونٹوں کو ذبح نہ کرنا تاوقتیکہ جینے کے لیے ایسا کرنا ضروری نہ جانو۔"

قرونِ اولیٰ کے مسلمان محسوس کرتے تھے کہ زمین اللہ کی بنائی ہوئی ہے۔ لہٰذا

Marfat.com

مسلمانوں کو چاہیے کہ اسے سب کے مفاد کی خاطر کام میں لائیں۔ قرآن حکیم کا بہ غائر مطالعہ کرنے سے یہ بات عیاں ہوگی کہ جاگیرداری اسلامی اصول کے منافی ہے۔ علاوہ ازیں کتاب اللہ میں ایک بھی آیت ایسی نہیں جو زرعی اصلاحات کے منافی ہو۔ اس باب میں اور تمام دوسرے معاملات میں ملت سب پر فائق ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ آج کوئی اسلامی ملک ایسی معقول اور دانشمندانہ زرعی پالیسی نہ اختیار کرے جو بیسویں صدی کے حالات کے پیش نظر وضع کی گئی ہو اور حضرت ابوبکرؓ یا حضرت عمرؓ کے زریں عہد اسلام میں رائج رہی ہو۔

---

Marfat.com

# اسلام، فنونِ شریفہ اور فنونِ لطیفہ

## اسلام اور فلسفہ

پہلے دو ابواب میں قاری پر کسی حد تک واضح کیا گیا ہے کہ اسلام نے سائنسی معلومات اور صنعتی فنون کی ترویج و ترقی میں کیا حصّہ لیا۔ اس باب میں فنونِ شریفہ میں مسلمانوں کی فتوحات پر توجہ منعطف کروائی جائے گی۔ اس کے بعد بہ حیثیتِ مجموعی اسے تعلیم کے بارے میں مسلمانوں کے نظریات کی جانچ پڑتال کے لیے مدعو کیا جائے گا۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اسلامی علم و دانش کے دورِ عظمت میں کوئی ایک مضمون ہوا بند کمرے میں الگ کر کے نہیں رکھا گیا تھا۔ متخصصین تو ہوتے تھے لیکن اپنی گرد و پیش کی دنیا کے بارے میں ان کا ذوق و شوق جو انہیں کیمیادان یا منجم بنا سکتا، لاریب یکساں طور پر فلسفی بھی بنا دیتا۔ عمر خیام انہی میں سے ایک تھا[1]۔ مغرب میں وہ شاعر اور فلسفی کی حیثیت سے معروف ہے لیکن اس کی شہرت کی بنیاد اس دعوے پر ہے کہ اس نے منجم اور ریاضی دان کی حیثیت سے نہایت نمایاں اور اونچے پایے کا اور جنل کام کیا۔ مورخ ابنِ خلدون بیک وقت فلسفی اور وقائع نگار تھا۔ حطّی اس کی نسبت کہتا ہے: "عظیم ترین مورخ فلسفی جسے اسلام نے پیدا کیا اور جو ہر زمانے کی عظیم ترین ہستیوں

---

[1] اہلِ مغرب نے ازرہِ تعصب سائنسدان عمر خیام کو نظر انداز اور شاعر عمر خیام کو قبول کیا۔ (مترجم)

Marfat.com

میں سے ایک ہے" ایک اور مسلمان اسکالر جس نے خود کو فقط سائنس کے مطالعے تک محدود نہیں رکھا طبیب ابن رشد تھا۔ اس کی نسبت حتّی کہتا ہے: "طبیب کی حیثیت سے ابن رشد کی ذات پر وہ ابن رشد چھا گیا جو فلسفی اور مفسّر تھا۔"

ابن رشد کے کام کی نسبت بھی کچھ کہنا چاہیے۔ اس کی سب سے بڑی تالیف کی نسبت کئی مسلمان آج اسے بدعت قرار دیتے ہیں۔ حتّی کسی طور بھی ابن رشد کی عقل پرستی کو مسلمانوں کے عقائد کے خلاف نہیں سمجھتا کیونکہ وہ اسلام کو نہایت معقولیت پسند مذہب قرار دیتا ہے۔ فرانس کا پروفیسر مونیت اسی نکتے کو بڑے شد ومد سے ابھارتا ہے اور کہتا ہے: "اصطلاح کے وسیع ترین مفہوم، لسانیات اور تاریخ کے اعتبار سے اسلام ہی ایسا مذہب ہے جو معقولیت پسند ہے۔ ایک ایسا نظام جس کی بنیاد ان عقائد و اصول پر ہو جن میں دلیل موجود ہو اس کے حوالے سے معقولیت پسندی کی جو تعریف بنتی ہے اس کا اطلاق صحیح طور پر اسلام پر ہوتا ہے۔"

ابن رشد نے اپنے فلسفیانہ کام میں جو طریق کار اختیار کیا ہے غالباً یہی تعریف یکساں طور پر اس پر بھی پوری اترتی ہے۔ حتّی محسوس کرتا ہے کہ ابن رشد کی تحریروں کا بیشتر حصہ جسے کافرانہ خیال کیا جاتا ہے اس نے کبھی لکھا ہی نہیں۔ کمتر درجے کی کثیر تحریریں جو دوسرے مصنفوں کی لکھی ہوئی ہیں غلطی سے اس کے نام سے منسوب کی گئی ہیں۔ حتّی یہاں تک کہتا ہے: "اس کے نام تلے محاسن اور غلط فہمیوں کے جو انبار لگ گئے ہیں ان سب کے باوجود جدید تجرباتی سائنس کے معرض وجود میں آنے تک یورپ کے فکر میں ابن رشد کا عمل دخل رہا۔"

ابن رشد کو یورپ والے ایوی روز کے نام سے جانتے پہچانتے ہیں۔ مقابلہ کریں تو اس کی دانش بہت زیادہ قابل قدر معلوم ہوتی ہے کیونکہ ازمنۂ وسطیٰ میں اس کے ہمعصر عیسائی کیمیا دان (مہوس)، ابھی تک ٹامک ٹوئیے مار رہے اور پارس ڈھونڈ رہے

Marfat.com

تھے جس کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ یہ ادنیٰ دھاتوں کو سونے میں بدل دیتا ہے اس سلسلے میں حکمت و فلسفہ کا استعمال اصطلاحی نام کی نوعیت کے اعتبار سے اس امر کو مزید عیاں کرتا ہے کہ اس میں تمام علوم و فنون شامل تھے۔ اصل یونانی میں "فلاسفی" کے معنی حکمت اور دانش کی محبّت تھا، اس میں کسی خاص حکمت و دانش کی تخصیص نہ تھی۔ آج ہم اس لفظ کے استعمال سے ایسے فنون اور ذہنی اسالیب مراد لیتے ہیں جن کے باعث ابنِ رشد اور وہ پیشرو جو عین اس سے پہلے بارہویں صدی میں اندلس میں رہتے تھے، ممتاز ہوئے۔ یہ ابنِ ماجہ اور ابنِ طفیل تھے[1]۔ فلسفے کی تاریخ میں اسلامی اندلس کی بارہویں صدی کو عظیم ترین صدی مانا جاتا ہے۔ بلاشبہ یہی وہ زمانہ ہے جب مسلمان علماء نے مغربی افکار پر سب سے زیادہ اثر ڈالا۔

---

[1] ابوبکر محمد ابن عبدالملک ابنِ طفیل غرناطہ کا معروف اور یکتائے روزگار طبیب ۱۱۰۳ء میں پیدا ہوا اور اس نے ۱۱۸۵ء میں وفات پائی۔ تمام عمر تحصیلِ علم و فن میں مصروف رہا۔ مراکش کے فرماں روا ابو یعقوب نے اسے اپنا وزیر اور طبیب مقرر کیا۔ یہاں اسے اس نایاب کتب خانے سے استفادے کا زرّیں موقع ملا جو شاہی محل میں موجود تھا۔ اس زمانے کے سلاطین اور امراء و رؤساء بھی علم و فن کے عاشق تھے، انہیں کتابیں جمع کرنے کا جنون ہوتا۔

ابنِ طفیل نے "حیّ ابنِ یقظان" کے نام سے ایک کتاب لکھی جس نے یورپ کے ادب پر بڑا اثر ڈالا۔ یہ دو افراد کی دلچسپ داستان ہے جن میں ایک فرد اصولِ فطرت کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے، دوسرا راحت اور تکلّف سے رہتا ہے۔ سترھویں صدی میں اس کتاب کو لاطینی میں منتقل کیا گیا۔ بعد ازاں کئی دوسری زبانوں میں ترجمے ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے حکیمانہ انداز سے متاثر ہو کر بعد ازاں انگریزی ناول "رابنسن کروسو" لکھا گیا۔ (مترجم)

Marfat.com

سر اڈورڈ تھورپ نے اپنی تالیف "اے ہسٹری آف کیمسٹری" (تاریخ کیمیا) میں یوں رقمطراز ہے: "اندلس کی خلافتِ اسلامیہ نے یوسف اور یعقوب کے محیرانہ دورِ اقتدار میں سائنس کو مٹنے سے بچایا۔ مغربی یورپ میں قرطبہ، اشبیلیہ، غرناطہ اور طلیطلہ تحصیلِ علم و فن کے بڑے مرکز تھے۔ ابنِ رشد (۱۱۲۶ سے ۱۱۹۳ عیسوی تک) جو زیادہ تر "ایوی روز" کے نام سے معروف ہے نہایت کامل اور ذی شان طبیعات دان تھا۔ اسی کی بدولت روجر بیکن ایسے عیسائی علماء نے ارسطو کے نظامِ فلسفہ کے بارے میں بیشتر آگاہی پائی[1]۔ مسلمان مفکرین ابنِ جابر اور بوعلی سینا کے ذریعے انہوں نے مشرق کی نسبت علم حاصل کیا۔

فرانسیسی مورخ ارنسٹ رینان ایوی روز یعنی ابنِ رشد کو اس قدر اہم خیال کرتا ہے کہ اس نے اپنی کتاب کا بیشتر حصہ اس مفکرِ اسلام اور ان کے افکار کے لیے وقف کر دیا ہے۔ اس کی تالیف "ابنِ رشد اور ابنِ رشدیت" دیگر اوصاف کے علاوہ اس شاندار رواداری پر زور دیتی ہے جس سے قرطبہ کے ماحول کو ممتاز حیثیت حاصل رہی۔ اسی ماحول میں ابنِ رشد لکچر دیا کرتا۔

## اسلام اور فنِ تاریخ نویسی

---

[1] فرانسیسی مورخ بریفالٹ اپنی کتاب "دی میکنگ آف ہیومینیٹی" (تعمیرِ انسانیت) میں روجر بیکن کی نسبت یہ کہتا ہے: "مسیحی یورپ میں وہ اسلامی سائنسی طریق کار کے سلسلے میں ایک پیغمبر سے کم مرتبہ نہ رکھتا تھا۔ وہ اپنے معاصرین سے یہ کہتے کہتے نہ تھکتا تھا کہ صحیح علم کے لیے ایک ہی طریقہ ہے کہ عربی زبان سیکھی اور عربی علم حاصل کیا جائے۔"

Marfat.com

زندگی کے بارے میں صحیح فلسفی کے بارے میں نظریہ رکھنے والے مسلمان تاریخ نویس تھے۔ مسلمان مؤرخین میں تین نام غیر معمولی طور پر ابھرتے ہیں۔ سب سے پہلے ابوالحسن علی المسعودی کا نام آتا ہے جسے عربوں کا ہیرودوطس (ہرؔدوط) کہتے ہیں۔ اس عظیم یونانی مورخ کی طرح المسعودی بھی عربوں کی تاریخ کی بزرگ ہستی ہے لیکن اسے جو حقائق دستیاب ہوتے ہیں انہیں مختلف طریقے سے پیش کرتا ہے، اس نے موضوعاتی طریقہ رائج کیا۔ اس نے ماہ وسال اور تاریخوں کے اردگرد واقعات جمع نہیں کیے بلکہ لوگوں اور خاندانوں کے اردگرد جمع کیے، پھر وہ پہلا مورخ ہے جس نے تاریخ کی کتاب میں جان ڈالنے کے لیے واقعات سے خوب کام لیا۔

باقی دو نام —— ابن خلدون اور طبری ہیں۔

ابن خلدون بلاشبہ تینوں میں سب سے زیادہ نامور ہے۔ اس کی وجہ شہرت "مقدمہ" ہے جس میں پہلی بار اس نے تاریخی ارتقار کا نظریہ پیش کیا —— اس نے موسمی اور جغرافیائی عوامل نیز زندگی میں جو اخلاقی اور روحانی قوتیں کارفرما رہتی ہیں انہیں بجا طور پر ملحوظ رکھا۔ لاریب ابن خلدون کو بآسانی عمرانیات کا حقیقی بانی کہا جا سکتا ہے کیونکہ یہ پہلا آدمی ہے جس نے قوم کے عروج و زوال کے اصول معلوم کیے۔ فلپ حتّی کے الفاظ میں "کسی عرب مصنّف نے نہ کسی یورپین نے اس جامع اور فلسفیانہ انداز سے تاریخ لکھی"۔

یورپ پر عرب مورخین کا جو احسان ہے ایک اور مورخ بہ الفاظِ ذیل اس کا ذکر کرتا ہے ——

"وہ (عرب) بدیں وجہ دائمی تشکر کے مستحق ہیں کہ انھوں نے یونانیوں اور ہندوؤں کا علم محفوظ کر لیا جبکہ ثانی الذکر کوئی نئی بات پیدا نہیں کر رہے تھے۔ اس وقت یورپ اتنا جاہل تھا کہ علم کے گراں قدر شعبے کو سنبھال نہ سکتا تھا۔ عرب مورخین

Marfat.com

کا نام اور کام مٹا دیں تو یورپ میں احیائے علوم کی تحریک کئی صدیوں تک تھمی رہتی"۔
فرینز روزینتھل اپنی تالیف "ہسٹری آف مسلم ہسٹوریوگرافی" میں یوں رقمطراز ہے

"اسلامی فنِ تاریخ نویسی کا ہمیشہ دائرہ اسلام میں عمومی سطح پر ہونے والی علمی ترقی سے قریب ترین رشتہ استوار کیا گیا۔ اسلامی تعلیم و تدریس میں تاریخی علم کے شمول اور حکمت و دانش کے اعتبار سے تاریخ نویسی کے معیار پر یقیناً اثر ڈالا۔ تاریخ کے ذریعے عمرانیاتی سوجھ بوجھ پیدا کرنے اور تاریخ نویسی میں نظم و ترتیب قائم کرنے میں مسلمان قطعی طور پر تاریخ کے سابقہ مورخوں پر سبقت لے گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جدید تاریخ نویسی میں اسلامی لٹریچر کے استعمال سے رفتارِ کار اور مواد کے لحاظ سے خاص فائدہ پہنچا ہے۔ اس طرح سترہویں صدی اور اس کے بعد غیر ملکیوں کی آنکھ سے دنیا کا بیشتر حصہ دیکھنے کی توفیق ہوئی۔ تاریخ کے شعبے میں عہدِ حاضرہ کی سوچ کی تشکیل میں اسلامی فنِ تاریخ نویسی کی بدولت بالواسطہ طور پر معقول حد تک مدد ملی ہے"۔

مسلمان مورخ سیر حاصل لکھنے والے تھے۔ ایک جرمن مستشرق نے ذاتی طور پر اسلام کے اولین ایام کی لکھی ہوئی پانسو نوے عربی کتابیں جمع کیں۔ کشف الظنون کا مصنف ایک ہزار تین سو ایسی کتابوں کی فہرست دیتا ہے جو عہدِ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں ضبطِ تحریر میں لائی گئیں۔ ان کتابوں میں سے الطبری کے بارے میں عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ عربی فنِ تاریخ نویسی میں گلفشانی کا بہترین نمونہ پیش کرتی ہے۔ طبری نے دنیا کی ابتدا سے ۹۱۵ عیسوی تک کی تاریخ لکھی ہے۔ روزینتھل کہتا ہے: "اس میں سے تاریخ عالم باقی تاریخوں میں سب سے اہم تر ہے۔ الطبری میں کمال کی تفصیل موجود ہے اس میں ایک عالمِ دین کے نہایت پیچیدہ اور انتھک کام کا سراغ ملتا ہے۔ ایک فقیہہ

Marfat.com

کی لگن اور صحت پسندی نیز سیاسی معاملات میں اس کی بے نظیر بصیرت کا پتا چلتا ہے۔"
ذیل کے واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ الطبری علم برائے علم کے نظریے کا قائل تھا۔ ایک بار خلیفۂ بغداد نے مورخ کو عزت بخشنے اور پانچ ہزار طلائی دینار پیش کرنے کی خواہش کی۔ اس سلسلے میں وزیر اعظم بہت بڑے جلوس کے ساتھ شہر کے بازاروں میں سے گزرا اور پھر اس جھونپڑے پر سینکڑوں لوگ ہجوم کر آئے جہاں وہ بوڑھا آدمی یہ دیکھنے کو جی رہا تھا کہ اس کی محنت کی قدر ہو گی۔ الطبری نے یہ کہہ کر تحفہ لینے سے انکار کیا کہ علم کے باب میں اس کی خدمات کسی قسم کے معاوضے کا تقاضا نہیں رکھتیں۔ ایک وقت وہ ایسا مفلس ہوا کہ روٹی کے لیے اسے اپنی قمیص بیچنی پڑی لیکن بڑی سے بڑی تکلیف بھی اسے اپنی محنت کا معاوضہ لینے پر مجبور نہ کر سکی۔ پچاسی سال کی عمر میں وہ کنگال ہو کر مرا لیکن ہمعصروں نے اس کا احترام کیا۔
تاریخ عالم کے علاوہ طبری نے قرآن کی دو ضخیم تفسیریں لکھیں جو تین تین ہزار صفحوں پر مشتمل تھیں۔ آج بھی انہیں معیاری مانا جاتا ہے۔

## اسلام ادب اور کتب خانے

بڑے بڑے تمام مسلمان عالم مصنف بھی تھے اور معلم بھی۔ دوسروں کے فائدے کی غرض سے وہ اس امر پر آمادہ رہے کہ ان ولولہ انگیز علمی انکشافات کو سپرد قلم کرتے رہیں جو انہی نے کیے۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں مسلمانوں کے کاغذ بناتے کے کارخانے ایسا کاغذ تیار کرتے تھے جن پر یہ کتابیں لکھی جاتی اور نقل کی جاتی تھیں۔ قرون اولیٰ میں مسلمان کتابوں کا بڑا احترام کرتے تھے۔ اسی احترام سے عربوں کی ادبی فتوحات کا علم ہوتا ہے۔
کتنے ہی کتب فروش تھے جو ہزاروں لوگوں کے ہاتھوں نقل شدہ کتابیں فروخت

Marfat.com

کرتے۔ انہی کے پہلو بہ پہلو نجی کتب خانوں کو بھی کتابیں دیتے۔ نجی کتب خانوں میں الموصل کا کتب خانہ سب سے زیادہ معروف تھا۔ یہاں اسکالروں کو مفت کاغذ مہیا کیا جاتا۔ اسی زمانے میں بصرہ میں کتب خانے کے بانی نے اس میں آکر کام کرنے والوں کو بھی کھول کر وظائف دیے، پھر جب اندلس پر مسلمان قابض ہوئے تو سب سے زیادہ یہیں کے لوگوں کو نجی اور سرکاری کتب خانوں سے فائدہ پہنچا۔ تیرھویں صدی میں قرطبہ کی لائبریری میں چار لاکھ اور چھ لاکھ کے درمیان کتابیں تھیں لیکن مسیحی یورپ میں کیتھولک انسائیکلوپیڈیا کے بموجب ایسی کوئی لائبریری نہ تھی جس میں دو ہزار سے زائد کتابیں ہوتیں۔

قاہرہ کے بیتُ الحکمت میں بیس لاکھ کتابیں تھیں۔ طرابلس کے کتب خانے میں تیس لاکھ کتابیں تھیں۔ ان میں پچاس ہزار نسخے قرآنِ پاک کے تھے۔ پہلی صلیبی جنگ میں عیسائیوں نے یہ کتب خانہ نذرِ آتش کیا[1]۔

الحکم کے کتب خانے میں چالیس شعبوں میں کتابیں چُنی گئی تھیں اور ہر شعبے میں اٹھارہ اٹھارہ ہزار کتابیں تھیں۔ ایک اور لائبریری خزینۃُ الکُتُب تھی۔ ایرانی فرماں روا عضدُالدولہ نے ۹۸۴ عیسوی میں اسے قائم کیا۔ اس کی عمارت تین سو ستر خوشنما کمروں پر مشتمل تھی اور ایک شاندار سیرگاہ میں واقع تھی۔ یہاں ایک نفیس پویلین بھی تھا۔ ظاہر ہے کہ ان دنوں ادب کو بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔

---

[1] عیسائی مصنفین نے اکثر الزام لگایا ہے کہ جب عمرو بن العاص نے مصر فتح کیا تو عربوں نے اسکندریہ میں عظیم یونانی کتب خانہ تباہ کیا درآنحالیکہ تازہ تحقیق نے اس الزام کو بے بنیاد ثابت کر دیا ہے کتاب کے ضمیمے میں اس کے اسباب بیان کیے گئے ہیں۔
اس سلسلے میں علامہ شبلی نعمانی کا کتابچہ "اسکندریہ کا کتب خانہ" لائق مطالعہ ہے۔
(مترجم)

Marfat.com

مرو میں ایک عظیم الشان کتب خانہ تھا جہاں جغرافیہ دان یاقوت نے مواد جمع کرنے میں کئی سال صرف کیے اور پھر جب چنگیز خاں کے منگولی لشکر نے حملہ کیا تو یہ بھاگ گیا۔ علاوہ ازیں بغداد، رہرمز، بصرہ، رے، بلخ، بخارا اور غزنی میں بھی ایسے کتب خانے تھے جن کی بڑی شہرت تھی۔ ان نفیس عمارتوں کے ڈیزائن اس انداز کے تھے کہ علم و ادب کی مسرتوں سے آہنگ قائم رہے۔ متعدد بلند پایہ اصحاب نے اپنی کتابیں عوام کے لیے وقف کرنے کی وصیت کی۔ ان میں مورخ الخطیب کا نام بھی آتا ہے۔ اس کی یاد میں ایک کتب خانہ قائم کیا گیا۔ یہ کتب خانے صرف کتابوں کے حفاظت خانے ہی نہیں تھے بلکہ ان میں عوامی مباحثوں کے لیے لیکچر ہال اور جلسہ گاہیں بھی تھیں۔

مسجدیں بھی کتب خانوں کا کام دیتیں۔ چنانچہ پورے دور اسلام میں ہر خواہشمند کو کتابیں میسر آتیں۔ ابن سینا، ابن مسکویہ اور الشبسطی ایسے عالم اور فاضل مہتمم کے طور پر کتب خانوں میں کام کرنے میں فخر محسوس کرتے۔

اہل ثروت بالعموم اپنے طور پر کتب خانے رکھتے۔ مورخ گبن ایک مسلمان طبیب کی کہانی بیان کرتا ہے جس نے سلطان کی دعوت محض اس لیے مسترد کر دی کہ اسے اپنی کتابیں ساتھ لے جانے کے لیے چار سو اونٹ درکار تھے۔

خلیفہ ہارون الرشید کے بارے میں جو باتیں مشہور ہیں ان میں سے ایک یہ بات ہے کہ وہ علم و فن کا بڑا دلدادہ تھا اور نایاب کتابیں اکٹھی کرنے میں ممتاز مقام رکھتا تھا۔

رومن شہنشاہ نیسیفورس کو متعدد لڑائیوں میں شکست دینے کے بعد خلیفہ نے اسے خط لکھا جس میں کہا تھا ـــــ

"میں نے تمہاری سلطنت کا ایک بڑا حصہ فتح کر لیا ہے اور اب اس کی ملکیت

Marfat.com

بہراحق ہے لیکن اگر تم وعدہ کرو کہ ادب اور سائنس کے موضوع پر تمہاری سلطنت میں جتنی کتابیں ہیں ان کی نقلیں مجھے دے دو گے تو میں بخوشی تمہیں مفتوحہ علاقے لوٹا دوں گا۔" رومن حکمران نے بخوشی خلیفہ کی درخواست قبول کرلی۔ خلیفہ نے مفتوحہ علاقے لوٹا دیے اور رومن سلطنت کے تمام کتب خانوں میں ادب اور سائنس کے موضوع پر جتنی کتابیں تھیں انہیں نقل کرنے کے لیے مسلمان عالموں کو روانہ کیا۔ اس کا بیٹا المامون بھی بڑا عالم تھا اس نے رومن سلطنت کے کتب خانوں کی کتابیں نقل کرنے کا کام جاری رکھا۔

ونھروپ ریڈ اپنی مشہور کتاب "آدمی کی شہادت" میں مسلمانوں کے علم و فضل کی تعریف بدیں الفاظ کرتا ہے ــــــ

"ایک وہ وقت تھا کہ یورپ میں کتابوں کا سخت کال تھا۔ تب اگر کسی شخص کے پاس کتاب ہوتی تو وہ اسے کلیسا کے حوالے کر دیتا اور اپنے گناہ بخشوانے کے لیے قربان گاہ پر چڑھا دیتا۔ کسی کلیسا کی تحویل میں تین چار سو قلمی نسخے ہوتے تو وہ اس شاندار تحفے کی بناء پر بیش بہا سمجھا جاتا۔ تب یورپ میں شاید ہی کوئی ایسا پادری تھا جو لاطینی کتابیں اپنی مادری زبان میں منتقل کر سکتا۔ پھر جب کسی راہب نے اطالیہ میں ریاضی کے الٹے پلٹے گر سیکھ لیے تو لوگ اسے جادوگر سمجھنے لگے۔ اسی زمانے میں مسلمانوں کا ایسا ملک بھی تھا جہاں ہر بچے کو لکھنا پڑھنا سکھایا جاتا، جس کے ہر شہر اور قصبے میں عوامی کتب خانہ تھا اور جہاں کتابیں جمع کرنے کا شوق جنون کی حد تک پہنچ چکا تھا۔"

عظیم جغرافیہ دان الیعقوبی بتاتا ہے کہ اس کے زمانے میں بغداد کے صرف ایک کوچے میں کتب فروشوں کی ایک سو دکانیں تھیں۔

Marfat.com

اندلس ایک ایسا ملک تھا جہاں خصوصیت سے قرطبہ میں مسلمانوں کے ادبی کارنامے نقطۂ عروج کو پہنچے۔ لین پول "اندلس کے موروں کی تاریخ" میں بتاتا ہے کہ اس زمانے میں ہر شخص کی زبان پر شعر ہوتا۔

"یورپ میں کبھی پہلے ایسا وقت نہیں آیا کہ شاعری ہر شخص کا اتنا پسندیدہ موضوعِ گفتگو ہو۔ اندلس میں ہر طبقے کے لوگ عربی شعر کہتے جو اطالیہ اور پروونس کے مغنّی شاعروں اور اندلسی گویّوں کے گیتوں اور گانوں کے لیے نمونہ بن جاتے۔ اندلسی خطیبوں کی کوئی تقریر اس وقت تک مکمل نہ ہوتی جب تک عین اسی لمحے کوئی شعر فی البدیہہ نہ کہا جاتا یا پھر حافظے کے زور پر کسی معروف شاعر کے شعر کا حوالہ نہ دیا جاتا۔"

فلپ حتّی اپنی تالیف "عربوں کی تاریخ" میں یورپ پر عرب شعراء کے احسان کا اعتراف کرتا ہے۔ وہ نثر پاروں پر عربی ادب کے اثر کا بھی ذکر کرتا ہے۔

"اندلسی ادب میں جو غضب کا سرابِ خیال (فینتاسیہ) ملتا ہے وہ اسی طرح عربی اصل کی غمازی کرتا ہے جس طرح سروَنتیؔ کی حزد کی غمازی کرتا ہے جس نے مذاق سے دعویٰ کیا کہ اس کی تالیف ڈون کوک زوٹ کا ماخذ عربی ہے۔"

حتّی متعدد ایسے اندلسی مسلمانوں کے نام لیتا ہے جو معروف مصنّف تھے اور ابتدا ابن عبد ربہ (۸۰۰ - ۹۴۰ ش) سے کرتا ہے جو عبدالرحمان ثالث کے دربار کا مَلِکُ الشعراء تھا۔ حتّی بتاتا ہے کہ اس کی شہرت مجموعۂ اشعار سے قائم ہے اس نے "العقد الفرید" نظم کی۔ لیکن اندلسی مسلمانوں میں سب سے بڑا اسکالر اور خلقی مُفکِر علی ابن حزم تھا جو ۹۹۴ سے ۱۰۶۴ شمسی میں ہو گزرا ہے۔ یہ اسلام کے دو تین

Marfat.com

ذہین ترین اور عظیم ترین کثیر نویسوں میں سے ہے ــــ ابنِ خلکان اور قفطی بتاتے ہیں کہ اس نے تاریخ، دینیات، حدیث، منطق، شاعری اور متعلقہ مضامین پر چار سو کتابیں لکھیں ــــ اس کے جو شاہکار محفوظ رہے ہیں ان میں سب سے گراں مایہ "الفصل فی الملل والاہواوالنحل" ہے جس نے اسے مذاہب کے تقابلی مطالعے کے میدان میں پہلا عالم ہونے کا شرف بخشا۔

مغرب کا ایک دوسرا عالم جو ئیف ہیل اپنی تالیف "عربی تمدن"[1] میں اندلس میں شاعری کے مقام کا تذکرہ کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے "شاعری اہلِ اندلس کا متقدر جذبۂ شوق بن گیا۔ گیارہویں صدی کے اہلِ علم کی زندگی اور سرگرمیوں کے مطالعے سے پچھلی صدی کے ذہنِ رسا کی حیرت خیز بصیرت کا انکشاف ہوتا ہے۔ پس اہلِ مغرب کی یہ اطمینان بخش قیاس آرائی ناقص ہے کہ صرف یورپ کی سرزمین ہی پر درحقیقت اسلام کی ذہانت اور فراست کے گل بوٹے کھلے۔ مشرق میں بھی مسلمان، سائنس اور فنون میں نصف النہار پر پہنچے"۔

علم و فن کے اس عظیم دور میں مسلمانوں کی بہادری اور جسارت پورے عروج پر تھی۔ خلفاء کے درباروں میں نوعمر رؤسا کو خواتین کا جی بہلانے کے لیے جس قدر شہسواری کا مظاہرہ کرنا پڑتا اسی قدر عقل و فراست کا جس آہنگ اور لَے سے شاعری میں مہارت دکھائی پڑتی اسی طرح طُلیطلہ کی تلواریں گھمانے میں دکھائی پڑتی۔ خواتین بھی شاعری کے وصف سے محروم نہ تھیں۔ المقری نے اندلس کی ادیب خواتین پر پورا باب صرف کیا ہے۔ اور حتّی خلیفہ مُستکفی کی حسین دختر ولّدہ کو "اندلس کی سیفو" کہتا ہے: "دخترِ خلیفہ نامور شاعرہ ہو گزری ہے"۔

---

[1] HISTORY OF THE ARABS

Marfat.com

یورپ کا ایک اور شاہکار جس پر اسلامی اندلس کی افسانوی شاعری کا زبردست اثر پڑا رحطی کے بیان کی رُو سے ایک فرانسیسی رزمیہ نظم "لاشانسان دارولاں" ہے جو ۱۰۸۰ء کے لگ بھگ منظرِ عام پر آئی رحطی محسوس کرتا ہے کہ اس سے یورپ میں ایک نئی تہذیب کا آغاز ہوتا ہے ـــــ ایسی تہذیب کا آغاز جو نہ فقط شاعری کے معاملے میں بلکہ کئی دوسرے پہلوؤں سے اسلام کی مرہونِ منت ہے اور مجموعہ نظم سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے۔

## اسلام اور خطابت

اسلام میں ہمیشہ خطابت کا دور دَورہ رہا[1]۔ ابتدائی دَور ہی سے تمام اہم دنیاوی اور روحانی اعلانات مسجد ہی میں کیے جاتے۔ صدیوں تک مسلمان مبلغ، معلم اور طلبہ ان طریقوں کا مطالعہ کرتے رہے جن سے مفید ترین انداز سے سامعین میں حوصلہ مندی کا جذبہ پیدا کیا جا سکتا، انہیں تعلیم دی جا سکتی اور انہیں اُبھارا اکسایا جا سکتا۔ وہ فن جس کی ابتدا وعظ سے ہوئی تھی اس نے فنِ ادب کا روپ دھار لیا۔ پھر خطابت کے

---

[1] یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ اسلام ایسے دَور میں جلوہ گر ہوا جب عربوں میں شاعری اور خطابت نقطہ عُروج پر پہنچی ہوئی تھی۔ ان کے لیے تمام دنیا گونگی (عجمی) تھی۔ عہدِ جاہلیت کے عرب غضب کے شاعر تھے۔ ان کے خطیب رات دن فصاحت و بلاغت کے دریا بہاتے۔ پھر جب قرآن نازل ہوا تو عربوں کے یکتائے روزگار شاعروں اور خطیبوں کی زبانیں بند ہو گئیں۔ ان سے کہا گیا: فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ایسی ایک آیت تو لاؤ! لیکن کسی میں ایسی ایک آیت لانے کی تاب نہ تھی۔ آج تک قرآن کے اس چیلنج کا جواب دیا گیا نہ قیامت تک دیا جائے گا۔ (مترجم)

Marfat.com

علم نے ان ایام میں بڑا اہم کردار ادا کیا جب ابھی ادب کا اظہار مسودوں کی صورت میں تحریر سے کہیں زیادہ لفظ اور زبان سے ہوتا تھا۔

فلپ حتی لکھتا ہے ـــــ

"بنو امیہ کے عہد خلافت میں مختلف صورتوں میں خطابت کا فن ایسے پروان چڑھا کہ اس سے پہلے اس کی نظیر نہیں ملتی اور پھر آنے والے عہد میں اس پر سبقت بھی نہ لے جا سکا۔ خطیب جمعے کے خطبۂ نماز میں اسے مذہب کی تبلیغ کے حربے کے طور پر استعمال کرتا، جرنیل اپنے لشکر میں جذبۂ جہاد پیدا کرتا اور صوبے کا حاکم اپنی رعایا میں حُبّ الوطنی کا جذبہ ابھارنے کے لیے اس کا سہارا لیتا۔ ایسے زمانے میں جب پروپیگنڈے کی خاص سہولتیں میسر نہ تھیں خطابت نے خیالات کی اشاعت اور جذبات انگیزی کی شاندار راہ پیدا کی۔ حضرت علیؓ کے اعلیٰ درجے کے پند آمیز خُطبات جن میں اشعار اور اقوالِ دانش ملتے ہیں، درویش صفت حسن البصری کے وعظ جو انہوں نے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے سامنے کیے اور جنہیں موخر الذکر کے سوانح نگاروں نے محفوظ کر لیا، نیز زیاد بن ابیہ اور آتش نوا الحجاج کی عسکری نوع کی اور حب وطن سے مملو تقریریں ـــــ یہ تمام ایسے وقیع ترین خزانے ہیں جو قرونِ اولیٰ سے ہم تک پہنچے ہیں[۱]۔"

## اسلام اور مصوّری

آرٹ کا مسئلہ اسلام میں متنازعہ فیہ ہے تاہم ایک بات یقینی ہے کہ مسلمان

---

[۱] HISTORY OF THE ARABS ص ۲۴۹

فنکاروں نے مصوری کے فروغ میں خاصا حصہ لیا۔ اس میں تشبیہ کی تصویر کشی شامل ہے۔

دیواروں پر تصویریں بنانے کا فن قدیم ترین بھی ہے اور مقبول ترین بھی۔ صحرائے شام میں ایسے حمام اور عشرت کدے پائے جاتے تھے جن کی دیواریں نہایت نفیس تصویروں سے مزین تھیں۔ ولید (۷۰۵ تا ۷۱۵ء) کا قصر امرہ اور یزید ثانی (۷۲۰ تا ۷۲۴ء) کی تعمیر شدہ مشاطہ۔ ایسی علامتی تصویریں جن میں فتح و نصرت، شاعری یا حکمت کو متشکل کیا جاتا ہمیشہ پسند کی گئی ہیں۔ شاہی خاندانوں کے افراد کی تصویریں بھی بنائی جاتیں ایسی ہی دیواری تصویریں ایران اور مصر میں بھی پائی گئی ہیں۔ یہ خلفائے بنو امیہ کی ہدایات پر بنائی گئی تھیں۔

تیرھویں صدی کی تصنیفات خصوصاً داستانوں اور سائنس کی کتابوں میں بہ کثرت تصویریں بنائی جاتی تھیں۔ اس دور کے کامیاب ترین مصوروں میں یحییٰ ابن علی کا نام آتا ہے۔ مقاماتِ حریری" میں جن کی پیش کی ہوئی تصویریں خوب پر لطف ثابت ہوئی ہوں گی۔ ازمنۂ وسطیٰ میں ہندوستان میں بھی مصور کتابوں کا رواج تھا۔ امیر حمزہ، نظامی کا شاہنامۂ خاموش، اکبر نامہ اور دارا نامہ ـــــ یہ تمام کلاسیکی کتب تصویروں کے ساتھ شائع ہوئی تھیں۔

(لاریب مغلوں کے عہد میں بھی مسلمانوں مصوروں نے دنیا کے سامنے فن کے بہترین نمونے رکھے۔ فادر سیباسٹین موزیک نامی ایک رومن کیتھولک پادری ۱۶۴۱ء میں جب شاہجہان کے دربار میں آیا تو اس کا خیال تھا کہ شبیہی مصوری اور شاہانہ جاہ و جلال کے مناظر کی تصویروں نے جو بلند معیار قائم کیا ہے وہ کبھی قائم نہ ہوا تھا۔ سید علی اس زمانے کے عظیم فنکاروں میں سے ایک تھا)

فادر موزیک نے یہ حقیقت بھی قلمبند کی ہے کہ آگرہ کے کتب خانے میں چوبیس

Marfat.com

ہزار قلمی نسخے تھے۔ ان میں سے اکثر مصوّر تھے اور ان میں سنہری کام کیا ہوا تھا۔[1]
سنہری کام غالباً معمولی قسم کا فن ہے لیکن مسلمانوں کے دورِ حکومت میں اس نے حسن آفریں شکل اختیار کی۔ قرآن مجید کے نسخے سب سے زیادہ مُذَہّب و مُطلّا کیے جاتے۔ کتاب کی شان کے مطابق اس کی تزئین کرنے کے لیے فنکار بے حد و حساب زحمت گوارا کرتے۔ جہاں تک ان کا بس چلتا وہ کر گزرتے۔ اس محنت اور احتیاط سے نقش و نگار بنائے جاتے کہ مملوک خلفاء کے پاس قرآن کے جو حسین ترین نسخے تھے شاید ہی ان کے تین سے زائد صفحے مزین کئے گئے ہوں۔ آگرہ کے کتب خانے میں جو نسخے محفوظ ہیں ان کا شمار مسلمانوں کے عظیم ترین فن پاروں میں ہوتا ہے۔

## اسلام اور فنِ تعمیر

مغرب پر مسلمانوں کے فنِ تعمیر کا اثر نمایاں اور خاصا ہے۔ قرطبہ کی مسجد مذہبی فنِ تعمیر کے نمونے کے طور پر ابھی موجود ہے۔ اس میں بارہ سو ترانوے ستونوں کا ہجوم ہے، صحن ہے اور شامی طرز کے مینار ہیں۔ یہاں کا محرابی نظام صحیح معنی میں عربی فنِ تعمیر کا نمونہ ہے محرابیں ایک دوسرے کو قطع کرتی ہیں اور ایک دوسرے کے آر پار جاتے ہوئے ستون عیاں ہیں۔

اشبیلیہ کا القصر ایک غیر مذہبی عمارت ہے جو آج بھی عربوں کے فنِ تعمیر کے حُسن اور آرائش کاری کی یادگار ہے۔ اس کے اندرونی حصّوں میں مسلمانوں کے جس اُسلوب کی زیبائش کی گئی ہے وہ غرناطہ کے الحمراء محل کی خصوصیت ہے۔

صلیب و ہلال کی جنگوں کے دوران میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے فنونِ تعمیر

---

[1] ایسے مطلّا نسخے بکثرت مل جاتے ہیں جن پر سنہری بیل بوٹے اور حاشیے بنے ہوتے ہیں۔ (مترجم)

Marfat.com

خوب آپس میں گھل مل گئے۔ اس اختلاطِ باہمی کا نتیجہ ایسی تعمیرات کی شکل میں رونما ہوا جو بالخاصہ اندلسی طرز کی تھیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اندلسی زبان میں فنِ تعمیر کی کتنی ہی عربی اصطلاحات محفوظ ہیں جن سے اکثر عمارتوں کا عربی الاصل ہونا عیاں ہوتا ہے عربی طرز کی اندلسی محراب MOORISH ARCH آج بھی ہر قسم کی نعل نما محراب کے لیے مروج ہے۔ مغرب میں مسلمانوں کے فنِ تعمیر کو یہاں تک خصوصیت حاصل ہوئی۔

(مصر میں چند بہترین تعمیراتی کارنامے ان مسلمانوں کی کاوش کا نتیجہ ہیں جو تیرھویں صدی میں بغداد اور دمشق پر منگولوں کے حملے کے باعث بھاگ کر وہاں چلے گئے۔ اس سلسلے میں حِتّی کہتا ہے: گنبد اس نفاست سے بنائے گئے کہ ان کے سبک پن بیرونی خطوط کے حسن اور آرائش کاری کا جواب نہیں۔ یہ زیادہ تر خاص قسم کی محرابوں اور آرائش کے دوسرے دو مانوس طریقوں کے باعث نمایاں درجہ رکھتا ہے۔ ایک اقلیدسی عربی تقدیس اور دوسرا کوئی طرزِ تحریر۔")

تیرھویں اور چودھویں صدی کے پورے دور میں اسلامی اور عیسائی ملکوں میں فنِ تعمیر یکساں طور پر بڑے زوروں پر تھا۔ دونوں کی تہذیب ایک دوسرے کے فنِ تعمیر پر اثر انداز ہو رہی تھی۔ مغرب نے دنیائے اسلام سے متعدد تعمیراتی نمونے لیے ہیں۔ ان میں رنگ و روغن والی محرابیں، کمانی دار چھجے، نقش و نگار والے جھروکے، کارچوبی، ستونوں کے زاویوں پر لٹھوں کا استعمال، آرائشی اور ترشی ہوئی فصیلیں، کندہ تحریریں، عمارتوں کے دھاریدار چہرے، دھاتی جالیاں اور اقلیدسی آرائشی نمونے شامل ہیں ___ مزید برآں تعمیراتی حسن کے کتنے ہی عناصر دوسری قوموں کے اسلوبوں میں گھل مل گئے۔

Marfat.com

# اسلام اور موسیقی

کتنے ہی لوگ موسیقی میں مسلمانوں کے کام کی نسبت یکسر غلط تاثر رکھتے ہیں۔ ان کے خیال میں موسیقی کو اسلامی دورِ حکومت میں بہت نظر انداز کیا گیا۔ یہ صحیح نہیں۔ اسلام کے عہدِ عروج میں حکیم الفارابی[1] اپنے وقت کا سب سے بڑا عالم موسیقی تھا۔ مغرب کے نامور موسیقی دان ایچ۔ ای۔ فارمر کے نزدیک الفارابی کی "کتاب الموسیقی الکبیر" سترھویں صدی تک مغرب کے موسیقاروں کے لیے موجب کشش رہی۔

الفارابی نے سن ۹۵۰ میں دمشق میں وفات پائی۔ اس کی تین شاہکار کتابیں موسیقی کے نظریے سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ بات ڈھکی چھپی نہیں کہ وہ زبردست مغنی تھا اور دھنیں ترتیب دینے کے معاملے میں ذہن رسا رکھتا تھا۔ حطی بتاتا ہے: "علاوی کے درویش اب بھی اس کی بنائی ہوئی دھنوں میں پرانے گیت گاتے ہیں اور وہ جس خوبصورتی سے بانسری بجاتا تھا اس کے بارے میں تو کئی افسانے سننے میں آئے ہیں۔ اپنے مربی سیف

---

[1] فارابی ترکیہ کے شہر فاراب کا رہنے والا عجیب وغریب شخصیت کا مالک تھا۔ اس کا شمار دنیا کے چند عظیم ترین فلسفیوں اور دانشوروں میں ہوتا ہے۔ سچا درویش تھا۔ علم و فن سے بے پایاں محبت رکھتا تھا۔ دُنیوی وجاہت اور دولت سے اسے سخت نفرت تھی۔ جب حلب کے فرماں روا ـــــ سیف الدولہ کے دربار میں گیا تو لوگ اسے دیوانہ سمجھے اور دربار میں اس کی آمد پر سخت برہم ہوئے۔ اس کے تن سے چیتھڑے لٹک رہے تھے۔ کسی کو خبر نہ تھی کہ وہ اپنے اندر علم کے بے پناہ خزانے چھپائے ہوئے ہے۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ ستر زبانیں جاننے والے اس دیوانے سے بے تکلفانہ گفتگو کر سکے۔ وہ عالم طب تھا، بے مثال منطقی بھی، طبیعات اور مابعد الطبیعات کا ماہر تھا۔ (مترجم)

Marfat.com

الدولہ کے دربار میں جب اس نے موسیقی کا مظاہرہ کیا تو تمام سامعین کو مسحور کر لیا اور ایک موقع پر تو اس نے دربانوں کو سلا دیا۔"

ابن سینا بھی موسیقی کے علم میں بہت زیادہ دلچسپی لیتا تھا۔ راجر بیکن کے نزدیک وہ پہلا اسکالر تھا جس نے موسیقی کی شفائی تاثیر کا اندازہ لگایا۔ حتّی جسے عرب فنِ موسیقی کا بنیادی پتھر کہتا ہے وہ اندلس میں رکھا گیا۔ یہ ۸۲۲ء کی بات ہے جب عرب زریاب بغداد کی مواصلی درسگاہ سے قرطبہ میں آیا۔ اس نے رباب میں پانچویں تار کا اضافہ کیا اور موسیقی کی درسگاہ بھی قائم کی۔ بعد ازاں طلیطلہ، بلنسیہ (ویلنشیا) اور غرناطہ میں درسگاہیں کھل گئیں۔ سب میں سے اہم ترین درس گاہ اشبیلیہ میں کھلی۔

اشبیلیہ نے موسیقی کے آلات تیار کرنے کی وجہ سے شہرت پائی اور ان مصنوعات کی برآمد کو فروغ دیا۔ مغنیوں کے نزدیک اشبیلیہ کو وہی مقام حاصل تھا جو علماء کے لیے قرطبہ کو حاصل تھا۔

غالباً عیسائی راہب ایڈیلارڈ آف باتھ وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے لاطینی دنیا کو عربی موسیقی کے نظریات سے آگاہ کیا۔ اس شخص نے ریاضی پر کئی عربی کے شاہکاروں کا ترجمہ کیا۔ ان میں سے الخوارزمی کی ایک کتاب میں ایک فصل موسیقی پر تھی۔[1] عیسائی راہب نے بارہویں صدی کے نصفِ آخر میں پیرس میں موسیقی کا مطالعہ کیا۔

---

[1] موسیقی میں صوت اور تال باہم مربوط ہوتے ہیں۔ ان کے صحیح میل اور ربط کے بغیر دھن نہیں بنتی۔ ایک طرف یہ علم طبیعات کی ذیل میں آتا ہے، دوسری طرف ریاضی کی ذیل میں۔ سُروں کے وقفے مقرر ہیں۔ ڈھول یا ڈھولک اور طبلے کی ضربیں مقررہ گنتی اور وقت کی پابند ہوتی ہیں اس لیے خوارزمی کی کتاب ریاضی میں موسیقی کا بیان برمحل ہے (مترجم)

Marfat.com

یہاں اسے موسیقی کے موضوع پر کئی ایسے یونانی قلمی نسخے ملے جن کا ترجمہ مسلمان علماء نے کیا تھا۔

تیرھویں صدی کے آخر میں عیسائیوں کی موسیقی میں ایک یکسر نیا اصول کارفرما ہوا جسے مسلمان علماء نے رواج دیا تھا۔ یہ تال کا اصول ہے جس کے مطابق سُر مقررہ وقفے سے لگائے جاتے ہیں۔ سُرتال کا یہ قاعدہ مدت سے عربی موسیقی کا جزو لاینفک تھا۔

فلپ حتّی لکھتا ہے ــــ

"سُرتال کی موسیقی اس شعبۂ علم میں عربوں کا عظیم ترین کارنامہ ہے لیکن ایک اسی کارنامے پر کچھ موقوف نہیں۔ عربوں نے مغربی یورپ کو دو ایسے ساز دیے جن سے فنِ موسیقی کے فروغ میں سب سے زیادہ مدد ملی۔ ایک کا نام عود تھا اسے اندلسی زبان میں لاڈ کہتے اور دوسرے کا نام رباب تھا جسے اندلسی ریبل کہتے"

حتّی ایسے دوسرے سازوں کی بھی فہرست دیتا ہے جو آج بھی یورپ میں مقبول ہیں اور جنہیں عربوں نے ایجاد کیا۔ ان میں ڈھول، طنبورہ، جھانجی اور گٹار کا نام شامل ہے بلاشبہ رباب وہ ساز ہے جو مغربی سازوں میں مقبول ترین ساز ــــ وائلن کا پیشرو ہے۔

مغربی موسیقی پر عربوں کے اثرات، نظریے اور حکمت کی بناء پر نہیں بلکہ اس لیے ہیں کہ لوگ عربی موسیقی پسند کرتے تھے ایک جانب تو اندلس کے عیسائیوں نے عربوں کے لائے ہوئے گیت، اور شعر پسند کیے، دوسری جانب یکساں طور پر عربی غزلوں کی دھنیں اور سُرتال قبول کیے اور اس سے لطف اندوز ہوئے۔ غرناطہ کے سقوط کے بعد بھی اندلسی حکمرانوں کے درباروں میں مدت تک مسلمان مغنیوں کا دَور دَورہ رہا۔ عرب رقاصائیں اور تماشا گر اندلس اور پرتگال کے لوگوں کا جی بہلاتے رہے

Marfat.com

سی ریویرا کی تازہ تحقیقات سے اس امر کا اشارہ ملتا ہے کہ تیرھویں صدی اور اس کے بعد پورے جنوب مغربی یورپ کی مقبولِ عام موسیقی کا اصل اندلسی مسلمانوں کی موسیقی ہے۔ اندلس ہی ہے جس کا سراغ عرب میں جا ملتا ہے۔ اگر عرب علماء ایرانی، منطقی اور یونانی ماخذوں کو محفوظ نہ کر لیتے اور اپنی طبعی ذہانت کی بدولت انہیں اپنے اسلوب میں ڈھال نہ لیتے تو وہ کامل طور پر مغرب میں گم ہو چکے ہوتے۔

## اسلام اور شہسواری

شہسواری کو فنون میں شامل کرنا قارئین کے نزدیک ایک احمقانہ حرکت ہو گی لیکن یاد رہے کہ اندلس کے زریں دورِ شجاعت میں صرف ادب، موسیقی اور مصوری کے کمال ہی کو سراہا نہ جاتا۔ شہسواری کے فن کا بڑے استغراق اور بڑی لگن سے مطالعہ کیا جاتا، گھڑ سواری اور گھوڑوں کی پرورش میں بڑی مہارت پیدا کی جاتی۔

جان ولیم ڈریپر لکھتا ہے: "فرانسیسیوں، جرمنوں اور انگریزوں نے عربوں سے گھوڑے کی قدر کا جذبہ لیا۔ ماہرانہ سواری پر نازاں ہونا سیکھا، انہوں نے عربوں کی اس مہارت تک پہنچنے کی سعی کی جس نے اندلسی گھوڑوں کی مشہور و معروف نسل پیدا کی۔"

## دیگر تفریحی فنون

تفریح اور تماشے کو یقینی طور پر فنون میں شامل کرنا چاہیے۔ نمائتی تفریحات کے علاوہ عربوں نے داستان گوئی میں کمال کر دکھایا۔ وہ بڑی ہنر مندی اور بڑے

Marfat.com

دلفریب انداز سے سایے کا کھیل بھی دکھاتے۔[۱] گمان غالب ہے کہ وہ "سایہ بازی" کو مشرق بعید سے یورپ میں لائے لیکن جہاں تک سایہ بازی سے کٹھ پتلیوں کے کھیل کے پروان چڑھنے کا سوال ہے یہ یقینی طور پر عربوں کی اپج ہے کٹھ پتلیوں کے کھیل جن میں مزاحیہ دانش کا عنصر ملتا، تیرھویں صدی میں مروّج ہے انہیں ہم بخوبی مغرب کی بعض موجودہ تفریحات کا پیشرو سمجھ سکتے ہیں۔

فلپ حتّی شطرنج کے رواج کے ضمن میں مغربی یورپ کو مسلمانوں کا مرہون منت سمجھتا ہے۔ یہ درست ہے کہ عربوں نے شطرنج ایجاد نہیں کی تاہم یہ باآسانی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس قوم نے کیونکہ اس دلفریب، ماہرانہ کھیل کے امکانات جھٹ جان لیے جس نے دنیا کے چند عظیم ترین ریاضی دان پیدا کیے۔ اگرچہ تفریح پسندانہ زندگی کو بالیقین مہذبانہ زندگی کے مترادف قرار نہیں دے سکتے لیکن تہذیب و تمدن کی تعریف میں بھی اسے نظر انداز نہیں کر سکتے۔ مسلمانوں نے کئی پہلو سے تفریحی زندگی سنوارنے سجانے میں گراں قدر کام کیا ہے۔

---

۱۔ SHADOWPLAY یا SHADOWGRAPH میں پردے پر کٹھ پتلیوں یا زندہ اداکاروں کا سایہ ڈالتے۔ اس طرح داستان میں ڈرامائی وصف پیدا ہو جاتا (مترجم)

Marfat.com

# اسلام اور تعلیم

## اسلامی دور میں تعلیم

دنیائے اسلام میں تعلیم بجلی کی سرعت سے عام ہوئی۔ ایک بار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا: بچے کو تعلیم دینا خیرات میں سونا دینے سے بہتر ہے۔ اس ہدایت پر عمل کرتے ہوئے عہد بنو امیہ کے پہلے چار خلفاء نے اس امر کو ملحوظ رکھا کہ ان کے نئے مفتوحہ علاقوں میں ابتدائی تعلیم رائج کی جائے چنانچہ مکہ، مدینہ، یمن، دمشق، قاہرہ، اسکندریہ، کوفہ، بغداد، بصرہ اور نیشاپور ایسی جگہوں پر درسگاہیں قائم کی گئیں جو بعد کے زمانے میں رہتی درسگاہوں کے لیے علم اور تحقیق کے عظیم مرکزوں کا مقام مقدر تھا۔ انہی پر موقوف نہیں بلکہ شام، عراق اور مصر کے دور افتادہ دیہات میں بھی مدرسے قائم کیے گئے۔

ایک بھی ایسا گاؤں، قصبہ یا شہر نہ رہا جہاں کم از کم ایک مسجد نہ بنائی گئی ہو۔ ابتدائی اور ثانوی مدرسے مسجدوں کے ساتھ ساتھ بنائے گئے۔ ہسپانیہ کا نامور اسکالر پروفیسر بیلا نیرس اور اس کا ہم وطن پروفیسر ری ڈیرا ہمیں بتاتے ہیں کہ تقریباً تمام بچوں کو مفت تعلیم دی جاتی تھی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے طلبہ کالجوں، اکادمیوں اور یونیورسٹیوں میں چلے جاتے یا پھر کسی ایک استاد سے علم حاصل کرتے۔ فرماں روا، شہزادے، امراء،

وزیر، خوشحال لوگ، زمیندار اور رؤسا علم کی سرپرستی کرنے، اسکول اور کالج کھولنے، معمل قائم کرنے نیز شفاخانے، کتب خانے اور رصد گاہیں کھولنے کو مقدس فرض سمجھتے۔

آغاز میں اسلامی تعلیم دینی انداز کی تھی اور اعلیٰ تعلیم کے اولین دور سے اعلیٰ دینی مطالعے کے لیے مخصوص تھے۔ ۸۳۰ء میں المامون نے بغداد میں دینی درسگاہ قائم کی تھی۔ ستاروں کے مشاہدے کے لیے اس سے ملحقہ معروف رصدگاہ بنائی گئی تھی۔ ۱۰۶۵ء میں نظام الملک نے عظیم دارالعلوم نظامیہ قائم کیا جہاں ایک سے زائد علوم پڑھائے جاتے تھے۔

"نظامیہ" کا قیام اسلامی تعلیم کی تاریخ میں سنگِ میل کا درجہ رکھتا ہے۔ روبین لیوی جو ۱۹۲۹ء میں کیمبرج میں تالیف و تصنیف کا کام کرتا رہا ہے اپنی "تاریخ بغداد" میں لکھتا ہے: "اس دارالعلوم کی کتنی ہی باتیں یورپ کی ابتدائی یونیورسٹیوں میں اختیار کی گئیں۔ ان میں سے ایک اس کا دارالاقامۃ تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ نظامیہ میں لیکچرار چبوترے پر کھڑا ہوتا اور طلبہ نیچے اسٹولوں پر بیٹھتے اور اس سے لکھ کر یا زبانی سوال کرتے۔ الغزالی نے یہاں چار سال تک لیکچر دیے۔ یہیں اس نے یہ نظریہ پیش کیا کہ تعلیم محض سبق یاد کر لینے کا نام نہیں۔ استاد اپنے طلبہ میں اخلاقی شعور بھی بیدار کرے۔ نظامیہ کے طلبا میں معقول طور سے نظم و ضبط پایا جاتا تھا اور ان میں مل کر کام کرنے کا جذبہ بھی موجود تھا۔

"نظامیہ" منگولوں کے حملے کے بعد بھی سلامت رہا اور پھر اسے المستنصریہ یونیورسٹی میں مدغم کر دیا گیا۔ اس یونیورسٹی کا بڑا شاندار کتب خانہ تھا۔ یہاں کے قیام پذیر طلبہ کی ضرورت کے لیے غسل خانہ اور باورچی خانہ بھی تھا۔

اس کے علاوہ جو دوسری یونیورسٹیاں قائم ہوئیں وہ الرشیدیہ، امانیہ، تمرخانیہ،

Marfat.com

نوریہ اور شریفیہ (شام میں) اور رہبیہ اور صلاحیہ (مصر میں) تھیں۔ بعد کے زمانے میں نظامیہ کی طرز کے تیس دارالعلوم بغداد میں، تیس اسکندریہ میں اور چھ موصل میں قائم ہوئے۔ کم از کم ایک ایک ایسا ہی دارالعلوم نیشاپور، سمرقند، اصفہان، مرو، بلخ، حلب، غزنی اور لاہور میں قائم ہوا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے دمشق کو درسگاہوں کا شہر بنا دیا۔ مصر میں بھی کتنے ہی دارالعلوم کھولنے کا سہرا اس کے سر ہے۔

عہد اسلامی کے اندلس میں کئی کالج اور دینی ادارے کھولے گئے۔ تنہا قرطبہ میں کئی سو درسگاہیں تھیں جن میں دینی علوم کے علاوہ فلسفہ، ادب، تاریخ اور سائنس کی تعلیم دی جاتی۔ ان کے علاوہ اشبیلیہ، ملاقہ اور غرناطہ میں بڑی بڑی یونیورسٹیاں قائم ہوئیں۔ ان سب کے دروازوں پر یہ الفاظ کندہ تھے۔" دنیا چار چیزوں ــــ دانشوروں کے علم، بڑے آدمیوں کے عدل، اہلِ دین کی دعاؤں اور بہادروں کی دلیری ــــ کے سہارے قائم ہے۔" یہ الفاظ آج بھی ان اصولوں کو عیاں کرتے ہیں۔ جدید یونیورسٹیوں کے نظام میں جاری اور ساری ہیں۔ یورپ، افریقہ اور ایشیا کے طلبہ ان اسلامی یونیورسٹیوں میں ہجوم کرتے جہاں ان کا خیر مقدم کیا جاتا۔

اسلام کے ابتدائی ایام ہی سے تعلیم کی ترویج کے لیے امکان بھر سعی کرنے کی غرض سے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ مسلمانوں میں خیرات کے شاندار وصف کے پہلو بہ پہلو علم کا احترام اسلام کی امتیازی خصوصیت ہے۔ اس کا نتیجہ بے شمار وظائف اور تحائف اور عطیات کی صورت میں عیاں ہوا۔ دینی درسگاہیں قائم کرنے کے علاوہ مسلمان اُمراء نے شفاخانوں کے قیام میں مدد دی۔ یہ شفاخانے طبی درسگاہوں اور مشاہدہ گاہوں کا کام دیتے جہاں طلباء کو ریاضی اور ہیئت کا درس دیا جاتا۔ کتب خانوں اور خاص طور پر مسجدوں کے نام لوگ اکثر روپیہ وقف کر جاتے جہاں کتنے ہی نامور علماء فخر سے درس دیتے۔

Marfat.com

مسلمانوں کی اکثریت کے لیے مسجد ہمیشہ تعلیم و تدریس کا عظیم مرکز رہی ہے جہاں بلا امتیاز مذہب و ملت تعلیم دی جاتی تھی۔ فراخدلانہ امداد کی بدولت مفلس ترین طلبہ کو بھی شریک درس ہونے کی سہولت میسر آتی۔ مسافروں کے لیے خاص عمارتیں الگ تھیں، جہاں حاجت مندوں کو مفت کھانا دیا جاتا۔ اعلیٰ تعلیم پانے والوں کو عام طور پر مالی امداد دی جاتی جس سے وہ اپنی ذات کو تعلیم کے لیے وقف کر سکتے۔ مسجد کا وظیفہ امتیازی طلب کی چیز بن گیا۔ ناصر خسرو نے (گیارھویں صدی میں) لکھا تھا کہ عظیم مسجد قاہرہ —— الازہر میں کوئی پانچ ہزار طالب علم پڑھتے تھے۔ انہیں مختلف مضامین میں درس دیا جاتا۔[1] عظیم مسجد قاہرہ، الازہر فاطمی خلیفہ معز (۹۶۹ تا ۹۷۰ ش) نے بنائی اور اسے عطیات سے نوازا۔ اس کے پوتے حکیم نے عطیات میں اضافہ کیا۔ المانوی مستشرق ہمیر کے بقول مزید تین مسجدوں اور دارالعلوم کو بھی عطیات سے نوازا۔ اس نے ایسی مثال قائم کی جس سے ملک بھر میں عطیات و تحائف کا تانتا بندھ گیا۔

## اسلامی اندلس میں تعلیم

اسلامی دور میں جہاں جہاں تعلیم عام ہوئی وہاں غالباً سب سے زیادہ اندلس کو فائدہ پہنچا۔ الحکم الثانی المستنصر (۹۶۱ تا ۹۶۷ ش) کی سرپرستی کی بدولت اندلس میں یونیورسٹی کی تعلیم کو ترویج کی تحریک ملی۔

الحکم الثانی المستنصر خود عالم تھا۔ علم و فن پر اس کا بڑا اعتقاد تھا۔ بدیں سبب اس

---

[1] کہتے ہیں بغداد میں نامور فقیہہ اور عالم دین مالک ابن انس بخاری کے درس میں بیس ہزار سامعین شریک ہوتے امام ابوحنیفہ کے شاگرد دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلے تھے۔ (مترجم)

Marfat.com

نے طلبہ پر بڑی فیاضی سے اپنی عنایات کے دروازے کھول دیے اور دارالخلافہ میں ایسی درسگاہیں قائم کیں جہاں مفت تعلیم دی جاتی تھی۔ عبدالرحمان ثالث نے جامع مسجد میں جو جامعۂ قرطبہ (یونیورسٹی)، قائم کیا تھا الحکم کے عہد میں اسے دنیا بھر کی درسگاہوں میں ممتاز مقام حاصل ہوا) جامعۂ قرطبہ قاہرہ کے الازہر اور بغداد کے نظامیہ پر بھی سبقت لے گیا۔ اس میں نہ فقط اندلس بلکہ یورپ، افریقہ کے طلبہ، مسلمان اور عیسائی دونوں کھنچ آئے۔ الحکم نے یونیورسٹی کو وسعت دی اور اس کی آرائش کی۔ اس نے مشرق سے علماء بلوائے اور اپنی ذاتی املاک میں سے ان کے مشاہرے کی رقم الگ کی۔ مورخ ابن القطیہ اور عالم لسانیات ابوعلی القالی یہاں کے اعلیٰ معلّم تھے الحکم کتابوں کا دیوانہ تھا۔ اس کے کارندوں نے بغداد، اسکندریہ اور دمشق کے کتب فروشوں کو لوٹ لیا۔ انہوں نے قرطبہ کے کتب خانے کے لیے کتابیں خریدیں اور مسودے نقل کیے۔ اس طرح جو کتابیں اکٹھی کی گئیں ان کی تعداد چار لاکھ تک پہنچ گئی۔ ان کی فہرست چوالیس جلدوں میں تیار ہوئی، ہر جلد میں بیس ورق صرف شعروسخن کی کتابوں کے لیے رکھے گئے۔ غالباً الحکم خلفائے اسلام میں سب سے بڑا عالم تھا۔ اس نے بعض مسودوں پر جو حاشیے لکھے تھے بعد کے زمانے کے علماء نے ان کی بڑی قدر کی۔

اندلس میں صرف یونیورسٹی کی سطح پر ہی تعلیم عام نہیں ہوئی۔ الحکم ثانی نے عظیم مسجدِ قرطبہ کی تعمیر کے بعد اپنی توجہ ابتدائی تعلیم کی جانب مبذول کی۔ اپنی زمین کا چوتھائی حصّہ اس کے لیے وقف کیا۔ یہ بھی ہدایت کی کہ سالانہ آمدنی اندلس کے غرباء میں تقسیم کی جائے اس شہزادے کا ایک اور ادارہ توجّہ طلب ہے۔ اس کے عہد میں پرائمری اسکول اچھی حالت میں تھے اور بہ کثرت تھے۔ اندلس میں قریب قریب ہر شخص لکھ پڑھ سکتا تھا جبکہ یورپ کی یہ حالت تھی کہ صرف اعلیٰ رتبے کے لوگ ـــــ بشرطیکہ وہ کلیسا سے وابستہ ہوتے ـــــ تعلیم پاتے۔ بہرحال الحکم کا خیال تھا کہ تعلیم اس قدر عام نہیں جس قدر ہونی

اسے ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں یہ بات یاد رہے کہ اسے غریب طبقے سے جو محبت تھی اس کی بنا پر اس نے دارالخلافہ میں ایسی ستائیس درسگاہیں کھولیں جن میں غریبوں کے لڑکے مفت پڑھتے۔ استادوں کو خلیفہ کی جیب خاص سے مشاہرہ ملتا۔

کیمبرج یونیورسٹی کے جے۔ بی۔ ٹرینڈ نے اندلس میں تعلیم میں مسلمانوں کے حصے کا خلاصہ بدیں الفاظ پیش کیا ہے —

"اسلام کے عہد زریں میں مشرق وسطیٰ، عربوں کے اندلس اور پرتگال میں شاندار درسگاہیں قائم کی گئیں۔ لائبریریاں کتابوں سے بھری گئیں۔ پوری مسیحی دنیا سے طلبہ کھنچ کھنچ کر اسلامی درسگاہوں میں آتے۔ طلیطلہ کی درسگاہوں میں جن نامور عیسائی تحصیلتوں نے تعلیم پائی اُن میں مائیکل اسکاٹ ڈینیل مورے، ایڈیلارڈ آف باتھ اور قرآن کا پہلا مترجم روبرٹس ٹیکلیکس شامل ہے۔"

## ہندوستان میں مسلمانوں کا تعلیمی کارنامہ

ہمارا یہ برعظیم (پاکستان اور ہندوستان) بیشتر بڑی بڑی تعلیمی درسگاہوں کے لیے مسلمانوں کا مرہونِ منت ہے۔ سلطان نصیرالدین[1] علم وفن کا مربیِ اعظم تھا۔ ۱۲۱۱ء میں اس نے دہلی میں پہلا مدرسہ قائم کیا۔ اس کا نام "نصیریہ" تھا۔ اس کا جانشین

---

[1] بادشاہ نصیرالدین قرآن مجید لکھتا اور اس کی آمدنی سے اپنا گزارہ کرتا۔ مورخ فرشتہ کے بیان کی رُو سے بادشاہ نے اپنے کتب فروشوں سے کہہ رکھا تھا کہ وہ خریداروں کو قرآن مجید کے لکھنے والے کا نام نہ بتائیں مبادا اس کا نام قیمت میں اضافے کا موجب بنے۔

Marfat.com

بلبن بھی علماء پر نظرِ کرم رکھتا۔ جب وسطی ایشیا پر ظالم منگولوں نے حملہ کیا تو بہتیرے علماء نے بھاگ کر اسی کے دربار میں پناہ لی۔ بلبن نے انہیں اپنی سلطنت کے مختلف حصوں میں جاگیریں عطا کیں اور انہوں نے درسگاہیں کھول لیں۔ فیروز آباد بین الاقوامی مرکزِ علم و فن بن گیا اور اس نے تیزی سے وہی شہرت حاصل کر لی جو قبل ازیں سمرقند اور بخارا کو حاصل تھی۔

بہرحال خلجیوں کے زمانے میں اسلامی علوم و فنون کی تعلیم ہندوستان میں نقطۂ عروج کو پہنچی۔ ضیاء الدین برنی ہمیں بتاتا ہے کہ ــــــ "لوگوں نے علاؤالدین خلجی کے عہد میں جو سب سے حیرت خیز بات دیکھی وہ یہ تھی کہ ہر قومیت کے اکابر دارالحکومت (دہلی) میں جمع تھے ــــــ ان میں علماء، شاعر، سائنسدان، طبیب اور فن کار وغیرہ شامل تھے۔ ذہانت کے اس تنوّع اور اہلِ علم و فن کی بدولت بغداد بھی دلی پر رشک کرنے لگا جو قاہرہ کا حریف اور قسطنطنیہ کا ہمسر ہو گیا تھا۔ دلی کا عالم حکمران محمد تغلق فاضل اجل اور شاعر تھا۔ وہ دربار میں مختلف موضوعات پر مباحثے اور مذاکرے کرواتا، علم و فن کا بڑا سرپرست تھا۔ نیز علم کے فروغ اور توسیع پر بڑی بڑی رقمیں خرچ کرتا ــــــ صرف دلی میں کوئی ایک ہزار درسگاہیں تھیں اور ایسا کوئی معلوم موضوع یا مضمون نہ تھا جس کی ان درسگاہوں میں تعلیم نہ دی جاتی۔"

محمد تغلق کے جانشین فیروز شاہ تغلق نے تعلیم کے معاملے میں اور بھی زیادہ جوش و خروش کا مظاہرہ کیا۔ اس نے فلاحِ عامہ اور تعلیم پر ایک کروڑ چھتیس لاکھ روپے صرف کیے۔ صرف دلی میں اعلیٰ پایے کی چھتیس ۳۶ درسگاہیں کھولیں اور ایک اقامتی یونیورسٹی قائم کی جہاں طلبہ اور معلمین دونوں کے اخراجات حکومت پورے کرتی۔ سلطان فیروز تغلق نے بہ نفسِ نفیس اپنے عہد کی تاریخ لکھی جس کا نام "فُتُوحُ الفیروزی" تھا جس نے بڑی شہرت پائی۔ اس میں لکھا ہے ــــــ "میں نے اسے اپنا فرض سمجھا کہ کارواں سرائے

Marfat.com

مسجدوں، کنوؤں، آبی ذخیروں، نہروں، محتاج خانوں اور مدرسوں ایسی رفاہِ عامہ کی تعمیرات کی مرمت کرواؤں جنہیں میرے پیشروں نے بنوایا تھا اور اس مقصد کے لیے آمدنی کا خاصا حصّہ مخصوص کیا۔"

فیروز شاہ نے جو مدرسہ قائم کیا اور جلال الدین جس کے رئیس الاساتذہ مقرر ہوئے مشرق میں اسلامی علوم و فنون کا ایک اور مرکز بن گیا اور برِ عظیم ہند کے ہر گوشے سے لوگ کھنچ کھنچ کر اس میں آئے۔ رعایا کو مختلف پیشوں اور کاموں کی تربیت دینے کے لیے فنّی سکول کھولے اور بے روزگاری کا مسئلہ حل کرنے کے لیے دفتر روزگار قائم کیا۔ اس نے سنسکرت کی متعدد کتابیں فارسی میں منتقل کروائیں۔ سخت گیر نادر شاہ تک کتابوں کا عاشق تھا چنانچہ دلّی کے کتب خانے میں تیمور لنگ نے جو کتابیں چھوڑی تھیں وہ انہیں اپنے کتب خانے کے لیے ایران لے گیا۔ تیمور لنگ کو بھی کتابوں سے بڑا عشق تھا۔

جو مسلمان حکمران دلّی کی سلطنت سے علیحدہ ہو گئے انہوں نے بھی اپنی اپنی مملکت میں تعلیم کو فروغ دینے کے لیے بہت کچھ کیا۔ دکن کے بہمنی سلاطین نے گاؤں گاؤں تعلیم عام کی۔ اس سلسلے میں انہوں نے دیہی مسجدوں اور درسگاہوں کو بڑی فیاضی سے عطیات دیے۔ لگاتار تین بہمنی سلاطین کے عالم و فاضل وزیر محمود گاواں نے بیدر میں بہت بڑا کالج کھولا۔ اس کے کھنڈر آج بھی موجود ہیں جن سے تعلیم پھیلانے کے لیے بہمنی سلاطین کے جذبے کا سراغ ملتا ہے۔ گولکنڈہ کے سلطان قطب نے کالج اور عوامی دارالعلوم کھول کر علم و فن کی اشاعت میں ہاتھ بٹایا۔ بنگال کے سلطان حسین نے اپنے مربّی، بزرگ قطب عالم کی یاد میں بہت بڑا کالج بنوایا۔

دلّی میں درس و تدریس کی سرگرمیاں بدستور ترقی پر رہیں۔ دلّی کے تمام مغل سلاطین علم و فن کے بڑے عاشق تھے اور انہوں نے ہر پہلو پر تعلیم کو فروغ دیا۔ سلطان ظہیر

Marfat.com

الدین بابر کا وزیر اور مورخ سید مقدر اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ سلطان کے دور میں رفاہ عامہ کے شعبے کا ایک کام چھوٹی بڑی پرانی درسگاہوں کی دیکھ بھال کرنا اور نئی درسگاہیں کھولنا تھا۔ جب سلطان نے دوبارہ تخت دہلی حاصل کیا تو اس نے وہاں ایک کالج قائم کیا اور شیر شاہ نے جو عشرت محل تعمیر کیا تھا اسے ایک نفیس لائبریری میں منتقل کر دیا۔

شہنشاہ اکبر نے کتنے ہی سکول اور کالج کھولے جہاں ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک سی تعلیم دی جاتی۔ اکبر کے عہد میں بلوکمان نامی ایک یورپی اسکالر دلّی میں آیا تو فتح پور سیکری میں بھی گیا جہاں اس نے اکبر کا قائم کیا ہوا ایسا عظیم تعلیمی ادارہ دیکھا "شاید ہی کوئی سیّاح جس کے پایے کے کسی ادارے کا نام لے سکے"۔ اکبر نے نادر کتابوں کی ایک بہت بڑی لائبریری بھی قائم کی۔ ملّا پیر محمد کو اس کا ہمہ وقتی نگران مقرر کیا۔ اکبر نے آگرہ، دہلی، الہ آباد اور کتنے ہی دوسرے شہروں میں چھوٹی بڑی متعدد درسگاہیں کھولیں ہر قومیت کے لوگ ان میں داخل ہوتے اور اعلیٰ تعلیم پاتے۔ یہ اقامتی درسگاہیں تھیں اور سرکار ان کی دیکھ بھال کے لیے فراخدلی سے مالی امداد دیتی۔ سرکاری درسگاہوں کے علاوہ دلی دربار، دوسرے مقامات اور دوسرے درباروں کے امراء۔ دروساء نے کئی نجی درسگاہیں اور دارالعلوم قائم کیے، وہی ان کی دیکھ بھال کرتے۔ ۱۵۱۶۰ئیں اکبر کی دایہ ماہم انگہ نے دلّی میں دارالعلوم کھولا۔

اکبر کا بیٹا اور "تاریخ جام جشن" کا مصنف جہانگیر لکھتا ہے کہ اس نے تمام مکتبوں، مدرسوں اور کالجوں کی مرمت کی۔ ان میں ایسی درسگاہیں بھی تھیں جنہیں پچھلے تیس سال سے نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ انہیں طالب علموں اور معلّموں سے معمور کیا اور روپے پیسے سے ان کی مخیرانہ مدد کی۔ شاہجہان کو بھی تعلیمی سرگرمیوں سے لگن تھی۔ اس نے دلّی کی جامع مسجد کے قریب ایک دارالعلوم قائم کیا اور اس کی دیکھ بھال کی۔ اس کے

Marfat.com

زمانے میں ایک یورپی سیاح جو دلّی آیا تھا اس نے ۱۶۴۲ء میں شاہی کتب خانے میں چوبیس ہزار کتابیں پائیں۔

اورنگ زیب نے اپنی رعایا میں تعلیم پھیلانے کے معاملے میں غیر معمولی جذبے کا اظہار کیا۔ اس نے اپنی سلطنت کے تمام صوبائی گورنروں کے نام فرمان جاری کیا کہ وہ وظیفے مقرر کر کے غریب طلبہ کو مدد دیں۔ اس نے گجرات کے بوہروں کے لیے تعلیم لازمی قرار دی اور اس سلسلے میں غفلت برتنے والوں کے لیے سخت سزائیں نافذ کیں۔ لکھنؤ میں اس نے ایک ولندیزی کاروباری مرکز کو بڑے مدرسے میں تبدیل کر دیا۔ شاہنشاہ کے اس اقدام سے تحریک پا کر قاضی رفیع الدین ایسے کتنے ہی اصحاب نے دارالعلوم قائم کیے۔ ایسا ہی ایک دارالعلوم مولانا اکرم الدین نے ۱۶۹۷ء میں ایک لاکھ چوبیس ہزار روپے سے لکھنؤ میں قائم کیا۔ مولوی عبدالحکیم نے سیالکوٹ کا معروف مدرسہ قائم کیا۔

بہادر شاہ اور محمد شاہ کے عہدِ حکومت میں بھی درسگاہوں کا قیام عمل میں آتا رہا۔ شہزادوں اور عمائدِ سلطنت نے بھی درسگاہیں کھولیں جیسے غازی الدین اور فیروز جنگ کے دارالعلوم۔ حقیقت یہ ہے کہ اورنگ زیب کے کمزور جانشینوں تک نے تعلیم کی اشاعت میں رکاوٹ نہ ڈالی۔ لاریب آخری زمانے کے مغل تاجداروں کے عہد میں تعلیمی ترقی نصف النہار تک پہنچی۔ اس دور میں چند بہترین شاعر، متعدد عالم اور خطاط پیدا ہوئے۔ اودھ کا فرماں روا نظام الملک سعادت خان، بنگال کا حکمران علی وردی خاں اور میسور کا سلطان ٹیپو یہ سب تعلیم یافتہ اور عوامی تعلیم کے دلدادہ تھے جس میں عورتوں کی تعلیم شامل تھی۔

ہند میں مسلمانوں کا دورِ حکومت اس لیے بھی یادگار ہے کہ اس میں کتنی ہی فاضل عورتیں ہو گزری ہیں۔ سلطانہ رضیہ بڑی باکمال عورت تھی۔ یہ شہزادی سیاست میں مہارت

Marfat.com

رکھتی تھی۔ خواجہ معین الدین اجمیری علیہ الرحمۃ کی صاحبزادی حفیظہ جمال نے تعلیم عام کرنے میں جان و دل سے کوشش کی۔ نامور مورخ سٹینلے لین پول لکھتا ہے کہ شاہنشاہ بابر نے اپنی والدۂ ماجدہ قتلگ نگار خانم سے تعلیم پائی۔ بابر کی بیٹی گلبدن خانم اعلیٰ تعلیم یافتہ تھی۔ یہی شاہزادی "ہمایوں نامہ" کی مصنفہ ہے۔ بابر کی دوسری بیٹی گل رُخ خاں فارسی اور ترکی ادب میں بڑا تبحر رکھتی تھی۔ شاہنشاہ ہمایوں کی بھانجی سلیمہ سلطانہ نفیس، شاعرہ تھی۔ اکبر کی دایہ ماہم انگہ کا ایک درسگاہ کے قیام کے سلسلے میں اوپر ذکر آیا ہے وہ عوام کی تعلیم میں علمبردار کا مقام رکھتی ہے۔ سلطانہ چاند بی بی، نور جہاں، ممتاز محل شاہجہان کی معلمہ رقیہ بیگم، داراشکوہ کی بیوی نادرہ بیگم، شہزادی زیب النسا، جہاں آرا اور روشن آرا جو علی الترتیب شاہنشاہ اورنگ زیب کی بیٹی اور بہنیں تھیں ـــــ سب کی سب اعلیٰ تعلیم یافتہ اور باکمال خواتین تھیں۔

## دنیا میں مسلمانوں کی تعلیم کے پھیلاؤ کے اسباب

(جوزف ہیل اپنی مشہور کتاب "عربوں کی تہذیب" میں اس بات کی تشریح کرتا ہے کہ کیوں جہاں جہاں اسلام پھیلا وہاں وہاں لازمی طور پر تعلیم بھی عام ہوئی۔ وہ لکھتا ہے:- "اسلام حصولِ علم کے ذی قدر جذبے، علم کی آرزو، رواداری کے جذبے کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ علم کی سرحدوں کو وسیع سے وسیع تر کرنے کے لیے بیقراری کا ایسا جذبہ تھا جو مسلمانوں کی ذہنیت کی امتیازی خصوصیت ظاہر کرتا ہے اور بلند مقصد کے لیے محرک ہوتا ہے۔")

مورخ کرافورڈ اپنی کتاب کی دوسری جلد میں علم سکھانے والوں کی حیثیت سے مسلمانوں کی غیر معمولی کامیابی کے اسباب کی مزید تشریح کرتا ہے ـــ

("وہ (یعنی مسلمان) سولھویں صدی میں ہسپانویوں کی طرح فاتح بن کر نہیں آئے

Marfat.com

انہوں نے تلوار کو مذہب تبدیل کروانے کے لیے بطور حربہ استعمال نہیں کیا۔ — انہوں نے اعلیٰ اور مقتدر نسل ہونے کا دعویٰ بھی نہیں کیا جس سے وہ مفتوحہ علاقے کے اصل باشندوں کو ذلیل وخوار کر سکتے اور انہیں کچل سکتے وہ تو سیدھے سادے معلّموں کی حیثیت سے آئے اور انہوں نے اپنی اعلیٰ ذہانت اور تہذیب وثقافت کو اپنے مذہب کی خدمت کے لیے وقف کیا۔ اسے انہوں نے اپنا الّو سیدھا کرنے اور دولت سمیٹنے کا ذریعہ نہیں بنایا۔[۱]"

## اسلام میں تعلیم کی بنیادیں

(مسلمان بچّے کی تعلیم گھر سے شروع ہوتی ہے اور یہ اس کے باپ کا فرض ہے کہ اسے "کلمہ" سکھائے۔ چھ سال کی عمر میں اس پر نماز فرض ہوجاتی ہے اور اب وہ سب سے قریبی مسجد میں رسمی تعلیم پانے لگتا ہے۔

یہاں وہ ابتدائی مرحلے پر لکھنے پڑھنے پر توجہ مرکوز کرے گا۔ قرآن اس کے نصاب کی کتاب ہے اور اس کی منزل یہ ہے کہ پڑھنے کی صلاحیت پیدا کرے اور پھر غالباً وہ ایک دن اسے دوسروں کے لیے نقل کرے گا۔ حضرت علیؓ کا ایک قول — "میں اس کا غلام ہوں جس نے صرف ایک ہی لفظ سکھایا۔" یہ ظاہر کرتا ہے کہ استاد کے کس قدر احترام کی ضرورت ہے۔)

ابتدائی تعلیم میں حفظِ قرآن نے بھی بڑا اہم کردار ادا کیا ویسے قرآن کے ساتھ ساتھ دوسرے مضامین بھی پڑھائے جاتے تھے۔ سادہ حساب اور غالباً کچھ نظمیں پڑھائی

---

[۱] ...ڈ کی کتاب، جلد دوم ص ۲۶۳

Marfat.com

جاتیں[1]۔ اس مرحلے پر لڑکوں کے پہلو بہ پہلو لڑکیاں بھی عموماً مدرسے جاتیں لیکن اعلیٰ تعلیم شاذ ہی حاصل کرتیں۔

دینی مدرسے یا یونیورسٹی میں جانے کے لیے خود پیغمبر اسلام کے ان الفاظ سے طالب علموں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے ــــــ

"جو علم حاصل کرنے گھر سے نکلے وہ گھر لوٹ آنے تک خدا کے راستے پر چلتا ہے۔"

پھر یہ حدیث ہے ــــــ

"جو علم کی خاطر سفر کرتا ہے خدا اس کے لیے جنت کی راہ ہموار کرتا ہے۔"

اچھے مسلمان سے توقع رکھی جاتی کہ کبھی حصولِ علم کی جدّوجہد ترک نہیں کرے گا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ــــــ

"مہد سے لحد تک علم حاصل کرو۔"

آپ نے حصولِ علم کی کوشش کو "جہادِ اکبر" فرمایا اور کہا ــــــ

"جہالت دور کرنے کے لیے طالب علم کی مساعی اور علم میں کمال پانے کی کوشش سب سے بڑا جہاد ہے۔"

اس سلسلے میں رسول اکرم عالم کی روشنائی کو شہیدوں کے خون سے مقدس تر سمجھتے ہیں۔

یہ ہے وہ ماحول جس میں مسلمان نوجوان پروان چڑھے، علم کے حصول پر ایمان

---

[1] طلبہ کو شروع ہی میں سعدی علیہ الرحمۃ کا وہ پند نامہ ازبر کرا دیا جاتا جس کا پہلا شعر ہے ؎

کریما ببخشائے بر حالِ ما     کہ ہستم اسیرِ کمندِ ہوا

(مترجم)

Marfat.com

رکھتے اور جس میں ہر شخص کو حصولِ علم کی آزادی بخشی گئی۔ آزادی کے اس تصور میں اسلام نے علم سکھانے کی آزادی بھی عطا کی۔ جو شخص چاہتا معلم بن جاتا۔ اگرچہ امتحان کا رواج نہ تھا تاہم اس نظام میں عوامی کردار اس امر کی ضمانت دیتا تھا کہ تمام معلم معقول استعداد پیدا کریں۔

## پڑھنے اور پڑھانے کی آزادی

یہ درست ہے کہ مسلمان نوجوان کو بیشتر دینی تعلیم دی جاتی لیکن اصولِ علم کی تعلیم کا طریقہ میکانکی تھا نہ بلا حیل و حجت اسلامی تعلیمات کے حصول کی پابندی تھی۔ قرآن کی آیتِ کریمہ "اے میرے اللہ! میرا علم زیادہ کر" سے بجا طور پر اس رجحان کو پتا چلتا ہے جو آدمی کو اپنے مذہب کے بارے میں رکھنا چاہیے۔ لفظ "زیادہ کر" کو دیکھیے۔ یہ تنگدلانہ اور محدود اصول نہیں بلکہ تعلیم کا وسعت پذیر، پھیلتا ہوا اور متحرک اصول ہے۔ نامور ماہرِ تعلیم ڈاکٹر بلگرامی اپنے کتابچے "تعلیم کے چند پہلو" میں اس مسئلے پر تفصیلی گفتگو کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: "اسلام کا نظامِ تعلیم نہ صرف طویل المیعاد نظریۂ حیات بلکہ وسیع تر اور ارفع نظریۂ حیات کو تسلیم کرتا ہے۔ اس میں جسم، ذہن اور روح کی موزوں ترقی کی کاملاً اجازت ہی نہیں بلکہ اس سے مقصدِ حیات کا پتا چلتا ہے جس سے "کل" تابناک ہو جاتا ہے۔ یہ مرکزی نقطہ ہے، سرچشمہ ہے، تعلیم کا بڑا مقصد ہے۔ یہ توحید کا مثالی اسلامی نظریہ ہے۔ اسے منزل قرار دینا چاہیے اور اپنی ذات میں الوہی صفات پیدا کرنے، انہیں اپنے اعمال میں عیاں کرنے کے لیے مثالی حیثیت دینا چاہیے تاکہ جب تک وہ اس دنیا میں رہے گمراہ نہ ہو پائے۔"

امام ابوحنیفہ نے اسلام میں تعلیم کے مقصد کی تعریف کرتے ہوئے اسے "تقویٰ" یا ایسے "پاکیزہ کردار کے حصول کا ذریعہ بتایا ہے جو ہر مسلمان شہری کا ضروری وصف ہے۔"

Marfat.com

ان کے خیال میں "یہ ایسا شعور ہے جو روح کی اصلاح کرتا یا اسے بگاڑتا ہے، طاقت اسی سے حاصل ہوتی ہے" اس سے دنیا اور آخرت کے لیے غلط اور صحیح نیز نیک و بد میں تمیز کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، پھر صحیح کردار کے انتخاب کا بھی صحیح شعور پیدا ہوتا ہے تاکہ جہالت کے باعث آدمی گمراہ نہ ہو جائے"۔ امام صاحب کی رائے کے بموجب عمل اور استعمال کے بغیر علم بے معنی ہے۔

لفظ "تقویٰ" میں بھی کچھ آجاتا ہے۔ لغوی اعتبار سے اس کا مطلب چوٹ سے بچنا ہے اور قانونِ شریعت کی رُو سے ان تمام باتوں سے گریز کرنا ہے جو آدمی کے جسم اور اس کی روح کے لیے نقصان دہ ہوں۔

تعلیم کے باب میں اقبال علیہ الرحمۃ کی سوچ توحید کے انداز میں ہے۔ ان کے نزدیک اس کا مطلب اسلام کے معاشرتی نظام میں مساوات، استحکام اور آزادی ہے ان کی نظر میں یہ ایسا نورِ بصیرت ہے جو مادی دنیا سے ماورا ہے لیکن اسے تابناک کرتا ہے۔ یہ ایسا روحانی وصف ہے جو زندگی کو شعور بخشتا ہے ـــــ ایسی زندگی کو جسے فرد مادی اشیاء کے درمیان گزارتا ہے۔ بیک وقت ابھارنے اور ہدایت پانے کے لیے قوت متحرکہ ہے۔

## اشتمالیت، عیسائیت اور اسلام

اشتراکی کے لیے تعلیم "معاشرے میں کمیونزم کو تحریک دینے کا حربہ ہے"۔ اس کے خلاف عیسائیت کا نظریہ یہ ہے جو فرد کی قدر و منزلت پر زور دیتا ہے اور بشرطِ ضرورت انفرادیت کو معاشرے پر بھی فضیلت بخشتا ہے جس سے اظہارِ ذات اور نظم و ضبط کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ اس سے جمہوریت کے ڈھیلے ڈھالے ڈھانچے میں معاشرتی شعور پیدا کرنا مقصود ہے۔ ان دونوں تعلیمی نظریوں سے دو ایسے مختلف قسم کے افراد جنم

---

ٹ ۱۹۱۷ء کے نام نہاد انقلاب کے ہیرو، لینن کا مجسمہ ۱۹۹۰ء میں توڑ دیا گیا ہے۔ روس میں کمیونزم ناکام ہو گیا ہے کیونکہ اس سے خلقِ خدا کو گھٹن، افلاس اور ظلم و تعدی کے سوا کچھ نہیں ملا۔ (مترجم)

Marfat.com

لیتے ہیں جن کے مختلف مقاصد و عزائم ہوتے ہیں۔

اسلام بھی ایک امتیازی طرز کا انسان پیدا کرتا ہے لیکن وہ ان دونوں سے زیادہ متوازن ہوتا ہے۔ اسلام روحانی و مادی دنیا، فرد اور معاشرے میں مطابقت اور موافقت پیدا کرتا ہے۔ قرآن مجید میں تعلیم کے جس مقصد کا انکشاف کیا گیا ہے وہ دوسرے انسانوں سے فرد کے کثیر اور مختلف النّوع رشتے عیاں کرتا ہے —— گویہ اسلامی تعلیم کا ایک اہم جزو ہے تاہم اسی پر بس نہیں بلکہ نیچر یعنی گرد و پیش کی دنیا اور اللہ سے فرد کے رشتے کا اظہار مقصود ہے —— روزمرّہ کی زندگی میں حقیقت کاملہ کا اقدام ہے۔

ہر مسلمان، معلّم ہو یا طالب علم ان شرائط پر علم کے ہر معلوم شعبے کو جاننے میں آزاد ہے۔

## قرآن پاک اور علم

(علم کی شدید لگن جو اسلام کی خصوصیت ہے بدیں الفاظ قرآنِ پاک میں مذکور ہے ——

"اے میرے اللہ! میرا علم بڑھا!"

"رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا۔")

(قرآنِ پاک میں علم حاصل کرنے کی اس ضرورت کا بار بار ذکر آیا ہے جس کی ابتداء رسولِ اکرم صلعم پر پہلی وحی کے نزول سے یوں ہوا ——

"اس رب کے نام سے پڑھ جو خالق ہے[1]")

---

[1] اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۵ پارہ ۳۰ سورہ ۹۶ آیت

Marfat.com

"پس اس نے علم سے آغاز کیا اور چونکہ اہلِ علم پیغمبر کے جانشین ہیں جنہوں نے علم کا ترکہ چھوڑا اس لیے جو شخص اس میں پورا حصہ لیتا اور علم کے حصول کا راستہ اختیار کرتا ہے اللہ اس کے لیے جنت کا راستہ ہموار کرتا ہے اور اللہ فرماتا ہے ——— وہی فرماں بردار لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں[1]۔"

(اور اللہ نے فرمایا ہے، ——— "عالم کے سوا انہیں کوئی نہیں سمجھتا[2]۔"

اور یہ بھی فرمایا ہے، ——— "کیا جاننے والا اور نہ جاننے والا ایک برابر ہیں[3]؟")

## حدیثِ نبوی اور علم

(حدیثوں میں علم کی روحانی قدر و منزلت اور مسلمانوں کے لیے ہر طرح اشاعت علم کی ضرورت پر یکساں زور دیا گیا ہے۔ رسول اکرم صلعم کا ارشاد ہے ——— "جو شخص دنیا کی آرزو رکھتا ہے اس پر لازم ہے کہ علم کے ذریعے اسے پائے اور جو آخرت کی آرزو رکھتا ہے اس پر لازم ہے کہ عبادت کے ذریعے اسے پائے۔")

نیز ———

("علم و فضل والے پیغمبر کے جانشین ہیں۔"

"علم حاصل کرکہ علم آدمیوں کو خدا سے ڈرنا سکھاتا ہے۔")

پھر ہم یہ بھی پڑھتے ہیں ———

---

[1] قرآنِ حکیم ۲۸ : ۳۵

[2] قرآنِ حکیم ۴۳ : ۲۹

[3] قرآنِ حکیم ۹ : ۳۹

Marfat.com

"علم آدمی کے لیے اس کی تنہائی کا ساتھی ہے، پردیس میں اس کا دوست ہے، خوشی اور غم میں اس کا رہنما ہے، یہ ایسا ہتھیار ہے جسے وہ دشمن کے خلاف استعمال کر سکتا ہے اور ایسی زینت ہے جس کی دوستوں میں نمائش کر سکتا ہے۔"

"علم کے ذریعے اللہ ایک قوم کو رفعت بخشتا ہے۔ اور انہیں ایسا رہبر بناتا ہے جس کے راستے پر دوسرے چلتے اور جس کی مثالوں پر دوسرے عمل کرتے ہیں۔"

یہ بھی ارشاد نبوی ہے ـــــ "اللہ جس کی بھلائی چاہتا ہے وہ اسے شعور دیتا ہے۔ ایمان اور آگاہی علم سے حاصل ہوتی ہے۔"

"جو علم پاتا ہے وہ مرتا نہیں۔"

"عالموں کی باتیں سننا اور دوسروں کو علم سکھانا مذہبی عبادات سے افضل ہے۔"

"جو عالموں کا احترام کرتا ہے وہ میرا احترام کرتا ہے۔"

"عالم کی روشنائی شہید کے لہو سے مقدس تر ہے۔"

"علم حاصل کرو خواہ وہ چین ہی میں کیوں نہ ہو۔"

عورتوں کو علم کے حصول سے الگ تھلگ نہیں رکھا گیا۔ رسول اکرم صلعم فرماتے ہیں ـــــ "علم کی طلب ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔"[1]

دراصل تمام مسلمانوں کے لیے "علم ذہن کے لیے سرمایۂ زندگی ہے اور ایسا تاباں چراغ ہے جو تاریکی سے دُور رکھتا ہے۔"

اس اسپرٹ میں اور ان الفاظ کی حوصلہ افزائی سے عربوں نے یورپ میں از سرِ نو

---

[1] طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَةٍ ۔

Marfat.com

علم کی مشعل روشن کی اور اسے بلند کر کے وہ تمام کچھ روشن کر دیا جس کے بغیر مغرب میں عہد تاریک ہی رہتا۔ اسلام کی تحریک سے تعلیم نے ان مقامات پر روشنی پھیلائی جہاں پہلے اندھیرا تھا۔

---

Marfat.com

# اسلامی عہد میں زندگی کے دوسرے شعبوں کی ترقّی

## فوجی اُمور میں مسلمانوں کی کارگزاری

### نظم وضبط اور انسان دوستی

قرونِ اولیٰ کی اسلامی فتوحات میں جس تیز رفتار، داؤپیچ اور کامیابی کا پتا ملتا ہے وہ داستان معلوم ہوتی ہے اور یہاں اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔ لاتھروپ سٹوڈرڈ اپنی معروف کتاب "اسلام کی نئی دنیا" میں مسلمانوں کے فوجی کارناموں اور استحکام کی قوتوں کا شاندار انداز سے خلاصہ پیش کرتا ہے ــــ

"دوسرے بڑے بڑے مذاہب کو آہستہ آہستہ اذیت بخش جدوجہد سے کامیابی کے لیے راستہ ملا اور جب طاقتور فرماں رواؤں نے نیا مذہب قبول کر لیا تو ان کی مدد سے انجام کار کامیابی نصیب ہوئی۔ عیسائیت کو شاہ قسطنطین، بدھ مت کو راجہ اشوک اور زرتشتی مذہب کو سیروس مل گیا۔ ان سب نے اپنے منتخب مذہب کی اشاعت پر وہ زبردست قوّت صرف کی جو انہیں اپنی غیر مذہبی حیثیت سے حاصل تھی۔ اسلام کے معاملے میں ایسا نہیں ہوا۔ اسلام ایک ریگستانی علاقے میں اُبھرا جو بہت

Marfat.com

کم آباد تھا اور انسان کی تاریخ میں جس نے پہلے کوئی نمایاں کام نہیں کیا تھا۔ پھر یہ اس حالت میں زقند پر زقند لگاتا عظیم مہمات کے لیے میدان میں نکلا کہ انسانوں کی خفیف ترین حمایت اسے حاصل نہ تھی اور ہر قسم کی دشواریاں موجود تھیں۔ اس پر بھی معجزانہ سہل طریقے سے کامیاب ہُوا۔ دو ہی نسلیں گزریں کہ اسلام کا ہلالی پرچم جبل الابواب (فرانس اور ہسپانیہ کے درمیان کوہستانی علاقے) سے ہمالیہ تک اور وسطی ایشیا سے افریقہ کے صحراؤں تک لہرانے لگا۔"

یہی مصنف اپنی کتاب میں دوسری جگہ یہ لکھتا ہے ـــــ "عربوں کی باری آئی تو وہ اپنی فتوحات کو مستحکم کرنے کا گُر جانتے تھے۔ وہ کوئی خونخوار وحشی نہ تھے کہ لُوٹ مار اور تباہی پر تلے ہوتے بلکہ وہ تو بڑے اوصاف کے مالک تھے اور پرانی تہذیبوں سے علم حاصل کرنے کے دلدادہ اور ان کی خوبیوں کے قدردان تھے۔ آپس میں آزادی سے شادی بیاہ کرنے اور مشترکہ زاویۂ نظر رکھنے کے باعث فاتح اور مفتوح دونوں جھٹ گھُل مل گئے اور اس باہمی اختلاط سے ایک نئی تہذیب ابھری ـــــ ساراسینی تہذیب۔ عربوں کی ذہانت اور اسلام کی روح نے یونان، روما اور ایران کی پرانی تہذیبوں کو نئے انداز سے زندگی بخشی۔"

جنہیں قرونِ اولیٰ کے مسلمان سپاہیوں کو جنونیوں کا غول سمجھنے کی تربیت ملی ہے ان کے لیے یہ[1] بات بلاشبہ حیران کن ثابت ہوگی کہ اسلام کے عہدِ آغاز تک میں جنگ میں مسلمان بڑے نظم وضبط سے کام لیتے تھے اور ان کا رجحان انسانیت دوستی کا تھا۔ عین نظم وضبط کے معاملے میں اسلام نے فوجی اُمور میں سب سے گراں قدر کام سرانجام دیے۔

---

[1] اس کی مثالیں حصہ دوم کے باب "مذہبی رواداری" میں ملیں گی۔

Marfat.com

جنگ کے دوران میں اور جنگ جیت لینے کے بعد سخت ڈسپلن کا مظاہرہ کیا جاتا۔ مفتوح سے جو سلوک کیا جاتا، اس میں بھی نیز مالِ غنیمت کی تقسیم اور معاہدوں کی پابندی میں بھی بڑی احتیاط برتی جاتی۔ سب سے پہلی فوجی عدالت حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں قائم ہوئی۔ آپ ہی نے فوجی جج مقرر کیا۔ یہ عدالت ایک طرف تو زمین اور سمندر سے حاصل کیے ہوئے مالِ غنیمت کے باب میں قومی اور بین الاقوامی اُمور کا تصفیہ کرتی اور دوسری طرف موجودہ "کورٹ مارشل" کا کام کرتی۔

سپاہیوں اور منصب داروں کے نظم و نسق کی مثالیں بہ کثرت ملتی ہیں۔ جب زید نامی غلام کے پسر اُسامہ کو شام میں رؤساء کے فرزندوں اور جہاندیدہ سپاہیوں پر عرب فوج کا سالار مقرر کیا گیا تو اس کے خلاف کسی کے لب نہ ہلے۔ جب عظیم ترین سپہ سالار خالدؓ بن ولید کو حضرت عمرؓ نے عہدے سے معزول کیا تو انہوں نے اپنے سے افضل کا حکم تسلیم کیا۔ جب گورنر موسیٰ نے اُندلس میں طارق کی فتوحات سے جل کر عظیم سپہ سالار کو کوڑے مارے اور پابہ زنجیر کیا تو اس نے یہ کہہ کر اپنے شاندار لشکر کو موسیٰ کے خلاف عَلَمِ بغاوت بلند کرنے کی اجازت نہ دی —— "میں عَلَمِ بغاوت بلند کرنے اور اسلام میں بدنظمی اور اطاعت شکنی کی مثال قائم کرنے میں آخری آدمی ہوں گا۔"

تعلیماتِ قرآنی کی رُو سے ادنیٰ سے اعلیٰ ہر مسلمان سپاہی میں نظم و نسق کی یہ روح پیدا کی جاتی تھی۔ مؤرخ ڈیوشس کی رائے کے بموجب اسلام کی تمام حیرت خیز فتوحات کا سبب قرآن تھا۔

ڈیوشس کہتا ہے ——

"قرآن ایسی کتاب ہے جس کی مدد سے عربوں نے چند سالوں میں سکندرِ اعظم اور روما سے بھی بڑی دنیا فتح کر لی جبکہ انہیں اسے فتح کرنے میں کئی سو سال لگ جاتے ——

Marfat.com

اسی کی مدد سے یہ قرطاں روا بن کر یورپ میں آئے جہاں
چاروں طرف اندھیرا تھا اور انہوں نے بنی نوعِ انساں کے
لیے مشعل ہاتھ میں رکھی تھی۔"

قرآن میں ہمیں مسلمانوں کے اعلیٰ فوجی مقصد کی کئی مثالیں ملیں گی، مثلاً یہی ایک آیت کریمہ ہے ـــ "بے شک اللہ ان سے محبت کرتا ہے جو خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ ایسی صفیں بناتے ہیں جیسے وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں۔" یہ امر واقع ہے کہ مسلمان ذلت سے ہتھیار ڈالنے کی بجائے اپنے دین کی خاطر مرنا قبول کرتے۔ انہوں نے "سیسے کی دیواریں" تعمیر کرنے میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ غرناطہ کے محاصرے میں موسیٰ کے یہ الفاظ اس روح کی ترجمانی کرتے ہیں ـــ "میں لوگوں کا جذبہ اس قدر شکستہ دیکھتا ہوں کہ اب سلطنت کو بچانا ممکن نہیں تاہم ارفع انسانوں کے لیے اب بھی متبادل راستہ موجود ہے ـــ عظیم الشان موت کا راستہ۔ آؤ اپنی آزادی کی حفاظت کرتے ہوئے اور غرناطہ کے الم کا بدلہ لیتے ہوئے ہم جان دے دیں۔ مادرِ ارض اپنے بچوں کو آغوش میں لے لے گی۔ اگر کسی کی لاش چھپانے کو قبر نہ ملے تو پھر آسمان کی بھی ضرورت نہ پڑے گی کہ اسے چھپائے۔ خدا نہ کرے، یہ کہا جائے کہ غرناطہ کے عالی مرتبہ لوگ اس کے دفاع کی خاطر مرنے سے ڈرتے رہے۔"

اپنا ملک بچانے کے لیے بخوشی جان دینا اس تقدیر پرستی سے بہت مختلف ہے جو قرآن سے بے خبر لوگ بالعموم مسلمان غازیوں کی جانب منسوب کرتے ہیں۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے رضائے الٰہی کے سامنے جو سرِ تسلیم خم کیا اس کے لیے تقدیر پرستی کی بجائے نظم و ضبط کا لفظ بہتر ہے۔

غازیانِ اسلام کے لیے جو رویہ فرض کیا گیا ہے اس کے لیے اتنے پُروقار

Marfat.com

کلماتِ پاک سیرت خلیفۂ اوّل، حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تقریر کے سوا کہیں نہیں ملتے۔

"یاد رکھو! تم ہمیشہ خدا کے حضور میں ہو ـــــ بوقتِ مرگ بھی، یومِ حشر پر یقین اور جنت کی امید رکھتے ہوئے بھی۔ ناانصافی اور ظلم سے بچو اپنے بھائیوں سے مشورہ کر لو اور اپنے لشکر سے محبت کرنے اور ان پر اعتماد رکھنے کی سعی کرو! جب تم کوئی معاہدہ یا سمجھوتہ کرو تو اس پر عمل کرو اور جتنے بھلے اس کے لفظ ہوں اتنے ہی بھلے تم بھی نکلو!" معاہدوں اور عہد و پیمان کے باب میں قرآن میں بہت کچھ مرقوم ہے۔ ایک خاص حکم یہ ہے ـــــ

"جب تم خدا کے نام پر معاہدہ کرو تو اس پر عمل کرو اور جب تم کسی حلف کی توثیق کر چکو تو اسے توڑو نہیں اور اس کے لیے اللہ کو ضامن بناؤ!"

اس حوالے سے اس جذبے کا پتا چلتا ہے جس کی فریقین کے درمیان مسلمانوں سے توقع کی گئی۔ غالب اور مغلوب کے مابین ہونے والے معاہدوں کی نوعیت سے متعلق اور بھی کئی احکام ہیں۔ ان سب کی غایت ممکن حد تک جنگ و جدل کو (وحشت اور درندگی کی بجائے) انسان دوستی کے قریب لانا تھا۔

## جنگ میں انسان دوستی کا رویّہ

کم لوگ یہ بات سمجھتے ہیں کہ قرونِ اولیٰ کے مسلمان فاتحین کے لیے جنگ ہمیشہ آخری حجت رہی ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا ہے: "اگر وہ امن پر مائل ہوں تو تم بھی امن پر مائل ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو!" پھر یہ بھی کہا گیا ہے: "پس تذبذب میں نہ پڑو اور جب کامل طور پر حاوی ہو جاؤ تو صلح کی دعوت دو!"

Marfat.com

اگر جنگ ناگزیر ہوئی تو سپاہیوں اور سالاروں کے لیے یہ ضابطۂ اخلاق مقرر کیا گیا۔

(۱) غیر ضروری طور پر ظالمانہ طریقوں سے قتل کرنے اور دشمن کو اذیت دینے سے منع کیا گیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ نے ہر معاملے میں عدل کی ہدایت کی ہے، پس اگر تم قتل کرو تو انصاف سے کام لو!"

(۲) ان عام لوگوں، عورتوں، بچوں، خادموں اور غلاموں کو قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے جو شریک جنگ نہیں۔ اندھوں، راہبوں، گوشہ نشین فقیروں، ضعیفوں اور ان لوگوں کے قتل کی اجازت بھی نہیں دی جو جسمانی لحاظ سے معذور ہوں اور لڑنے کے ناقابل۔

(۳) جنگی قیدیوں کو ناکارہ کرنے سے باز رکھا گیا۔

(۴) آدمیوں اور حیوانوں کے اعضا کاٹنے سے منع کیا گیا۔

(۵) ظلم و تشدّد اور خلافِ دین اقدامات ممنوع قرار دیے گئے۔

(۶) زمین پامال کرنے، فصلیں اجاڑنے اور بلا وجہ درخت کاٹنے سے منع کیا گیا۔

(۷) غذائی ضرورت کے علاوہ جانور ذبح کرنا ممنوع قرار پایا۔

(۸) ہر قسم کی زیادتی سے منع کیا گیا۔

(۹) عورتوں یہاں تک کہ قیدی عورتوں سے زنا منع کیا گیا۔ حکم عدولی کرنے والوں کو سنگسار کیا جاتا یا انہیں دُرّے لگائے جاتے۔

(۱۰) جو لوگ یرغمال کے طور پر دشمن کی تحویل میں ہوں انہیں ہلاک کرنے سے روکا گیا ان میں حکومت کے ایسے لوگ شامل ہیں جنھوں نے معاہدہ شکنی کی اور ان مسلمانوں کو ہلاک کیا جو یرغمال کے طور پر دیے گئے تھے۔

(۱۱) خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے حکم پر مقتول دشمن کا سر کاٹنے اور مسلمان حاکم

Marfat.com

اعلیٰ کے پاس بھیجنے سے منع کیا گیا۔

(۱۲) فتح پانے کے بعد قتل وغارت کرنے والے کے لیے معافی نہ تھی۔ اس سلسلے میں نبیٔ اکرم صلعم نے تابناک مثال قائم کی۔ آپ نے فتح مکہ کے بعد سب کو معاف فرمایا۔

(۱۳) نہ لڑنے والے کسانوں، تاجروں، کاروباری لوگوں اور ٹھیکیداروں کے قتل سے منع کیا گیا۔

(۱۴) قیدی آدمی یا جانور کو جلانا منع تھا۔

(۱۵) دشمن کے قیدیوں کی آڑ لینے اور انہیں انہی کی فوج سے لڑنے پر مجبور کرنے سے روکا گیا۔

(۱۶) معاہدوں کی رُو سے جو کام ممنوع قرار دیے گئے انہیں کرنے سے روکا گیا اور اس وقت تک روکا گیا جب تک معاہدے قائم رہیں[1]

## سائنسی طرز کی جنگ

بعد کی مہمات میں مسلمانوں نے سائنسی ایجادات کو جنگ میں شریک کرلیا کیونکہ ان میں متعدد ممتاز سائنسدان پیدا ہوئے۔ پروفیسر ہیل نے اپنے ایک مقالے میں لکھا ہے ــــ عین اسی طرح جس طرح ہمارے زمانے میں ہے سائنس کو جنگ و جدل میں داخل کیا گیا۔ تیر اندازوں کی ہر جمعیت کے ہمراہ آگ لگانے والوں کی ایک ٹولی ہوتی جن کے پاس تیل ہوتا۔ یہ روغن بردار آتش باز ایسے کپڑے پہنے رہتے جو آگ نہ پکڑتے اور دشمن کے قلعوں کے جلتے ہوئے کھنڈروں میں چلے جاتے۔ جدھر دیکھیں

---

[1] جنگ کے ضابطۂ اخلاق کی یہ سولہ شقیں ترمذی، بخاری، مودودی اور سرخسی میں ملتی ہیں۔

Marfat.com

ہمیں ایسی سرگرمیاں ملتی ہیں جنہیں ہم بڑے مزے سے اپنے جدید عہد کی ایجادات اور فتوحات سمجھتے ہیں۔

مسلمانوں نے مہلک گیسیں اور بدبودار سیال کیمیائی مرکبات بھی معلوم کر لیے تھے۔ مہلک گیس" دشمن کو خوفزدہ کرنے" اور "قلعے فتح کرنے" کے لیے استعمال کی جاسکتی تھی۔ (اردو سے "رسالہ فی الحرب" اور "والمرتدین" مسودات، قاہرہ۔ فقہ حنفی نمبر ۱۰۸۰، باب ۲۷)

برہان الدین مرغنائی نے کیمیائی دھوئیں سے حملے کرنے کا ذکر کیا ہے۔ زہریلی گیسیں تیار کرنے کے کتنے ہی طریقے عربی کے قدیم نسخوں میں پائے جاتے ہیں۔ تاہم انہیں اندھا دھند استعمال کرنے کی سفارش کی گئی نہ اجازت دی گئی۔

## توپ اور بحری سرنگ کی ایجاد

ایس۔ پی سکاٹ اپنی تاریخ[1] کی تیسری جلد میں رقمطراز ہے کہ اندلس میں مسلمان ایک معمولی قسم کی توپ کام میں لاتے تھے۔ فارنس اپنی تالیف "بین الاقوامی قانون کے اصول" میں بتاتا ہے کہ انہوں نے معمولی قسم کی بحری سرنگ بھی ایجاد کر لی تھی۔

## ایمبولنس اور جنگی شفاخانے

مسلمان سپہ سالار میدانِ جنگ میں جھٹ پٹ طبی سروس اور بنیادی شفاخانے قائم اور زنانہ نرسنگ سروس کا انتظام کر لیتے۔ (دیکھو بابُ الطِّب)

---

[1] HISTORY OF THE MOORISH EMPIRE ص ۶۲۴

## مسلمانوں کے لشکر میں بیماری کا فقدان

وبا یا بیماری کبھی مسلمانوں کے لشکر میں بہ شدت نہ پھیلی۔ حالانکہ ابتدائی ایام میں اس کی توقع رکھی جا سکتی تھی۔ اس کا سبب وہ انفرادی صفائی اور ذاتی طور پر حفظانِ صحت کا عمل تھا جس کے لیے قرآن نے ہر مسلمان کو تاکید کی ہے۔ اس معاملے میں اسلامی لشکر کو بعد کے زمانے میں بھی مغربی فوجوں پر فوقیت حاصل رہی۔ لارڈ ایورسلے اناطولیہ کے ترکوں کی نسبت کہتا ہے

"سپاہی کی حیثیت سے تُرک بڑی نادر خوبیوں کے مالک تھے۔ ماضی کی طرح آج بھی وہ جری، سخت جان، سنجیدہ، کفایت شعار اور صفائی ستھرائی کی عادتیں رکھنے والے ہیں جیسا کہ ان کے مذہب نے انہیں سکھایا ہے۔ یہ زبردست بات اس لیے بھی ان کے حق میں جاتی ہے کہ دوسری افواج میں صفائی ستھرائی کے انتظامات نظر انداز کیے جاتے رہے۔"

## اسلامی لشکر کے بارے میں ہمعصروں کی دو رائیں

اپنے ہمعصروں کے نزدیک اسلامی لشکر نہ صرف تعداد کے لحاظ سے بلکہ معین مقصد کے شعور اور انتظامی امور میں نظم و ضبط برقرار رکھنے کے معاملے میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ رسد کے معاملے میں جو مستعدی پائی اور مواصلات میں جو رفتار برقرار رکھی جاتی اس پر بڑی اچھی طرح پورا باب قلمبند کیا جا سکتا ہے۔ دانشمند شاہ لیو ششم (۸۸۶ تا ۹۱۲ ش) کی جنگی چالوں کے بارے میں جو رسالہ لکھا گیا ہے اس میں رسد اور مواصلات کی نسبت مسلمانوں کی فوجی قوت کا ذکر بھی مختصراً کیا گیا ہے۔ انہیں بتایا گیا

Marfat.com

ہے ــــ "تمام قوموں میں سے وہ (یعنی عرب مسلمان) فوجی کارروائیوں میں سب سے بڑھ کر تربیت یافتہ اور محتاط ہوتے ہیں۔" شاہنشاہ کونسٹنٹائن پورفیروجینیطس (۹۱۲ تا ۹۵۹ ش) کے یہ الفاظ اس یقین محکم کا پتا دیتے ہیں جس کا تاثر عربوں نے اپنے بازنطینی دشمنوں کو دیا ــــ "وہ قوی اور جنگجو ہیں ان میں سے اگر صرف ایک ہزار کسی کیمپ پر قابض ہو جائیں تو ان سے قبضہ لینا ناممکن ہوتا ہے۔"

## اسلامی بحریے کی فوقیت

مسلمانوں کی فوجی فتوحات جس سرعت سے وسیع علاقوں پر ہو رہی تھیں اور ان کے نتیجے میں کاروبار اور تجارت کا دھندا بڑھتا پھیلتا ہی چلا جا رہا تھا اس کا یہ تقاضا تھا کہ اسلامی بحری قوت اس سے ہم آہنگ اور ہم قدم رہے۔ شروع ہی میں حضرت عمرؓ کے زمانے سے مسلمان بحری قوت بڑھانے لگے تھے اور تیسرے خلیفہ حضرت عثمانؓ کو تو مسلمانوں کے پہلے بحری بیڑے کا ناظم قرار دے سکتے ہیں۔ حضرت عبداللہ کے حکم سے مسلمانوں کے جنگی جہاز اسکندریہ کی بندرگاہ سے نکل کر بازنطینیوں کے خلاف حضرت معاویہؓ کے لشکر سے آملے جو شام میں مقیم تھا۔ ۶۴۹ ش میں حضرت معاویہؓ نے قبرص (سائپرس) چھین لیا جو بازنطینیوں کا بحری مرکز تھا۔ اسلام کی یہ پہلی بحری فتح تھی اور پہلی بار ایک جزیرہ مسلمانوں کی مملکت میں شامل کیا گیا۔

۶۵۵ ش میں حضرت معاویہؓ اور حضرت عبداللہ کے تحت شام اور مصر کے مشترکہ بحری بیڑے نے فینکس کے قریب ساحل لائسیا سے دور بازنطینی بحریہ کے کوئی پانچ سو جہاز تباہ کر دیے۔ شاہنشاہ کونستاس دوم جو جنگ میں قیادت کر رہا تھا

Marfat.com

بہ مشکل جان بچا کر بھاگا[۱]۔ اس جنگ کو مستولوں کی جنگ کہتے ہیں۔ اس نے بازنطینیوں کی بحری قوت ختم کرکے ان کی قسمت پر مہر لگا دی۔ اس موقع پر مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہوگیا اور وہ اپنے فتح و نصرت کے پرچم قسطنطنیہ تک نہ لے جا سکے۔ ۶۶۸ یا ۶۶۹ء میں اسکندریہ سے دو سو جہازوں کا بیڑہ چلا اور صقلیہ (سسلی) تک جا پہنچا۔

حضرت عمرؓ اور اموی خلفاء کے زمانے تک مسلمانوں کا بحری بیڑہ بہت بڑا ہو چکا تھا۔ شام اور مصر کی بندرگاہیں خوب کام دیتی تھیں۔ پھر جب جنوبی اطالیہ (اٹلی) سے ادھر کے جزیرے مسلمانوں کے زیر اقتدار آئے تو بندرگاہ پہ بندرگاہ ملتی گئی۔ کریت سار دینیہ اور کورسیکا فتح کر لیے گئے۔ صقلیہ میں اسلامی ریاست قائم ہوگئی جو دو سو سال تک زرعی اور صنعتی مرکز کے طور پر پھلی پھولی۔

نویں صدی میں بحیرے کے کتنے ہی مسلمان سپاہیوں اور افسروں نے امتیازی حیثیت پائی۔ انہی میں ابوحنیفہ عمر بلوطی کا نام آتا ہے۔ عرب مورخ ابن خلدون اس

---

[۱] خلاف ازیں مسلمان سپہ سالار اپنے سپاہیوں کے دوش بدوش محاذ جنگ پر آخری دم تک لڑتے۔ ان کے بھاگنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ وہ تو اپنی فوج کے ہمراہ کٹ مرتے۔ ستمبر ۶۵ء میں جب بھارت نے پاکستان پر حملہ کیا تو ہمارے افسر اسی بے جگری سے لڑے جس بے جگری سے سپاہی لڑے۔ ایک موقعے پر بھی ہمارے کمانڈروں (اور سپاہیوں) نے بھاگنے کی روایت قائم نہیں کی۔ خلاف ازیں بھارتی کمانڈر نہایت آسانی سے سپاہیوں کو تنہا چھوڑ کر میدان سے بھاگ جاتے یا پھر ہتھیار ڈال کر قید ہو جاتے۔ میجر جنرل نرنجن پرشاد اپنی جیپ چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اسی طرح جب بھارت نے چین پر حملہ کیا تو منہ کی کھائی۔ نوبت بایں جا رسید کہ سب سے پہلے کمانڈر اور بڑے افسر بھاگے، پھر ساری فوج بھاگی — ان میں سے کسی نے چینی فوج کے کسی سپاہی کی شکل تک نہ دیکھی۔ (مترجم)

Marfat.com

عہد کے بارے میں رقمطراز ہے ـــــ "اپنے عہدِ اقتدار میں مسلمان سمندر کے آقا تھے۔ دریا، سمندر، خلیج کہیں بھی عیسائی قومیں مسلمانوں کا مقابلہ نہ کر سکتیں۔ اپنے تسلط کے زمانے میں مدتوں مسلمان فتح و نصرت کے پرچم لہراتے، سمندروں کی منہ زور لہروں کو روندتے رہے۔"

پوری دسویں صدی میں بحیرۂ روم مسلمانوں کے بحریے کا مرکز سیر و سیاحت تھا۔ شمالی افریقہ کی سب سے بڑی بندرگاہ "مہدیہ" ۹۱۶ء (یعنی دسویں صدی) میں بنائی گئی تھی۔ یہاں بڑی مضبوط ساحلی دیوار تھی اور گودی کی حد بندی کے لیے آہنی پھاٹک نصب کیے گئے۔ بندرگاہ کے احاطے میں بڑے بڑے حوض تھے اور زمین تلے مال گودام تھے۔ اس کی گودی سخت چٹان تراش کر بنائی گئی تھی اور اتنی بڑی تھی کہ اس میں بیک وقت تیس جہاز سما سکتے تھے۔ بندرگاہ کے دونوں جانب لمبی لمبی زنجیریں بندھی ہوتیں۔ انہیں کھول دیا جاتا اور جہاز اندر بڑھ آتے۔ یہیں مہدیہ سے امیر البحر[1] حسن خلیلی اور امیر البحر یعقوب بن اسحاق ـــــ بحریہ کے ایسے نامور قائدین جنگی مہموں پر روانہ ہوئے۔ یہیں سے قسطنطنیہ اور فرینکس کے ساحلوں پر روما کے بحریہ کو نیست و نابود کرنے کی غرض سے جہاز بھیجے گئے۔

فرینکس فتح کر لینے کے بعد مسلمانوں کے بحری جہاز بحیرۂ روم کی دوسری جانب مرسائی ساحل کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہونے لگے جسے اب مارسیلز کہتے ہیں۔

تیونس اور صقلیہ (سسلی) میں اسلامی بحریہ کے لیے جہاز سازی کے کارخانے کھولے گئے جہاں اس زمانے کے اعتبار سے بڑے بڑے جہاز بنائے جاتے۔ ناصر خسرو نے

---

[1] انگریزی زبان کا لفظ ایڈمرل اسی امیر البحر کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ اس سے مسلمانوں کے بحریہ کی عظمت اور قوت واضح ہے۔ (مترجم)

Marfat.com

۱۰۴۷ء میں چند جہاز دیکھے جن میں ہر جہاز ۲۷۵ فٹ لمبا اور ۱۱۰ فٹ چوڑا تھا۔

فاطمی خلفاء نے تجارتی بحری سروس کی ترقی کے لیے بہت کچھ کیا۔ لین پول اپنی "تاریخ مصر" میں ان کے بارے میں رقمطراز ہے ــــــ

"ان کے جہاز بحیرۂ احمر اور بحر ہند بلکہ غربی افریقہ کے ساحل اور آبنائے جبل الطارق[1] تک پہنچتے"۔

مملوکوں[2] کے لیے بحیرۂ احمر درحقیقت ان کا اپنا ہی سمندر تھا۔ امیرالبحر رئیس سلیمان وہی مملوک ہے جس نے پچھتر جہازوں والے اس شاندار ترکی بحری بیڑے کی کمان سنبھالی جو ترکی سلطان سلیمان کے لیے تیار کیا گیا تھا۔

۸۲۹ء میں سلیمان نے بحیرۂ عرب سے بحیرۂ روم کے دو مختلف بحری راستوں کا ذکر کیا۔ اس کے بیان کی رو سے پہلا راستہ یہ ہے ــــــ بحیرۂ عرب سے بحیرۂ چین اور شمال میں بحرالکاہل میں آتے ہیں۔ پھر لوٹ کر آبنائے بیرنگ کو قطع کر کے بحر شمالی میں سے گزرتے ہیں اور بحر اوقیانوس میں داخل ہوتے ہیں اور آبنائے جبل الطارق میں سے ہو کر بحیرۂ روم میں آ جاتے ہیں۔ دوسرا راستہ جس کا حال اس نے سفرنامے میں لکھا

---

[1] جبرالٹر اسی جَبَل الطّارِق کی بگڑی ہوئی شکل ہے (مترجم)

[2] اسلامی مساوات کا جادو دیکھیے کہ مملوک جو غلام کے طور پر خریدے گئے، حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو ان پر اسی آن غلامی حرام ہوئی اور زندگی کی تمام راہیں کھل گئیں۔ پھر انہوں نے مصر میں سیاسی اعتبار سے بڑا اقتدار پایا۔ جب ہلاکو نے خلیفہ مستعصم باللہ کو (۱۲۵۸ء میں) قتل کر کے دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کو پارہ پارہ کر دیا، بغداد میں دس لاکھ ساٹھ ہزار کسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تو مصر کے مملوک حکمران ہی نے اس کے ناقابل تسخیر لشکر کو تباہ و برباد کر دیا اور از سر نو اسلامی سلطنت بحال کی۔ (مترجم)

Marfat.com

ہے جنوب کا ہے بحیرۂ عرب سے نکلتے ہیں تو سیدھے آبنائے موزنبیق میں پہنچتے ہیں، پھر راس اُمید کا چکر کاٹ کر افریقی ساحل پر سے گزرتے ہیں اور آخر کار اسی طرح جبل الطارق میں سے ہو کر بحیرۂ روم میں پہنچ جاتے ہیں۔

اس زمانے میں مسلمانوں کی بحری سرگرمیاں پورے بحر اوقیانوس میں ـــــ شمالی امریکہ کے ساحل تک جاری تھیں۔ نامور سیاح البیرونی اور نصیر الدین طوسی اپنی تالیفات میں خصوصیت سے قطبِ شمالی اور الاسکا کا ذکر کرتے ہیں۔ پروفیسر ششتری نے مسلمانوں کی بحری مہمات کے باب میں لکھا ہے ـــــ "بعض جری، مہم جو جہاز ران کولمبس سے چھ سو سال قبل امریکی ساحل تک پہنچ گئے تھے"۔

حصہ اول میں پہلے ہی مسلمانوں کی دریافتیں بیان کی جا چکی ہیں۔ یہ بیان ان صفحوں میں ملے گا جو جغرافیے، نقشہ کشی اور جہاز رانی کے لیے وقف کیے گئے ہیں۔ مسلمان جہاز ران قطب نما کی ایجاد کے لیے عربوں اور مسلمان ہیئت دانوں کے بڑے ممنون ہیں۔ چلتے چلتے ہم یہ بھی بتا دیں کہ سمندروں میں روشنی کے میناروں کا سلسلہ سب سے پہلے مسلمانوں نے قائم کیا۔

جب شاہ فلپ سوم نے ہسپانیہ میں سے مسلمانوں کو نکال دیا تو انہوں نے ۱۶۶۱ء میں مراکش میں "مسلم بحری تربیت گاہ" قائم کی۔ رباط میں اسلامی وفاق کو قیام بخشا گیا اور یہیں مہاجروں نے تربیت گاہ قائم کی جہاں رہبر ملاحوں کو جدید خطوط پر تربیت دی

---

ف۱ ۱۹۶۹ء کے نصفِ آخر میں رباط ہی کے مقام پر اسلامی ملکوں کے مندوبین کی تاریخی کانفرنس ہوئی جس میں پاکستان نے بھی شرکت کی اور اسرائیل سے عربوں کے علاقے واپس لینے کے بارے میں فیصلے کیے گئے۔ اسی کانفرنس سے بھارت کے سکھ نمائندے کو پاکستان کے صدر آغا محمد یحییٰ کے احتجاج پر باہر نکالا گیا (مترجم)

Marfat.com

جاتی اور انہیں چھوٹی چھوٹی کشتیوں کا بیڑہ مرتب و منظم کرنے کا کام سکھایا جاتا۔
مسلمانوں کی بحری قوت اور یورپ پر اسلام کے احسان کی نسبت پروفیسر ہیل لکھتا ہے ـــــ بحریہ مسلمانوں کی سرگرمیوں کی ایک اور نمایاں شق ہے۔ ابتدا ہی کی بات ہے کہ ۲۴ ہجری میں ہم قبرص (سائپرس) کی فتح اور بازنطینی مہم کا حال سنتے ہیں۔ تب سے بار بار ایسی مہموں کا ذکر ملتا ہے جو بحریے کی سمت اشارہ کرتی ہیں۔ بلاشبہ اس شعبے میں یورپ عربوں کا مرہونِ منت ہے۔ ان متعدد بحریاتی اصطلاحات اور الفاظ کو دیکھیے جو مغرب نے عربوں سے لیے اور آج تک محفوظ رکھے۔ بحیرۂ روم کے ساحل پر رہنے والوں پر عربوں کا اثر بہت زیادہ تھا۔ وان کریمر کہتا ہے کہ عیسائی ملکوں کے لیے کئی لحاظ سے عربوں کا بحری بیڑہ ایک نمونہ تھا۔ اس کا ثبوت عربوں کی ان متعدد بحریاتی اصطلاحات سے ملتا ہے جو جنوبی یورپ کی زبانوں میں موجود ہیں چنانچہ کیبل عربی کے جبل[1]، آرسنل (اطالوی دارسونل) عربی کے دار السلاح[2] اور کورویٹ CORVETTE عربی کے غراب (کوے) سے بنا ہے۔

## ڈاک خانے کا نظام

جب اسلام کی فوجی اور بحری قوت بڑھنے سے تمام معلوم دنیا تک سلطنت پھیل گئی تو مواصلات کی مشکلات میں بھی اضافہ ہوا۔ نئے تقاضوں ہی نے ڈاک کے نظام کو جنم دیا جو اپنی بہترین عملی شکل میں اسلامی ذہانت کا ثبوت پیش کرتا ہے۔
حضرت عمرؓ پہلے خلیفہ تھے جنہوں نے دار الخلافہ میں خبریں اور مالِ غنیمت لانے

---

ح ۱ جبل بمعنی رسی
ح ۲ سلاح، ہتھیار

Marfat.com

کے مسئلے پر خاص طور پر توجہ دی۔ خلفائے بنو اُمیّہ میں امیر معاویہ نے سب سے پہلے ڈاک کے نظام میں دلچسپی لی اور الولید نے اپنے تعمیراتی پروگرام سے باخبر رہنے کے لیے اسے وسعت دی۔ مؤرخین خلیفہ ہارون الرشید کو اس امر پر خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں کہ اس نے اپنے وزیر یحییٰ برمکی کے ذریعے ڈاک کے پورے نظام کو نئے سرے سے مرتب کیا۔ عباسیوں کے عہد میں پوسٹ ماسٹر جنرل مقرر کیا گیا۔ یہ عہدہ ہمیشہ نہایت ممتاز اور عالم شخص کو دیا جاتا اور اسے "صاحب البرید" کہا جاتا۔

ابتدائی طور پر ڈاک کا محکمہ مملکت کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے بنایا گیا۔ اس مقصد کے لیے ہر صوبائی صدر مقام میں ڈاک خانے قائم کیے گئے اور تمام بڑے بڑے تجارتی راستے ان سے پاٹ دیے گئے تھے۔ ایران میں گھوڑوں اور خچروں کے قافلے مراسلات لے جاتے اور شام میں اونٹ۔ فلپ حتّی بتاتا ہے ــــــ "بغداد کے ڈاک خانے میں پوری سلطنت کی شاہراہوں کی تفصیلات موجود تھیں جن سے مختلف مرکزوں اور ان کے درمیانی فاصلوں کا پتا چلتا۔ ان سے سیّاحوں، سوداگروں اور حاجیوں کو مدد ملتی۔ انہی نے بعد کے زمانے میں جغرافیائی تحقیقات کے لیے بنیاد کا کام دیا۔" حتّی یہ بھی بتاتا ہے کہ عراق میں ڈاک کے موجودہ راستے وہی پرانے زمانے کے راستے ہیں۔

ڈاک اور پیغامات لے جانے کے لیے صوبائی ڈاک افسر سدھائے ہوئے قاصد کبوتر بھی استعمال کرتے۔ اہلِ شہر معقول معاوضہ ادا کر کے برید (ڈاک) کی مختلف خدمات سے فائدہ اٹھا سکتے تھے۔

پوسٹ ماسٹر جنرل فوج کے محکمۂ جاسوسی کا سربراہ بھی ہوتا۔ صوبائی پوسٹ ماسٹر اپنے اپنے صوبوں کے نظم و نسق سے تعلق رکھنے والے معاملات کی نسبت اسے براہِ راست رپورٹ بھیجتے۔

Marfat.com

## رسول سروس کا قیام

عباسیوں کے دورِ حکومت میں کتنے ہی محکمے قائم ہوئے۔ المہدی نے دفترِ حسابات کی بنیاد رکھی۔ محافظ خانہ بنایا۔ شکایت کے معائنے کے لیے بورڈ قائم کیا تاکہ عدل و انصاف… میں خرابی ہو تو اسے رفع کیا جائے۔ اس کا نام "دِیْوَانُ النَّاظِرِ فِی الْمَنَاظِر" تھا۔ اس… کی ابتداء صقلیہ (سسلی) میں ہوئی اور پھر یورپ کی سرزمین میں اس نے جڑ پکڑ لی۔

ان سرکاری محکموں میں "دِیْوَانُ الْخَرَاج" کا محصولات کا بورڈ سب سے بڑا تھا جو زکوٰۃ، غیر مسلموں کا ٹیکس (جزیہ) اور مالیہ (خراج ـــــ زمینی ٹیکس) وصول کرتا تھا[1]

## پولیس کے محکمے کا قیام

عباسیوں نے پولیس کا نظام بھی قائم کیا جس کا سربراہ اعلیٰ عہدیدار ہوتا۔ اسی کے تحت شاہی باڈی گارڈ بھی ہوتا۔ ہر بڑے شہر میں پولیس ہوتی اور عام طور پر اس کا مشاہرہ بڑا اچھا ہوتا۔ اس بلدیاتی جمعیت کے حاکم کو محتسب کہتے۔ یہ منڈیوں اور لوگوں کے اخلاق کا نگہبان ہوتا۔ وہ دیکھتا کہ کاروبار میں صحیح باٹ اور پیمانے برتے جاتے ہیں اور خوراک میں کسی قسم کی ملاوٹ تو نہیں کی جاتی۔ وہ اس فرض پر بھی مامور تھا کہ جُوا بازی، شراب خوری اور مرد و زن میں حرام کاری کا انسداد کرے۔ اسے ان عمر رسیدہ لوگوں کو کوڑے مارنے کا اختیار تھا جو عورتوں کی خوشنودی حاصل کرنے اور انہیں بہکانے کی نیت سے داڑھیاں سیاہ کر لیتے۔ درحقیقت اس کے فرائض کا دائرہ بڑا وسیع تھا اور وہ متنوع بھی تھے۔ اس کے تقرر کی وجہ یہ خواہش تھی کہ فوری اور بے نظیر خوشحالی کے

---

[1] فلپ حتّی کی HISTORY OF THE ARABS ص ۳۱۹

Marfat.com

دور میں زندگی کے ہر شعبے میں قانون اور نظم وضبط کی پابندی کی جائے۔

## بغداد ــــ دورِ عباسیہ میں

یہ جاننے کے لیے کہ ان ایجادات واختراعات کے تحت عباسیوں کے شہر بغداد نے کس طور ترقی کی، آئیے اس کی شکل کھینچیں اور دیکھیں کہ عظیم ہارون الرشید کے عہد میں یہ کیسا تھا۔ الف لیلے کا یہ ہیرو ایک وسیع المشرب شہزادہ، قابل سپاہی اور علم وفن کا قدردان تھا ــــ اور عقلمند ترین منتظم بھی۔

اس کے زمانے میں بغداد عظیم الشان تجارتی شہر تھا جو بہت بڑے انتظامی قلعے کے اردگرد تعمیر کیا گیا تھا جہاں مملکت کے ہر محکمے کا سرکاری دفتر تھا جس کا نظم ونسق نہایت عمدہ تھا۔ اس شہر میں مدرسوں اور کالجوں کی بھرمار تھی۔ دنیا کے تمام حصوں سے فلسفی، طالب علم، طبیب، شاعر اور علمائے دین ہجوم کر آئے تھے۔ گرد و پیش کے صوبوں میں امن و امان تھا اور نظام حکومت عمدہ تھا۔ ہر قسم کے محصولات بغیر دقت کے وصول ہو جاتے صوبائی دارالحکومت شاندار سرکاری عمارتوں سے عبارت تھے۔ ڈاک اور کاروانوں کی موثر اور سرعت سے کام کرنے والی سروس سے باہم مربوط تھے۔ سرحدیں محفوظ تھیں اور ان کا انتظام خوب تھا۔ فوج وفادار تھی۔ صقلیہ (سسلی) سے عدن تک اور مصر سے وسطی ایشیا تک یکساں قوت اور پورے کنٹرول سے سلطنت برقرار تھی۔ مذہب وملت کے امتیاز کے بغیر عیسائی، کافر اور یہودی ــــ اور انہی کے ساتھ مسلمان سرکاری دفاتر میں ملازم تھے۔ آمدورفت کی کثرت اور دولت کی بہتات نے انقلاب اور قحط کو تمام کر دیا۔ جرائم پیشہ قصبوں میں بڑے احتیاط سے پولیس متعین کی گئی اور نظم وضبط روا رکھا گیا۔ وباؤں اور دوسری بیماریوں کا علاج شاہی شفاخانوں میں کیا جاتا جہاں سرکاری طبیب متعین تھے۔ اس وسیع وعریض سلطنت میں کہیں بھی بغاوت یا بدنظمی نہ تھی۔

Marfat.com

# مالیات

اسلام کے مالیاتی نظام کا بنیادی ذریعۂ آمدنی زکوٰۃ تھا۔ یہی ایک ٹیکس ہر مسلمان پر فرض تھا۔ سرکاری ملازم مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کرتے۔ اس کے بعد مرکزی خزانے کی وساطت سے ضرورت مند مسلمانوں میں اسے تقسیم کیا جاتا۔ زکوٰۃ جنس اور رقم، دونوں شکلوں میں وصول کی جاتی۔

نظامِ زکوٰۃ کے فوائد میں سے ایک فائدہ یہ تھا کہ دولت کی ذخیرہ اندوزی (اکتنازِ زر) کا انسداد ہوگیا کیونکہ سب سے پہلی چیز جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی وہ جمع شدہ دولت تھی۔ پس تجارت اور صنعت میں روپیہ لگانے کے لیے دولت مندوں کی ہمت افزائی کی جاتی۔ اس کے نتیجے میں مسلمانوں کا کاروبار پھیلا اور سلطنت کے طول و عرض میں خوشحالی کا عام معیار بلند ہوا۔

اس طور زکوٰۃ سے قرآن مجید کی تعلیم کو تقویت پہنچی جس میں آیا ہے ——

"وہ لوگ جو سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور انہیں خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں سخت عذاب کی خبر دی جائے۔ یہ عذاب اس دن نازل ہوگا جب دوزخ کی آگ میں ان کی دولت سے حرارت پیدا کی جائے گی اور اس سے ان کے ماتھے، پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی۔ یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لیے مدفون کیا تھا۔ پس اپنے دفینے کا مزا چکھ لو۔"[1]

---

[1] یہ پارہ دس، رکوع ۹ کی چونتیسویں آیت کے ایک حصے اور پینتیسویں آیت کا ترجمہ ہے عربی کا متن یہ ہے —— وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْ

Marfat.com

لغوی طور پر زکوٰۃ کے معنی تطہیر (پاک ہونے) کے ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے اہل ایمان کی تین طرح سے تطہیر کی ـــــ اخلاقی، معاشرتی اور اقتصادی لحاظ سے۔ صحیح رقم کا فیصلہ مومن کی ضمیر پر چھوڑ دیا گیا اور اس حقیقت نے اسے ایمان کا ایک اہم تقاضا پورا کرنے میں مدد دی کہ زکوٰۃ کی رقم خیر کے کاموں پر صرف ہو۔ قرآن میں مذکور ہے۔

"جب تک تم اللہ کی راہ میں وہ شے (فراخدلی سے) نہ دو جس سے تمہیں محبت ہو تب تک تم کسی طور راستی نہ پاؤ گے اور تمہیں جس شے سے محبت ہے اور جو کچھ تم اللہ کی راہ میں دیتے ہو اس سے وہ واقف ہے۔"

ستائیس ایسی آیتیں ہیں جن میں نماز اور زکوٰۃ کا ایک ساتھ ذکر آتا ہے۔ اقتصادی لحاظ سے زکوٰۃ کا صرف یہی مطلب نہیں تھا کہ دولت کو پھیلا دیا جائے بلکہ اس سے مفلسوں کی مدد بھی مقصود تھی اور معاشرتی انداز میں اس سے تمام مسلمانوں میں مساوات قائم کرنے کے مثالی مقصد کو تقویت ملتی تھی۔

اسلامی ریاست کے مالی نظام کا واحد مقصد یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ فائدے کی ضمانت ملے اور یہ طریق کار مسلسل اور بے لچک ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "انسانی حقوق کے معاملے میں سب برابر ہیں" اسلام کے اوّلین ایام میں پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مرکزی خزانے سے ہر آدمی کو مساوی حصہ دینے کی کوشش کی۔ حضرت علیؓ نے اس اصول کی

---

نَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۙ یَّوْمَ یُحْمٰی عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰی بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝

Marfat.com

پیروی کی اور بڑی دانشمندی سے غربا کے حقوق کی یوں تعریف کی۔ "دولت مندوں کے مال میں غربا کا اتنا ہی حصہ ہے جس سے ان سب کی ضرورتیں پوری ہو جائیں۔ پس اگر غربا بھوکے ہیں یا انہیں چیتھڑے لگے ہیں تو اس کا سبب امرا کی غفلت ہے۔"

بہر حال دولت مندوں کے مال کی لوٹ کھسوٹ نہیں کی گئی۔ اس بات کی احتیاط کی گئی کہ ان پر اس حد تک ٹیکس نہ لگایا جائے جس سے وہ بوجھ بن جائے اور نجی کاروبار یا صنعت میں روپیہ لگانا سود مند نہ رہے۔ پورا نظام محصولات جان بوجھ کر لچکدار رکھا گیا کوئی ہنگامی ضرورت آپڑی تو عارضی طور پر نیا ٹیکس لگا دیا جاتا۔ کساد بازاری کے زمانے میں ٹیکس معاف کر دیا جاتا۔

اسلامی دور میں بینکاری کا جو نظام تشکیل پذیر ہوا اس کے خط وخال ایسے تراشے گئے کہ ممکن حد تک زیادہ سے زیادہ روپیہ گردش میں آئے اور انفرادی سرمایہ کاری اور کاروباری پر کم سے کم پابندی لگائی جائے۔[1] قرآن نے ہر صورت میں ربا (سود) حرام کیا ہے اور پولیس اس کی روک تھام کرتی۔ یہ بھی ایک انسدادی اقدام تھا کہ مرکزی بنک بلا سود قرض دیں۔ البتہ قرضدار پر لازم تھا کہ بنک کو مساوی طور پر نفع اور نقصان میں شریک کرے۔ درحقیقت جس طرح وہ بنک کا حصہ دار تھا اسی طرح بنک اس کے کاروبار میں شامل تھا۔

بیت المال کا اسلامی ادارہ درحقیقت حکومت کے موجودہ مرکزی بنک کی

---

[1] عربوں نے سب سے پہلے سرزمین مکہ میں کوآپریٹو بنک قائم کیا جس میں لوگ حسب توفیق روپیہ جمع کرواتے جس سے کاروانی تجارت چلتی اور پھر لوگوں میں منافع بانٹ دیا جاتا۔ جنگ احد کے لیے بنک نے تمام مال فوجی کارروائیوں کے لیے وقف کیا۔ مترجم

Marfat.com

مانند تھا نیز اس کی سرگرمیاں اور امور و فرائض بھی ویسے ہی تھے البتہ کرنسی کے اجراء کا معاملہ اسلام ریاست کے سپرد کرتا ہے۔ آج کوئی اسلامی ملک اسلامی قوانین کے مطابق مرکزی مالیاتی ادارہ قائم کر سکتا ہے۔ اس اسکیم کے تحت تمام موجودہ بنک دو ترامیم کے بعد جاری رکھے جا سکتے ہیں۔ بنکوں میں جو روپیہ جمع کیا جائے اس پر سُود نہ دیا جائے اور جو قرض دیے جائیں ان پر سُود نہ لیا جائے۔ چونکہ بنیکاری کا یہ ترمیم شدہ ادارہ فلاحِ عامہ کے لیے چلایا جائے گا ـــ لوگوں کی صنعتی اور اقتصادی ضرورتیں پوری کرے گا اور شفاخانوں ایسے فلاحی ادارے چلائے گا اس لیے حکومت بنک قائم کرنے کے لیے ابتدائی اخراجات اور انہیں جاری رکھنے کے لیے اتفاقی اخراجات اسی طور پورے کرے جس طور پر سرکاری شفاخانوں کے لیے کرتی ہے۔ متبادل طور پر بنکوں کے قرضوں کو صنعتی اداروں کے لیے سرمایہ کی رَسَد قرار دے سکتے ہیں۔ بنکوں کے قیام کا خرچ صنعتی اداروں کے نفع سے پورا کیا جائے۔ کوئی وجہ نہیں کہ آج کسی اسلامی مملکت میں ایسا بنک فروغ نہ پا سکے۔ آزمائش کے طور پر ایسے اقدام کے حق میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔

"سرمایہ داری اور اشتراکیت کے نظام اس مسئلے کو حل کرنے میں ناکام رہے ہیں جسے حل کرنے کے لیے بیتُ المال نے سعی کی۔"

تقسیم دولت کے مسئلے پر اسلام نے کمیونزم اور اشتراکیت کے بَین بَین راہ اختیار کی۔ پروفیسر موسینون یوں رقمطراز ہے ـــ "اسلام میں یہ وصف ہے کہ وہ ہر شہری کے لیے نظریۂ مساوات کی بہت زیادہ حمایت کرتا اور اس سے قومی وسائل میں شرکت کی توقع رکھتا ہے۔ یہ بنیکی سرمایے کے اندھا دھند لین دین، ریاستی قرضوں اور بنیادی ضرورت کی اشیاء پر بالواسطہ محصول کے خلاف ہے البتہ باپ اور شوہر کی نجی ملکیت اور تجارتی سرمایے کا حق تسلیم کرتا ہے۔ یہاں پھر یہ سرمایہ داری نظام اور بالشویکی

Marfat.com

(روسی) کمیونزم کے نظریات میں بین بین رہتا ہے۔"

مالیات کے باب میں قرآن کے تمام بیانات سے ایک بات جو سب سے زیادہ واضح طور پر ابھرتی ہے یہ ہے کہ تمام دولت من جانب اللہ ہے اور بدیں صورت اسے کسی کا اجارہ نہیں بننے دیا جا سکتا۔ یہ اللہ کی ہے تاہم اس کے لیے جدوجہد کرنا قابلِ قدر ہے اور قرآنِ حکیم محنت و مشقت کرنے اور دولت کمانے کے لیے بار بار مسلمانوں کی ہمت افزائی کرتا ہے۔

قرآنِ حکیم میں لکھا ہے —— "جب نماز تمام ہو جائے تو زمین پر پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل کی جستجو کرو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔"[1]

حج کے ایام میں بھی روپیہ کمانے کی اجازت تھی۔

نبی کریم صلعم نے محنت مزدوری کرنے کے لیے حوصلہ افزائی فرمائی —— "جائز طریقوں سے روزی کمانا نماز کے فریضے کے بعد دوسرے درجے پر اہم ہے۔"[2]

"حشر کے دن میں تین گروہوں کے آدمیوں سے لڑوں گا۔ ان گروہوں میں ایک وہ آدمی ہوگا جو مزدوروں سے پورا پورا کام لیتا ہے لیکن کام کے مطابق انہیں دام نہیں دیتا۔"

اسلام میں اَمن درہم برہم کرنے والے ہنگاموں کی طرح ہڑتالوں کی بھی ممانعت کی گئی کیونکہ نئی بسائی ہوئی بستیوں میں ترقی کے لیے اَمن ضروری تھا۔ اگر شکایات پیدا ہوئیں تو ثالثی اور مصالحتی بات چیت کے لیے اِدارہ موجود تھا۔ تمام معیشت اس انداز

---

ط ۱۔ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ پارہ ۲۸، سورہ ۶۲ آیت کریمہ ۱۰

ط ۲۔ بروئے کنز العمل۔ جلد دوم۔

Marfat.com

سے مرتب کی جاتی تھی کہ توازن برقرار رہے۔

مورخ ہمیں بتاتے ہیں کہ روما کی سلطنت اس لیے تباہ و برباد ہوئی کہ مزدوروں کے طبقوں میں بے اطمینانی بڑھ گئی تھی۔ اسلام میں اس قسم کی بے اطمینانی ممکن نہ تھی ایک حدیث یوں مرقوم ہے ——

"تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ اللہ کو سب سے زیادہ وہ محبوب ہے جو سب سے زیادہ کنبے کا بھلا کرتا ہے"

اسلام تمام اہلِ ایمان سے کہتا ہے کہ وہ جس قدر معاشرے سے لیتے ہیں، اس سے زیادہ اسے دیں۔

آجروں میں اشتراکِ عمل کی اس روشن خیالی اور مزدوروں میں قوم سے وابستگی کے اس نیچے شعور نے صدیوں پہلے فلاحی مملکت کا تصور دیا۔ اس نظامِ معیشت کو اس لیے فروغ ملا کہ اسے زبردست ترین مالی سہارا ملا اور مالی مساوات کا قابلِ ذکر سلسلہ قائم تھا۔ یہاں پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام میں مادی اور روحانی معاملوں کے تانے بانے کس طرح ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دنیوی فلاح کے لیے اس طرح کام کرو جیسے تمہیں ہمیشہ زندہ رہنا ہو اور آخرت کے لیے اس طرح کام کرو جیسے تمہیں کل ہی مرنا ہو"

محنت کشوں، سرمایہ داروں اور بینکاروں کے لیے اس سے بہتر حکم اور کیا ہو سکتا ہے۔

## غیر جانبدار اور آزاد عدلیہ

شعبۂ قانون میں اسلام کا سب سے اہم یہ کام ہے کہ اس نے عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کیا۔ اس معاملے میں خلیفہ نے مثال قائم کی اور جب کبھی موقع پیدا ہوا اس نے عام

Marfat.com

شہری کی طرح قانون کے آگے سرِ تسلیم خم کیا۔ خلیفہ حضرت عمرؓ بن الخطاب اور ابو ابنِ کعب میں تنازعہ ہوا تو اوّل الذکر کو زید بن ثابت کی عدالت میں حاضر ہونا پڑا جب حضرت عمرؓ عدالت کے کمرے میں داخل ہوئے تو قاضی نے اپنی نشست خالی کر دی اور آپ سے اس پر تشریف رکھنے کو کہا، خلیفہ نے چلّا کر کہا: ابن ثابت (قاضی) اس مقدّمے میں تم نے یہ پہلی ناانصافی کی ہے۔ حضرت عمرؓ نے ترجیحی سلوک مسترد کیا اور فریقِ ثانی کے برابر بیٹھ گئے۔ حضرت علیؓ نے بھی قانون کی بالادستی کے معاملے میں ایسے ہی شعور کا مظاہرہ کیا۔ جب ایک عام مزدور نے عبّاسی خلیفہ منصور کے خلاف مقدمہ دائر کیا تو خلیفہ بہ نفسِ نفیس معمولی شہری کی طرح قاضی کے روبرو آیا۔ اسی طرح خلیفہ المامون کو ایک معمولی عورت کی شکایت کا جواب دینے کی غرض سے قاضی کے پیش ہونا پڑا۔ قانون کی بالادستی براہِ راست قرآنی احکامات اور رسول اکرم صلعم کے مثالی کردار کا نتیجہ ہے۔ ایک بار جلیل القدر قریشی خاندان کی ایک عورت نے چوری کی جس کی سزا میں ہاتھ کاٹے جاتے تھے۔ خاتون کے لواحقین حضرت عثمان بن ثابت سے ملے تاکہ وہ معافی کے لیے رسول اکرم صلعم سے التجا کریں۔ رسول اللہؐ نے جواب میں فرمایا ـــــ

"عہدِ گزشتہ میں قومیں اس لیے مٹ گئیں کہ جب ان میں سے کسی بڑے آدمی نے چوری کی یا کوئی اور جرم کیا تو اسے سزا دیے بغیر چھوڑ دیا گیا لیکن اس صورت میں غریب آدمی کو سزا دی گئی۔ واللہ اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو یقیناً اس کے ہاتھ کٹوا دیے جاتے۔"

یہ سزا اگرچہ سخت تھی لیکن وقت کے مطابق تھی اور اصول یہ کارفرما تھا کہ

Marfat.com

انصاف برقرار رہے، ہم پھر اس امر کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ انصاف کے کمترین طالب خود کو کس قدر اسلام کا ایک حصہ سمجھتے تھے۔

---

Marfat.com

# حصّہ اوّل کا تتمّہ

پچھلے صفحوں میں متعدد مغربی عالموں کے حوالے دیے گئے ہیں بعض کے حوالے مفصل ہیں۔ حصّہ اوّل کے اِتمام کے لیے یورپی اور امریکی عالموں کے چند حوالے مختصراً دیے جاتے ہیں جو خلاصے کا کام دیں گے اور اسلام کے اس کارنامے کی بھی قدر افزائی ہوگی جو اس نے مغربی دنیا کی ذہنی اور مادّی ترقی کے لیے انجام دیا —

"ادھر یورپ کے باشندوں میں وحشت و درندگی تھی — ان کی نسبت بڑی مشکل سے کہا جا سکتا ہے کہ وحشیانہ حالت سے باہر نکلے ہوں گے۔ یہ لوگ جنگلوں میں جھونپڑے بنا کر رہتے تھے اور گھاس پر چلتے تھے — بُرے حالوں لوبیا، باقلا اور پیڑوں کی چھال تک کھا کر گزارہ کرتے۔ اِدھر اگر یورپ کے جنوب مغربی حصّے کی طرف توجّہ دیں تو دیکھ کر مسرت ہوتی ہے کہ شمالی افریقہ کے عرب آبادکاروں نے آکر ایک تابناک تہذیب پروان چڑھائی"[1]

"قدیم یا جدید عہد کا ایسا کوئی کارنامہ نہیں جو مسلمان عربوں کے کارناموں کی گرد کو پہنچے۔ نہ ان کی طرح کوئی کارنامہ اس تیزی سے

---

[1] ڈریپر کی INTELLECTUAL DEVELOPMENT OF EUROPE صفحات ۲۷، ۲۸

Marfat.com

سرانجام ہوا اور نہ انسانی نسل کی ذہنی ترقی پر اس قدر فیصلہ کن اثرات مرتب ہوئے۔"[۱]

"علمی وفنّی اور صنعتی سرگرمیوں میں عرب تمام دنیا پر سبقت لے گئے تھے۔"[۲]

"مسلمانوں کے دورِ حکومت میں مملکتِ اُندلس آدھی صدی میں انسانی عروج کے اس مقام پر پہنچ گئی جو اطالیہ (اٹلی) کو اپنے کلیسائی سربراہوں کے عہدِ اقتدار میں ایک ہزار سال میں بھی حاصل نہ ہوا۔"[۳]

"مسلمانوں نے چھ صدیوں میں علم کے باب میں جو فتوحات حاصل کیں وہ تلوار کی فتوحات سے کہیں زیادہ تھیں۔"[۴]

"ازمنۂ وسطیٰ میں تنہا مسلمان (عرب) تہذیب کے نمائندے تھے۔ انہوں نے اس وحشت و درندگی کا مقابلہ کیا جو یورپ میں پھیلی ہوئی تھی۔"

سٹینسلاس گائیرٹڈ "انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن" میں رقمطراز ہے ــــ

"ازمنۂ وسطیٰ میں اسلام کی تاریخ بنفسہٖ تہذیب و تمدّن کی تاریخ ہے۔"

---

[۱] ایس۔پی۔ اسکاٹ کی تالیف MOORISH EMPIRE IN EUROPE

[۲] گریگوری کی DISCOVERY ص ۱۲۸

[۳] ایس۔پی۔ اسکاٹ کی مذکورہ بالا تالیف۔ جلد اول ص ۲۲۲

[۴] OUR ELDER BROTHERN ص ۱۲۲۔

Marfat.com

## ضمیمہ (۱)

# مسلمان اور اسکندریہ[۱] کا کتب خانہ

مدتوں یہ باور کیا جاتا رہا کہ جب عمرو بن العاص نے مصر فتح کیا تو اس نے اسکندریہ کا عظیم کتب خانہ تباہ کیا لیکن مغرب کی حالیہ علمی تحقیقات نے اسے غلط

---

۱؎ سکندر اعظم نے ۳۳۱ ق۔م میں اس شہر کی بنیاد رکھی۔ دریائے نیل کے مغربی دہانے کے قریب مصر کے شمالی ساحل پر واقع ہے۔ یونانیوں کے دور میں یہ اہم علمی مرکز تھا۔ شہر کے درمیان میں سے آرپار چوڑی چوڑی سڑکیں گزرتیں۔ کہتے ہیں بطلیموس ثانی نے بندرگاہ پر روشنی کا مینار تعمیر کیا تھا۔ یہی فرماں روا ایشیا سے سکندر کی لاش لایا اور پھر اس نے اسے عالیشان مقبرے میں دفنایا۔ یہاں دریائے نیل سے ایک نہر بھی نکالی گئی۔

شہر روما کے عروج سے قبل اسکندریہ ہی دنیا کا سب سے بڑا شہر تھا۔ مصریوں اور یونانیوں کے علاوہ یہاں عرب، ایرانی، اناطولیہ کے لوگ، حبشی اور شامی آباد تھے۔ یہاں بطلیموس کا کتب خانہ، میوزیم، اسلحہ خانہ، یونانیوں کے معبد، سیرگاہیں، چڑیاگھر، سرکاری عمارتیں، عدالتیں، جمنیزیم، سٹیڈیم، شہر رفتگاں (قبرستان)، اشنان گھاٹ اور تفریح گاہیں تھیں۔ افرودائتی (حسن اور جنسی خواہشات کی دیوی) کا معبد بھی تھا جہاں پاکباز رنڈیاں (دیوداسیاں) رہتیں۔ قدیم مصری دیوی آئسس تھی۔ یونانیوں نے مصریوں کو اپنے مذہبی رنگ میں رنگنے کی بہتیری کوشش کی لیکن کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ آئسس

Marfat.com

ثابت کیا ہے۔ تمام مسلمانوں کو اس الزام کی تردید کرنی چاہیے۔ راقم الحروف خوش ہے کہ قارئین کو صحیح واقعات بتانے کے قابل ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ عبد اللطیف البغدادی پہلا شخص ہے جس نے کتب خانے کی تباہی کا قصہ بیان کیا۔ یہ شخص ابن العاص کی فتح کے کوئی چھ سو سال بعد ۱۲۳۱ء میں فوت ہوا۔ البغدادی نے دعویٰ کیا کہ خلیفہ کے حکم سے شہر کے بڑے بڑے حماموں کی بھٹیوں میں اسکندریہ کے عظیم الشان کتب خانے کی کتابیں جھونکی گئیں لیکن ان کے کسی ہمعصر نے ایسی غارت گری کا ذکر نہیں کیا۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ اس زمانے میں مصر میں کوئی قابل ذکر کتب خانہ ہی نہ تھا۔ بطلیموں کا کتب خانہ تھا سوا سے جولیس سیزر نے ۴۸ ق۔م میں تباہ کر دیا۔ پلوٹارک[۱] اس کا ذکر اپنی تالیف "سوانح حیات"

---

عورتوں کی دیوی بھی تھی اور دھرتی دیوی بھی۔ جب عیسائیت پھیلی تو یہی مریم بن گئی۔

اسکندریہ میں دولت کی ریل پیل تھی۔ کھیل کے میدان تھے۔ کھیل تماشے عام تھے۔ ادھر علم و فن کی درسگاہیں تھیں۔ ادھر شراب خانے تھے۔ یہاں شرابی بھی تھے، فلسفی بھی شاعر بھی، عورتیں آزاد تھیں اور عیش و طرب کے سامان فراواں تھے۔ "نفیس ترین نجی ایوان رنڈیوں کی ملکیت تھے"۔ ہر طبقے کی عورتیں بازاروں میں آزادی سے گھومتیں، دکانوں پر جا کر خرید و فروخت کرتیں اور مردوں سے ملتی جلتیں۔ بعض عورتوں نے ادب اور علم میں نام پیدا کیا۔ مقدونیہ کی بیگمات اور شہزادیاں سرگرمی سے سیاست میں حصہ لیتیں۔ انھوں نے مردوں کو جوش و خروش اور ولولہ بھی دیا۔ یہودی غلام بھی بکثرت ملتے۔ (مترجم)

[۱] پلوٹارک (۴۶ تا ۱۲۰ء) سوانح نگار اور اخلاقیات دان تھا۔ روما میں جا کر اس نے اخلاقیات کے موضوع پر لیکچر دیے۔ یونان اور اطالیہ میں سیر و سیاحت کرتا رہا۔ اسکندریہ بھی آیا۔ ڈیلفی (کہانت گاہ) میں پروہتوں کی درسگاہ کا رکن تھا۔ اس کی تحریریں بے حد دلچسپ ہیں۔ (مترجم)

Marfat.com

میں یوں کرتا ہے ـــــ "جب جولیس سیزر نے اپنا بیڑہ دشمن کے قبضے میں دیکھا تو وہ خطرے سے بچنے کے لیے اسے آگ لگانے پر مجبور ہوا۔ اس کے شعلے بندرگاہ سے پھیلے اور انہوں نے (اسکندریہ) کا کتب خانہ جلا دیا۔"

سینی کون (۴۶ ش) کی بھی یہی رائے تھی۔ اس کے تخمینے کی رُو سے سیزر نے جو کتابیں جلائیں ان کی تعداد چار لاکھ تھی۔ دایو کیشیس (۱۵۰ تا ۲۳۰ ش) بتاتا ہے کہ آگ ان عمارتوں تک پہنچ گئی تھی جو کتابوں سے بھری ہوئی تھیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد ۲۷۳ ش میں شاہنشاہ اوریلیان نے مصریوں کی بغاوت[۱] کے جواب میں بچے کھچے کتب خانے کو سپردِ آتش کر دیا۔ ہمیں اس امر کا پتا بھی چلتا ہے کہ ۲۸۹ میں ایک نیا کتب خانہ قائم کیا گیا۔ اس کا نام "کتب خانۂ دختر" تھا اسے شاہنشاہ تھیودوسیس کے حکم پر تباہ کیا گیا[۲]۔ پھر جب عمرو بن العاص نے مصر فتح

---

۱۔ بطلیموسوں نے افواج اور جنگی کارروائیوں پر بے دریغ روپیہ خرچ کیا جس سے عوام میں بے چینی پھیلی۔ ان کے بعد جو حکمران آئے وہ تو بالکل غنڈے تھے۔ انہوں نے جبراً لوگوں سے روپیہ لیا۔ چونکہ لٹیرے غیر ملکی تھے اس لیے عوام میں ان کے خلاف نفرت پیدا ہوئی۔ ادھر پروہتوں کا طبقہ بھی نالاں تھا کیونکہ ایرانیوں اور یونانیوں کی آمد سے قبل اسے مصر میں بے پناہ اثر و رسوخ حاصل تھا۔ کسانوں پر اتنی سختی کی گئی کہ انہوں نے کھیتی باڑی ترک کر دی۔ پرانی تہذیب جسے زراعت نے جنم دیا تھا کھنڈر ہو کر رہ گئی۔ نوبیا میں سونے کی کانوں میں کام کرنے والے لوگ زندگی سے تنگ آ گئے۔ ملک بھر میں ہڑتالوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مصریوں نے پہلی بار ۲۱۶ ق۔م میں اور دوسری بار ۱۸۹ ق۔م میں بغاوت کی۔ دوسری بغاوت پانچ سال تک رہی۔

(مترجم)

۲۔ اسکندریہ کا کتب خانہ بطلیموس اوّل نے قائم کیا اور بطلیموس ثانی نے اس میں توسیع کی۔ یہ

Marfat.com

تو اسکندریہ میں ایسا کوئی کتب خانہ نہ تھا جسے جلایا جا سکتا۔
پروفیسر الفریڈ بٹر نے اس موضوع پر نہایت دلکش کتاب لکھی ہے۔ اس کا نام "فتح العرب مصر یہ" ہے اور ۱۹۲۳ء میں قاہرہ میں چھپی تھی۔ پروفیسر نے واضح کیا ہے کہ حضرت عمرؓ ایسے پاکباز اور متقی خلیفہ کے لیے کتابوں کی تباہی کا حکم نافذ کرنا ممکن نہ تھا۔ انہیں خبر تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کتابوں کی کتنی قدر کرتے تھے۔
پروفیسر الیفریڈ بٹر کے نزدیک عملی صورت یہ تھی کہ یہ نام نہاد کتابیں کاغذ پر لکھی گئی تھیں۔ یہ تو چمڑے اور پیپیرس کے رول تھے جنہیں مضبوطی سے لپیٹ لیا ہوگا۔ یہ بڑی مشکل سے آگ پکڑتے تھے۔ کاغذ سے کہیں کم آگ پکڑتے۔ اگر انہیں حماموں میں جلایا جاتا تو ان سے درجۂ حرارت بڑھ نہ سکتا تھا۔ کتب خانہ تو رہا ہی نہ تھا۔ اگر کوئی کتب خانہ ہوتا تو اسے جلا کر وہ نتائج پیدا نہ کیے جا سکتے تھے جو داستان میں مذکور ہیں۔

---

کتب خانہ شاہی محل کے ایک حصے میں تھا۔ کتب خانے کی ایک شاخ دیوتا سیراپس کے معبد کے پہلو میں تھی۔ کہتے ہیں بطلیموس ثانی نے ارسطو کا کتب خانہ خرید لیا تھا۔ بطلیموس ثالث نے جالینوس سے نامور یونانی ڈراما نگاروں ایکی لس، سوفوکلیز اور یوری پیڈیز کے ڈراموں کے متون کی نقول حاصل کر لی تھیں۔ جالینوس یہ بھی بتاتا ہے کہ جب کوئی جہاز اسکندریہ میں لنگر انداز ہوتا اور اس کی تحویل میں کوئی کتاب ہوتی وہ چھین لی جاتی۔ (مترجم)

Marfat.com

## ضمیمہ (۲)

# عرب بحیثیت مترجمین اور خلقی مفکّرین

## تین مرحلے

حِتّی کہتا ہے ——"جب عربوں کو زرخیز ہلال[1] پر فتح نصیب ہوئی تو اس وقت یونانیوں کا علمی ترکہ بلاشک وشبہ رب سے قیمتی خزانہ تھا جو ان کے ہاتھ لگا۔ مختلف مترجمین پر گفتگو کرنے کے بعد وہ یوں بات تمام کرتا ہے ——"ترجمے کے دَور کے خاتمے سے پہلے ارسطو کی تمام موجودہ تصانیف عرب قاری کو میسّر تھیں — — پھر ابن سینا اور ابن رُشد کی وساطت سے یہ تصانیف لاطینی میں منتقل ہوئیں اور ازمنۂ وسطیٰ میں یورپ کی تعلیمات پر واضح طور پر اثر انداز ہوئیں۔"

اس کے بعد عربی تعلیم کا دوسرا مرحلہ آیا جب مترجمین نے بھی اس میں شرکت کی۔ حِتّی نے اپنی تالیف[2] میں بدیں الفاظ اس کا خلاصہ پیش کیا ہے——

"ترجمے کے تاریخی دَور (۷۵۰ تا ۸۵۰ ش) کے بعد تخلیقی سرگرمی کا دَور آیا

---

[1] یہ ہلال کا زرخیز علاقہ FERTILE CRESCENET فلسطین سے شروع اور صحرائے شام کے گرد سے ہوکر خلیج فارس تک پہنچتا ہے۔ (مترجم)

[2] HISTORY OF THE ARABS

Marfat.com

کیونکہ عربوں نے نہ صرف ایران کی قدیم دانش اور یونان کے کلاسیکی ورثے پر عبور پا لیا تھا بلکہ اپنی سوچ کے مخصوص طریقوں اور تقاضوں کے مطابق اسے ڈھال لیا تھا۔ طب اور فلسفے میں ان کا آزادانہ کام الکیمیا، فلکیات، ریاضی اور جغرافیے سے کم نمایاں نہ تھا۔ قانون، دینیات اور لسانیات میں عرب اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے انہوں نے تخلیقی اسلوب میں فکری اور تحقیقی کام کیا۔ عربوں کے ذہن نے کئی صدیوں تک ان تراجم کے ذریعے بڑی حد تک انقلاب بپا رکھا۔ پھر یہ سرمایہ متعدد نئے کاموں کے ساتھ شام، ہسپانیہ اور صقلیہ (سسلی) کے ذریعے یورپ میں پہنچا۔ یہی اس علم کی بنیاد بنا جو ازمنۂ وسطیٰ میں یورپ کے فکر پر مسلط رہا۔ تہذیب اور تمدن کی تاریخ کے زاویے سے علمی ترکے کا یہ انتقال تخلیقی کام سے کم اہم نہیں کیونکہ اگر ارسطو، جالینوس اور بطلیموس کا کام بعد کے زمانے میں کھو یا جاتا تو دنیا ایسی مفلس ہو جاتی جیسے یہ کام کبھی ہوا ہی نہ تھا۔ ترجمے اور تخلیقی کام میں واضح طور سے ہمیشہ حدِ فاصل قائم نہیں کی جا سکتی۔ کتنے ہی مترجم علمی کام میں شریک ہوتے۔"

عربوں کے علم کا تیسرا اور آخری مرحلہ بارہویں صدی میں آیا جب مغرب کے عالم عربی علوم و فنون سیکھنے طلیطلہ آئے۔ ان کا صاف مقصد عظیم عرب علماء کے کارناموں کو لاطینی میں منتقل کرنا تھا۔ اس زمانے میں مغرب کے طلبہ یہی زبان سب سے زیادہ عمدگی سے سمجھ پاتے تھے۔ قبل ازیں چند صدی تک عربوں کے لیے یونانی علم کی جو حیثیت تھی وہی حیثیت اب عربوں کے علم کی عیسائی دنیا کے لیے تھی ―― یہی اب اندھیرے میں مشعلِ راہ تھا۔

---

Marfat.com

# دوسرا حصّہ

Marfat.com

# تمہید

قارئین نے اس کتاب کے پہلے حصے میں اس علمی اور مادی ترقی کا حال پڑھا ہے جو اسلام کا خاصا بنی۔ دوسرے حصے میں اس شے کی جانب توجہ منعطف کروائی جائے گی جو غیر مادی نوعیت کی ہے۔ اس سلسلے میں بطور حوالہ جامعیت کے ساتھ انسانی حقوق کا نام لیا جا سکتا ہے۔

انسانی حقوق کے فروغ میں اسلام نے جو حصہ لیا وہ بیک وقت بدرجۂ غایت روحانی اور بہ شدت عملی ہے۔ جہاں تک عملی پہلو کا تعلق ہے شریعت میں جتنے احکام (اوامر و نواہی) شامل کیے گئے ان میں کسی ایسی تفصیل سے بے اعتنائی نہیں برتی گئی جو اچھے انسانی تعلقات کے لیے ضروری ہو۔ روحانی پہلو سے اگر یہ تفصیلات اسلام کے اس بنیادی عقیدے سے ہم آہنگ نہ ہوتیں کہ اللہ نے سب انسانوں کو برابر برابر پیدا کیا ہے اور اگر بردباری کی روح مفقود ہوتی تو یہ قابل عمل نہ ہوتیں۔

مقبول عام غلط نظریے کے خلاف دنیا کے تمام بڑے مذاہب کے مقابل اسلام میں سب سے زیادہ بُردباری ہے۔ اسی رواداری کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں نے صرف تصوّر کی حد تک نہیں بلکہ عملی طور سے ایسا معاشرہ پیدا کیا جو تمام دوسرے معاشروں کی نسبت کہیں زیادہ روشن خیال تھا۔ رواداری تمام عدل و انصاف، تمام بین الاقوامیت اور تمام سوجھ بوجھ کی جڑ بنیاد ہے۔ مسلمانوں نے جو کوئی ایک ملک فتح کیے تو یہ ان کی خوش نصیبی تھی کہ یہ سب کچھ اسلام کی بنیادی تحریک سے ہُوا۔

Marfat.com

یہی وجہ ہے کہ دوسرے حصے کی ابتداء اسلام اور مذہبی رواداری کے باب سے ہو رہی ہے، پھر یہیں سے ہم حقوقِ شہری، حقوقِ نسواں، غلامی اور رنگ و نسل کے مسائل کا جائزہ لینے بڑھے ہیں۔ رواداری کے خیر کے پہلو پر یقین کامل سے ابتدا کر کے سچی جمہوریت کی بنیاد تک پہنچیں تو یہ صرف چھوٹا سا اقدام ہوگا لیکن رنگ و نسل اور مذہب و ملت کی تمیز کیے بغیر تمام انسانوں کی مساوات پر عقیدہ رکھیں تو اس نظریے کی جانب رہنمائی ہوتی ہے کہ انجام کار اس جھگڑے اور فتنے سے بالاتر ہو کر بین الاقوامیت کی کوئی صورت پیدا ہو جو قومیت پرستی سے لازم و ملزوم ہے تیرہ سو سال قبل اخوتِ اسلامی نے حقوقِ انسانی کی ضمانت دینے اور انہیں برقرار رکھنے کی راہ نکالی۔ قارئین کو اب اس کا جائزہ لینے کی دعوت دی جاتی ہے۔

---

Marfat.com

# اسلام اور مذہبی رواداری

لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْن۔ دین میں جبر نہیں۔ قرآنِ حکیم۔

صدیوں تک اہلِ مغرب اپنے مسلمان فاتحین کو آسانی سے ایسے جابر حکمران سمجھ لیتے تھے جنہوں نے (ان کے خیالِ خام میں) تلوار کے زور سے لوگوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا اور اپنے ضابطۂ مذہب کے سوا کسی دوسرے مذہب کے عقائد اور اس کی رسوم کو برداشت نہیں کیا۔ تازہ تر علمی تحقیقات بہ عجلت اس ناپاک الزام کی تردید کرتی ہیں لیکن بدقسمتی سے بدنام کرنے والے پرانے دفاتر نے جو جذبات و تعصبات پیدا کیے ہیں وہ آج بھی نہ صرف یورپ کے ان لوگوں میں پائے جاتے ہیں جو اسلام سے بے خبر ہیں بلکہ ان مسلمانوں میں بھی جنہوں نے اپنے علمی ورثے کو نظر انداز کر کے مغربی تعلیم حاصل کی ہے۔

قرآن مجید میں آیا ہے ـــــ "دین میں جبر نہیں۔" اور تاریخ میں ایسی کئی مثالیں ملتی ہیں کہ مسلمان سپہ سالاروں نے مفتوحہ علاقوں پر بہ امن و امان قبضہ کیا۔ انگریز مؤرخ فنلے لکھتا ہے ـــــ

"مسلمانوں کے عہدِ حکومت میں غیر مسلموں کو زبردستی اسلام قبول کروانے کے لیے کوئی منظم کوشش نہیں ہوئی، عیسائیت کے خاتمے کی غرض سے باقاعدہ ظلم و ستم بھی روا نہیں رکھا گیا۔ اگر خلفاء ان دونوں میں سے کوئی

Marfat.com

راہ اختیار کرتے تو عیسائیت کو اسی آسانی سے کچل دیتے جس آسانی سے فرڈیننڈ اور ازا امبیلا نے کیا۔ انہوں نے اسلام کو ہسپانیہ سے خارج کیا یا لوئی چہار دہم نے فرانس میں پروٹسٹنٹ عقائد کو سزا کے قابل قرار دیا یا جیسے یہودیوں کو ساڑھے تین سو برس تک انگلستان میں داخل نہ ہونے دیا گیا۔ ایشیا میں آج تک عیسائیوں کی عبادت گاہوں کا قائم رہنا اس عام رواداری کا زبردست ثبوت ہے جو اسلامی حکومتوں نے اپنی غیر مسلم رعایا سے روا رکھی۔"

جنگوں میں خون بہتا ہی رہا لیکن ایسی بھی مثالیں ہیں کہ فتوحات خون بہائے بغیر ہوئیں۔ مسلمان سپہ سالار اس امر کے پابند تھے کہ دشمن کو ہتھیار ڈالنے کا موقع دیے بغیر اس سے جنگ نہ کریں ـــــ لیکن مسلمانوں کی مہمات کی نسبت سب سے حیرت انگیز حقیقت وہ رحم دلی ہے جو انہوں نے زبردست فتح حاصل کرنے کے بعد مفتوحہ لوگوں سے روا رکھی حالانکہ ان سے جو پُر امن اور فراخدلانہ سلوک کرتے ہوئے ان کی امید کے لیے ان کے پاس کوئی وجہ نہ تھی۔ مفتوحین سے رحمدلانہ اور انسان دوستی کے اس طرز عمل کی نظیر تو خود نبی کریم صلعم نے رکھی جب حضور مکہ میں فاتح کی حیثیت سے تشریف لائے۔ مورخ آرتھر گلمین اس شاندار واقعے کی نسبت رقمطراز ہے ـــــ

یہ امر ان کے لیے تحسین آفرین ہے کہ اس موقع پر جبکہ ماضی میں ان سے کی ہوئی بدسلوکی سے پیدا شدہ نفرت انہیں انتقام پر ابھار سکتی تھی انہوں نے اپنے لشکر کو خون خرابے سے روکا اور بہر صورت عجز و انکسار کا اظہار کیا اور اللہ کے احسان کا شکر ادا کیا۔ صرف دس بارہ آدمی ایسے تھے جنہیں سزا دی گئی کیونکہ انہوں نے سابقہ موقعے پر وحشت و درندگی کا مظاہرہ کیا تھا۔ ان میں سے صرف چار کو سزائے موت دی گئی لیکن

Marfat.com

ان اقدامات اور اعمال سے یہ کہیں زیادہ انسانیت پرستانہ ہیں جو دوسرے فاتحین سے سرزد ہوئے۔ مثال کے لیے صلیب و ہلال کی جنگوں کے عیسائی فاتحین کے ظلم و تشدد سے مقابلہ کیجیے! ۱۰۹۹ء میں جب یروشلم ان کے قبضے میں آیا تو انہوں نے ستر ہزار مسلمانوں ــــ آدمیوں، عورتوں اور بے بس بچوں کو موت کے گھاٹ اتارا ــــ[1]

سچ تو یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح مذہبی تھی، سیاسی نہ تھی۔ انہوں نے ذاتی احترام اور شاہی اقتدار کو بہر شکل مسترد کیا۔ جب قریش مکہ کے مغرور و سرکش سردار ان کے سامنے آئے تو انہوں نے (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے) پوچھا۔ تم مجھ سے کس سلوک کی امید رکھ سکتے ہو؟" سردار نے کہا، "اے فیاض بھائی! رحم کی!" نبی اکرم (صلعم) نے فرمایا، "ایسا ہی ہوگا۔ جاؤ، تم آزاد ہو!"

ایچ۔ ایم۔ ہائیڈمین نے بھی اپنی معروف تالیف[2] میں فتح مکہ کے موقع پر ہمارے نبی اکرم صلعم کے فیاضانہ سلوک کے جذبے کی اسی طرح تعریف و توصیف کی ہے۔ اسی طرح جوزف شاخت[3] نے بھی اس لافانی نقش کا ذکر کیا ہے جو ایسے موقع پر نبی اکرم صلعم نے ذاتی اثر و رسوخ اور مثال سے اسلام پر ثبت کیا۔[4]

پروفیسر نیتھنیل شمٹ[5] بھی "نیو انٹرنیشنل انسائیکلوپیڈیا" (۱۹۱۶ء) میں نبی اکرم صلعم

---

۱۔ THE SARACEUS، لندن، ۱۸۸۷، صفحات ۱۸۴، ۱۸۵

۲۔ THE AWAKENING OF ASIA    ۳۔ JOSEPH SCHACHT

۴۔ ENCYCLOPAEDIA OF SOCIAL SCIENCES جلد دہم، ۱۹۳۲ء

۵۔ NATHANIEL SCHMIDT

Marfat.com

کی تعریف کرتا ہے اور کہتا ہے ــــ "وہ (حضرت محمد صلعم) پیغمبروں کے اس گروہ سے تھے جنہوں نے مروجہ ضابطے سے کہیں زیادہ پروقار ضابطہ نافذ کیا اور بے خوف ہو کر خود کو اپنے منصب عالی کے لیے وقف کر دیا۔ اور اپنی اندرونی قوت سے بے قابو ہو کر انہوں نے خود کو اس کے حوالے کیے رکھا۔"[۱]

## خلیفہ حضرت عمرؓ

نبی اکرم صلعم کی قائم کردہ مثال پر عمل کرتے ہوئے بعد میں کئی مسلمان فاتحین نے اپنے مفتوحین سے رواداری کے اسی رویّے کا اظہار کیا۔ حضرت عمرؓ ایسے ہی آدمی تھے جنہوں نے یروشلم حاصل کرنے کے بعد عیسائیوں سے رواداری برتی اور ڈریپر نے اس واقعے پر خاص طور پر تبصرہ کیا ہے۔[۲] ڈریپر مسلمانوں کے اسی انسانیت پرستانہ سلوک کا مقابلہ عیسائیوں کے اس اقدام سے کرتا ہے جو انہوں نے صدیوں بعد یروشلم واپس لینے کے بعد مسلمانوں کے قتلِ عام کے لیے کیا۔ وہ کہتا ہے ــــ

"جب خلیفہ عمرؓ نے ۶۳۷ء میں یروشلم پر قبضہ کیا تو وہ بطریق سُوفرونیس کے پہلو بہ پہلو اونٹ پر سوار ہو کر شہر میں گئے اور اس کی پرانی یادگاروں کے بارے میں بات چیت کرتے رہے۔ نماز کا وقت آیا تو کلیسائے احیائے ربّانی میں تھے۔ انہوں نے وہاں نماز پڑھنے سے انکار کیا۔ باہر نکل آئے اور کلیسائے قسطنطین کے زینوں پر نماز ادا کی۔ انہوں نے بطریق سے کہا، اگر میں یہاں نماز پڑھ لیتا تو

---

۱۔ ENCYCLAPAEDIA OF SOCIAL SCIENCES جلد ۱۶، صفحہ ۴۲

۲۔ THE HISTORY OF INTELLECTUAL DEVELOPMENT OF EUROPE جلد ۲۔

Marfat.com

مستقبل میں مسلمان میری مثال کی پیروی کے رنگ میں معاہدہ شکنی کرتے۔"
خلاف ازیں حضرت عمرؓ اپنی زندگی کے بعد اپنی مملکت میں غیر مسلموں کی تقدیر کے بارے میں اس قدر مضطرب تھے کہ انہوں نے بستر مرگ سے اپنے جانشین کے نام ذیل کی ہدایات جاری فرمائیں ——

"میں اسے (اپنے جانشین کو) ان لوگوں (یعنی غیر مسلموں) کی نسبت جنہیں اللہ اور اس کے رسولؐ کی حفاظت ملی ہے اس امر کا پابند کرتا ہوں کہ ان سے کیے ہوئے معاہدے پر قائم رہے، ان کے دفاع کی خاطر لڑے اور ان پر ان کی بساط سے زیادہ بار نہ ڈالے۔"

## صلاح الدین یروشلم اور مصر میں

ایک اور عظیم مسلمان فرماں روا —— سلطان صلاح الدین ہے جو اپنی رواداری کے لیے مشہور تھا اور جس کے بارے میں عیسائی راہب بینڈکٹ آف پیٹر برد زبردست کلمات تحسین ادا کرنے پر مجبور ہوا۔ اس نے کہا کہ سلطان نے ذاتی کردار اور رویے سے عیسائی فوجیوں کو اسلام کی خوبیاں عملاً دکھائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سلطان کے عمل سے چند عیسائی سردار اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے عیسائیت ترک کر کے اسلام قبول کیا۔

۱۲۴۴ ش میں جب انجام کار یروشلم مسلمانوں کی تحویل میں آیا تو بلاشبہ معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی آبادی نے نئے حکمرانوں کا خیر مقدم کیا۔ انہوں نے اطمینان اور خاموشی سے اسلامی اقتدار کو تسلیم کیا۔

سلطان صلاح الدین کے عہد میں (۱۱۶۹ تا ۱۱۹۳ ش) مصر میں عیسائیوں کی حالت بہت اچھی رہی۔ ان پر عائد کیے ہوئے محصولات کم کیے گئے اور بعض بالکل معاف

Marfat.com

کردیے گئے۔ سرکاری دفاتر معتمدوں، محاسبوں اور رجسٹراروں کے عہدوں پر عیسائیوں کا ہجوم ہوگیا۔ تقریباً ایک صدی تک سلطان صلاح الدین کے جانشینوں کے عہد اقتدار میں ان سے رواداری برتی گئی اور ان پر لطف وکرم کیا گیا۔ عیسائیوں کو کبھی شکایت نہ ہوئی اور ہوئی بھی تو اپنے ہی پادریوں سے ان کی بدعنوانیوں اور بدکرداریوں کے باعث ہوئی۔[۱]

## عیسائی اپنے ہم مذہب فاتحین پر مسلمان فاتحین کو ترجیح دیتے رہے

مسلمانوں نے عیسائیوں سے جو رواداری برتی اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کئی موقعوں پر عیسائیوں نے مسلمانوں کے زیر حکومت رہنے میں بڑی گرمجوشی دکھائی۔ بارہویں صدی میں یونانی کلیسا کے بطریق، مائیکل بزرگ نے مسلمان فاتحین میں "انگشت ربانی" دیکھی، اسے یقین تھا کہ ہرقل اور رومنوں نے عیسائیوں پر جو ظلم ڈھائے ہیں ان کا انتقام لینے کی غرض سے خدا نے انہیں (مسلمان فاتحین کو) بھیجا ہے۔ ذیل کے حوالے میں بطریق کے الفاظ من وعن دیے گئے ہیں۔

> "خدا ہمہ گیر طاقت کا مالک ہے اور فانی انسانوں کی سلطنتیں ادلتا بدلتا ہے۔ اس نے رومنوں کا ظلم وستم دیکھا جنہوں نے اپنے سارے دور حکومت میں وحشیانہ انداز سے ہماری خانقاہیں اور ہمارے گرجے تباہ کیے اور کامل بے رحمی سے ہمیں ہلاک وبرباد کیا۔ یہ دیکھ کر خدا جنوبی خطے سے اسماعیل علیہ السلام کے بیٹوں کو لے آیا تاکہ ہمیں رومنوں کے جور وتشدد سے نجات دلائیں۔

---

[۱] ریناڈلٹ صفحہ ۳۸۸

Marfat.com

رومنوں کے ظلم، ان کی درندگی، ان کے
ان کے وحشیانہ جذبے سے نجات اور
نعمت نہ تھی۔[۱]"

فاتحین کی حیثیت سے مسلمانوں کو اس موقع پر۔۔
فوج وادیٔ اُردن میں پہنچی اور اَبُوعبیدہ نے محل میں پڑاؤ ڈالا۔ اسی آن وہاں عیسائی باشندوں نے عربوں کو مکتوب بھیجا جس میں یہ لکھا ــــــ

"اے مسلمانو! ہم تمہیں بازنطینیوں پر ترجیح دیتے ہیں حالانکہ وہ ہمارے ہم مذہب ہیں کیونکہ تم ہم سے بہتر مذہبی سلوک روا رکھتے ہو، ہم سے زیادہ رحمدلی سے پیش آتے ہو اور ہم سے ناانصافی نہیں کرتے ــــــ تم ان سے کہیں بہتر طور پر حکومت کرتے ہو ــــــ انہوں نے تو ہم سے ہمارے خدا اور ہمارے گھر بھی چھین لیے تھے۔[۲]"

پھر جب ہرقل (بازنطینی حکمران ــــــ ۵۷۵ء، ۶۱۰ء تا ۶۴۱ء) شہر الیسہ کے قریب آیا تو شہریوں نے دروازے بند کر لیے اور مسلمانوں کو اس کی وجہ یہ بتائی کہ وہ اپنے ہم مذہب یونانی حکمرانوں کی ناانصافی اور سختی پر مسلمانوں کی حکومت اور عدل پرستی کو ترجیح دیتے ہیں۔[۳]"

مسلمانوں نے بازنطینی سلطنت کے جو صوبے فتح کیے ان میں عیسائیوں سے

---

ص۱ مائیکل دی ایلڈر، جلد دوم۔ صفحات ۴۱۲، ۴۱۳

ص۲ عضدی صفحہ ۴۷۴

ص۳ بلاذری صفحہ ۱۳۷

Marfat.com

کردیے گئے۔ سرکاری دفاتر معتمدوں، محاسبوں اور رجسٹراروں کے عہدوں پر عیسائیوں کا ہجوم ہوگیا۔ تقریباً ایک صدی تک سلطان صلاح الدین کے جانشینوں کے عہد اقتدار میں ان سے رواداری برتی گئی اور ان پر لطف وکرم کیا گیا۔ عیسائیوں کو کبھی شکایت نہ ہوئی اور ہوئی بھی تو اپنے ہی پادریوں سے ان کی بدعنوانیوں اور بدکرداریوں کے باعث ہوئی۔[1]

## عیسائی اپنے ہم مذہب فاتحین پر مسلمان فاتحین کو ترجیح دیتے رہے

مسلمانوں نے عیسائیوں سے جو رواداری برتی اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کئی موقعوں پر عیسائیوں نے مسلمانوں کے زیر حکومت رہنے میں بڑی گرمجوشی دکھائی۔ بارہویں صدی میں یونانی کلیسا کے بطریق، مائیکل بزرگ نے مسلمان فاتحین میں "انگشت ربانی" دیکھی۔ اسے یقین تھا کہ ہرقل اور رومنوں نے عیسائیوں پر جو ظلم ڈھائے ہیں ان کا انتقام لینے کی غرض سے خدا نے انہیں (مسلمان فاتحین کو) بھیجا ہے۔ ذیل کے حوالے میں بطریق کے الفاظ من وعن دیے گئے ہیں۔

"خدا ہمہ گیر طاقت کا مالک ہے اور فانی انسانوں کی سلطنتیں ادلتا بدلتا ہے۔ اس نے رومنوں کا ظلم وستم دیکھا جنہوں نے اپنے سارے دور حکومت میں وحشیانہ انداز سے ہماری خانقاہیں اور ہمارے گرجے تباہ کیے اور کامل بے رحمی سے ہمیں ہلاک وبرباد کیا۔ یہ دیکھ کر خدا جنوبی خطے سے اسماعیل علیہ السلام کے بیٹوں کو لے آیا تاکہ ہمیں رومنوں کے جور وتشدد سے نجات دلائیں۔

---

[1] رینالٹ صفحہ ۳۸۸

Marfat.com

رومنوں کے ظلم، ان کی درندگی، ان کے غضب اور ہمارے خلاف ان کے وحشیانہ جذبے سے نجات اور پُر امن زندگی دلانا کوئی معمولی سی نعمت نہ تھی[1]"

فاتحین کی حیثیت سے مسلمانوں کو اس موقع پر بھی ترجیح دی گئی جب اسلامی فوج وادیٔ اُردن میں پہنچی اور ابُو عُبیدہ نے فحل میں پڑاؤ ڈالا۔ اسی آن وہاں کے عیسائی باشندوں نے عربوں کو مکتوب بھیجا جس میں یہ لکھا ——

"اے مسلمانو! ہم تمہیں بازنطینیوں پر ترجیح دیتے ہیں حالانکہ وہ ہمارے ہم مذہب ہیں کیونکہ تم ہم سے بہتر مذہبی سلوک روا رکھتے ہو، ہم سے زیادہ رحمدلی سے پیش آتے ہو اور ہم سے ناانصافی نہیں کرتے —— تم ان سے کہیں بہتر طور پر حکومت کرتے ہو —— انہوں نے تو ہم سے ہمارے خدا اور ہمارے گھر بھی چھین لیے تھے[2]"

پھر جب ہرقل (بازنطینی حکمران —— ۵۷۵ء، ۶۱۰ تا ۶۴۱) شہر الیسہ کے قریب آیا تو شہریوں نے دروازے بند کر لیے اور مسلمانوں کو اس کی وجہ یہ بتائی کہ وہ اپنے ہم مذہب یونانی حکمرانوں کی ناانصافی اور سختی پر مسلمانوں کی حکومت اور عدل پرستی کو ترجیح دیتے ہیں[3]"

مسلمانوں نے بازنطینی سلطنت کے جو صوبے فتح کیے ان میں عیسائیوں سے

---

ص[1] مائیکل دی ایلڈر، جلد دوم۔ صفحات ۴۱۲، ۴۱۳

ص[2] عضدی صفحہ ۴۷۴

ص[3] بلاذری صفحہ ۱۳۷

Marfat.com

کامل رواداری برتی۔ قبل ازیں کسی نے ایسا سلوک نہیں کیا تھا۔ یہ رواداری جو اسلامی عہدِ حکومت میں اس قدر نمایاں رہی اس کی انتہا ان شرائط سے معلوم ہوتی ہے جو مفتوح شہروں کو پیش کی گئیں۔ یہاں پھر حضرت عمرؓ رواداری کی شاندار مثال قائم کرتے ہیں۔ جب شہر یروشلم ان کی تحویل میں آیا تو انہوں نے بدیں شرائط بطریقِ اعظم سے معاہدہ کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ عمر ــــ اللہ کا بندہ اور مومنوں کا سپہ سالار اہلِ یروشلم کو امان دیتا ہے۔ بیمار اور تندرست سب کو جان و مال، ان کی عبادت گاہوں اور صلیبوں اور جو کچھ ان کے مذہب سے متعلق ہے اس کی حفاظت کی ضمانت دیتا ہے۔ ان کے گرجے رہائشی مکانوں میں تبدیل کیے جائیں گے نہ پامال کیے جائیں گے۔ انہیں کسی طرح گھٹایا نہیں جائے گا۔ ان کی صلیبوں، ان کی املاک کو تباہ نہیں کیا جائے گا۔ مذہب کے معاملے میں ان پر کسی قسم کی سختی نہیں کی جائے گی۔ ان میں سے کسی کو ضرر نہیں پہنچایا جائے گا۔[1]

## عثمانی سلاطین کی رواداری

فرانسیسی مورخ اور شاعر (۱۷۹۰ تا ۱۸۶۹ ء) لامارتین اپنی آٹھ جلدوں والی "عثمانیوں کی تاریخ"[2] میں بتاتا ہے کہ ترک سلطان، محمد ثانی نے قسطنطنیہ میں بلاتاخیر مذہبی رواداری کا اصول نافذ کر کے سچے مسلمان سپاہی کی مثال قائم کی۔ یہ واقعہ شہر

---

۱ طبری صفحہ ۲۴۰۵

۲ HISTORY OF THE OTTOMANS

Marfat.com

میں فاتحانہ داخلے کے وقت رونما ہوا ـــــ

"سلطان سینٹ صوفیہ کے گرجے کے سامنے اپنے گھوڑے سے اُترا، اس نے اپنا خنجر نکالا اور اس سپاہی کا سر قلم کر دیا جو مقدس قربان گاہوں کو توڑنے پھوڑنے میں لگا تھا۔"

آگے چل کر لامارتین بتاتا ہے کہ کس طرح سلطان اس بات پر تُلا تھا کہ اپنی فتح کو رسوا نہ ہونے دے ـــــ "ترک سلطان نے کسی چیز میں ردوبدل کرنے سے انکار کیا۔ عین آغاز ہی سے ترکوں کی مذہبی رواداری عیاں ہو گئی تھی۔ سلطان نے عیسائیوں کے پاس ان کے گرجے رہنے دیے اور اپنے طریقے پر عبادت کرنے کی اجازت دی۔ اس نے یونانی بطریق کو اپنی مداخلت سے محفوظ رکھا۔"

محمد ثانی کے کاموں میں سے پہلا کام یہ تھا کہ اس نے یونانی کلیسا اور یونانی عیسائیوں کے جان و مال کا محافظ ہونے کا اعلان کیا۔ ترکیہ ہی وہ ملک تھا جہاں اندلسی یہودی پندرھویں صدی کے آخر میں قتلِ عام سے بچنے کے لیے پہنچ گئے۔ سترھویں صدی میں جب یورپ میں مذہب کے نام پر ہلاکت آفرینی کا دَور دورہ تھا تو مذہبی جنون کا شکار ہونے والے ترکیہ کو جائے پناہ خیال کرتے۔ کیتھولک پولوں کے مظالم کا ذکر کرتے ہوئے انطاکیہ کا بطریق میکاریوس یوں رقمطراز ہے ـــــ

"خدا ترکوں کی سلطنت قیامت تک برقرار رکھے! وہ محصول لے لیتے ہیں اور پھر کسی طرح اپنی رعایا کے حسابات میں دخل نہیں دیتے ـــــ خواہ ان کی رعایا میں عیسائی ہوتے، یہودی یا سمیری۔ رہے یہ ملعون پول، یہ اپنے عیسائی بھائیوں سے محصول پر محصول لے کر بھی مطمئن نہیں ہوتے اور مذہبی اعتقادات کی بنا پر ان پر ظلم توڑتے

Marfat.com

ہیں۔"[1]

## اُندلس میں مسلمانوں کی رواداری

اُندلس میں مسلمان اس قدر روادار اور بردبار تھے کہ ایک متعصب عیسائی آرک بشپ نے ان کی رواداری کو ان کے اخراج کا ایک حقیقی سبب بتایا۔ ۱۶۰۲ء میں "مسلمان مُوروں کی آزادخیالیوں اور غداریوں" کے بارے میں لکھتے ہوئے اس نے ان الفاظ میں فلپ ثالث سے ان کے اخراج کی سفارش کی ——

"یہ (اُندلسی مسلمان) تمام مذہبی امور میں آزادیٔ شعور سے زیادہ کسی شے کی قدر نہیں کرتے۔ تُرک اور تمام دوسرے مسلمان جو ان کی رعایا ہیں ایسی ہی آزادی سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔"

ایک اُندلسی مسلمان نے جسے سب سے آخر میں نکالا گیا کیتھولک مذہبی عدالت کے اس غیر انسانی ظلم و تشدد پر زبردست احتجاج کیا جو مسلمانوں ہی پر نہیں بلکہ عیسائی پروٹسٹنٹوں پر بھی روا رکھا۔ اپنے دین کا دفاع کرتے ہوئے اس نے ۱۶۱۰ء میں لکھا ——

"کیا ہمارے فاتح مسلمان بزرگوں نے اُندلس میں کبھی عیسائیت کو مٹانے کی کوشش کی جبکہ یہ بات اس کے اختیار میں تھی؟ کیا مسلمان حکمرانوں نے اس زمانے میں تمہارے آباؤ اجداد کو رسم و رواج اور مذہب کی آزادی عطا نہیں کی جب وہ ان کی رعایا تھے؟ کیا یہ ہمارے پاک نبی صلعم کا قطعی حکم نہیں کہ مسلمان جو جگہ فتح کریں اسے اپنی پرانی وضع پر قائم

---

[1] MACARIOUS جلد اوّل، ص ۱۶۵

رہتے دین اور محفوظ رکھیں ؟ اگر جبری تبدیلی مذہب کی چند مثالیں مل جائیں تو اتنی کم اور نایاب ہیں کہ ذکر کے قابل بھی نہیں۔ یہ ان لوگوں کی حرکت ہے جنہیں اللہ اور رسول صلعم کا خوف نہ تھا اور جنہوں نے براہِ راست اسلام کے مقدس قوانین وضوابط کے خلاف کی۔ کوئی فرد اسلام کی بے حرمتی کیے بغیر ایسا کر سکتا ہے نہ وہ اسلام کی قابلِ قدر خوبی کا اہل ہو سکتا ہے۔ مختلف انداز سے مذہب کی پیروی کرنے کی بنا پر تم ہمارے یہاں کسی ایسی خونخوار عدالت کا سراغ نہیں دے سکتے جو کسی طور تمہاری نفرت انگیز مذہبی عدالت کی گرد کو پہنچ سکے۔ یہ درست ہے کہ ہمارے بازو ان سب کے خیر مقدم کو کھلے رہتے ہیں جو رضا کارانہ طور پر ہمارے مذہب کی آغوش میں آنے پر مائل ہوں لیکن ہمارا مقدس قرآن ہمیں لوگوں کے شعور پر ستم ڈھانے کی اجازت نہیں دیتا۔ نومسلموں کو تمام حقوق اور مراعات سے نوازا جاتا ہے۔ جونہی وہ توحید الٰہی اور دینِ محمدی قبول کر لیتے ہیں بلا امتیاز اور بلا خصوصیت ہم ایسے ہو جاتے ہیں، ہماری بیٹیوں سے بیاہ کر لیتے ہیں۔ اعتماد، وقار اور منفعت کے منصوبوں پر مامور ہو جاتے ہیں[۱]"

فرانسیسی مورخ پروفیسر رینان رقمطراز ہے کہ ـــــ "جب مسلمانوں نے اندلس پر قبضہ کیا تو رواداری کی عملاً ایسی مثال قائم کی کہ کبھی اس کی نظیر نہ ملی۔ وہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جب عام طور پر مسجدوں میں مدرسے اور یونیورسٹیاں قائم کی گئی تھیں تو ہر مذہب وملت کے لڑکے ان میں داخل کر لیے جاتے تھے۔ دسویں صدی تک دنیا کے اس ممتاز گوشے (یعنی مسلم اسپین) میں سائنس اور ادب کا مذاق پیدا ہو چکا تھا۔ رواداری کا یہ عالم تھا کہ عہدِ حاضرہ اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتا۔ عیسائی، یہودی اور مسلمان ایک ہی زبان بولتے، ایک جیسے گیت گاتے اور ایک جیسے ہی

---

[۱] بحوالہ مورگن جلد دوم صفحات ۲۹۷، ۲۹۸

Marfat.com

ادبی اور سائنسی مطالعوں میں شرکت کرتے۔ وہ تمام دیواریں منہدم کر دی گئیں جو لوگوں کو ایک دوسرے سے الگ الگ کرتیں۔ سب ایک مشترکہ تہذیب کی نشو ونما کے لیے ہم آہنگی سے کام کرتے۔"

فتحِ ہسپانیہ کا حال بیان کرتے ہوئے ڈوزی لکھتا ہے ـــــ

"مسلمانوں کے زیرِ اقتدار عیسائیوں کی حالت چنداں بے اطمینانی کا موجب نہ تھی ـــــ عرب بہت زیادہ رواداری تھے۔ انہوں نے مذہبی معاملوں میں کسی کو ہراساں نہیں کیا۔ عیسائی اس ضمن میں عربوں کے ممنون ہیں۔ وہ مسلمانوں کی رواداری اور ان کے عدل و انصاف کی تعریف کرتے اور ان کی حکومت کو جرمنوں اور فرینکوں[1] کی حکومت پر ترجیح دیتے۔"

## جبری مذہبی تبدیلی اسلام میں گوارا نہیں

ذمہ دار مسلمانوں نے جبراً اسلام قبول کرنے کو کبھی گوارا نہیں کیا اگرچہ جنونیوں نے وقتاً فوقتاً اسلام کو غلط سمجھا (اور لوگوں کو جبراً مسلمان کیا) لیکن ایسے لوگوں کی مثالیں ملتی ہیں جنہیں اپنا پرانا مذہب دوبارہ اختیار کرنے کی اجازت دی گئی۔

ایک یورپی مورخ لکھتا ہے ـــــ "جب سخت گیر الموحّدین کے عہدِ حکومت میں موسیٰ میمونیدیز نے جھوٹ موٹ مذہب تبدیل کرنے پر آمادگی ظاہر کی، پھر بھاگ کر مصر چلا گیا اور ایک بار اس نے خود کو یہودی ظاہر کیا تو اُندلس کے ایک مسلمان فقیہ نے اسے اسلام سے خارج کیا اور مُرتد ہونے کی بنا پر اس کے قتل کا دعویٰ کیا۔ اس پر

---

[1] وفاقی جرمنی کے وہ قبائل جنہوں نے فرینکی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ بعد ازاں نویں صدی میں یہی فرانس، اٹلی اور جرمنی کی الگ الگ سلطنتوں میں بٹ گئے۔

Marfat.com

سلطان صلاح الدین ایوبی کے وزیرِ اعظم اور ایک نامور ترین جج ـــــ القاضی الفاضل عبدالرحیم بن علی نے اعلان کیا: "ایسے آدمی کو مسلمان نہیں سمجھا جاسکتا جس نے مجبور ہو کر اسلام قبول کیا ہو۔"

ابتدا میں کسی حاجی نے آرمینیا کے ایک سوداگر کو بدیں وجہ قتل کر دیا کہ اس نے مسلمان ہونے سے انکار کیا تھا۔ جب عاملِ شہر نے سنا تو کہا: "کیا یہی وہ طریقہ ہے جس سے اسلام کا مذہب پھیلا؟" حاجی کو فی الفور حراست میں لیا گیا، قتل کیا گیا اور اس کی لاش کتوں کو ڈال دی گئی۔

عہدِ غازان (۱۲۹۵ تا ۱۳۰۶) میں چند بُدھ راہبوں نے جھوٹ موٹ اسلام قبول کرنے کا اِدّعا کیا۔ معلوم ہونے پر انہیں پرانا مذہب اختیار کرنے اور ضرر رسانی کے بغیر تبت لوٹ جانے کی اجازت دے دی گئی۔ سیّاح ٹیورنیئر اصفہان کے چند مُرتد یہودیوں سے بھی ایسے ہی فیّاضانہ سُلوک کا ذکر کرتا ہے جنہوں نے شاہ عباس دوم (۱۶۴۲ تا ۱۶۶۷) کی چال میں آکر خود کو مسلمان ظاہر کیا تھا۔ جب شاہ نے محسوس کیا کہ انہوں نے ڈر کے مارے مذہب تبدیل کیا ہے نہ کہ ایمان کی خاطر تو انہیں سابقہ عقائد کی پیروی کرنے اور اصفہان لوٹ جانے کی اجازت دے دی۔

## عیسائی مذہب میں دخل دینا جرم تھا

جبراً مذہب تبدیل کروانے کے ضمن ہی میں موت کی سزا مقرر نہ تھی بلکہ متعدد حکمرانوں کے عہدِ اقتدار میں مسیحی عبادت گزاروں کے حقوق میں مداخلت کرنے پر بھی یہی سزا دی جاتی اس کی یادگار مثال اُزبک خان کے فرمان سے ملتی ہے۔

اُزبک خان اعظم جو ۱۳۱۳ سے ۱۳۴۰ء تک "لشکرِ زرّیں" کا قائد رہا اسلام کا پُرجوش حامی تھا۔ اس نے پورے وسطِ ایشیا میں اسلام پھیلانے کی کوشش کی لیکن

Marfat.com

بہرحال اسلام کے بنیادی اصول رواداری پر قائم رہا۔ ۱۳۱۳ء میں اس نے عیسائیوں کے لیے جو ضابطہ نافذ کیا وہ رواداری کے باب میں ایک بہترین اسلامی تاریخی دستاویز ہے۔

"رفیع ترین اللہ کی مشیت، قوت، عظمت اور رحمت کے نام پر ازبک اپنے تمام چھوٹے اور بڑے شہزادوں کے نام فرمان جاری کرتا ہے کہ کوئی شخص ایسے گرجے کی بے حرمتی نہ کرے جس کا سربراہ پطرس ہو یا اس کے خادم یا پادری ہوں! کوئی شخص ان کا سامان چھینے نہ آدمیوں کو گرفتار کرے! کوئی شخص امورِ کلیسا میں دخل نہ دے کیونکہ یہ الہیاتی ہوتے ہیں۔ جو شخص ان میں دخل دے گا اور ہمارا حکم عدولی کرے گا وہ اللہ کے نزدیک گنہگار ہوگا اور اس کے غضب کا شکار ہوگا۔ ہم سے موت کی سزا پائے گا۔"[1]

## مصر کے عیسائیوں سے مسلمانوں کی رواداری

ہر وقت اور ہر قسم کے حالات میں مسلمانوں پر فرض ہے کہ انسانی رشتوں میں ہم آہنگی برقرار رکھنے کی سعی کریں۔ مصر کی فتح دلچسپ مگر انتہائی انداز کی مثال پیش کرتی ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ ایک حکمران شکست خوردہ لوگوں کو ان کے حقوق کی ضمانت دینے کے لیے کہاں تک جانے کو تیار تھا۔

ادھر عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کو مصر کا عامل مقرر کیا گیا اور ادھر عیسائی آرک بشپ کی قیادت میں ایک وفد ملنے آیا۔ غالباً کسی مسلمان نے مسیح کا ایک مرمریں مجسمہ مسخ کیا تھا

---

[1] بحوالہ KARAMZIN جلد اول، صفحات ۴۱۳ تا ۴۴۴

Marfat.com

اور اس کی ناک کاٹ دی تھی۔ عمرؓو نے ازراہِ تلطّف وفد کا خیر مقدم کیا اور بتایا کہ اس واقعے سے انہیں صدمہ پہنچا ہے اور وہ بخوشی نئے مجسمے کی قیمت ادا کریں گے۔ بہرحال یہ تجویز آرک بشپ نے منظور نہ کی۔ وہ محسوس کرتا تھا کہ عیسائیوں کو مطمئن کرنے کے لیے انہیں (حضرت) محمد (صلعم) کا بُت بنانے اور اس کی ناک کاٹنے کی اجازت دی جائے۔ اس تجویز پر عمرؓو کا دل دہل گیا، تاہم انہوں نے غصّے پر قابو پایا۔ خاموشی سے لیکن انتہائی رنجیدہ ہو کر کہا ـــــ "تم ہمارے پاک نبیؐ کا بت بنانے کی تجویز پیش کرتے ہو حالانکہ یہی وہ آدمی ہے جس نے زبردست اور مسلسل جدّوجہد سے بُت پرستی ختم کرنے میں کامیابی حاصل کی تھی۔ اور اب تم ہماری آنکھوں کے سامنے ناک کاٹ کر اس کی بے حرمتی کرنا چاہتے ہو۔ ہم اپنی تمام املاک، اپنی جانیں اور اپنے بچّے تک قربان کر دیں گے۔ قبل ازیں کہ ہم ایسی کافرانہ حرکت دیکھیں۔ میں نے چونکہ تمہاری جانیں، املاک اور تمہارے مذہب کی حفاظت اپنے ذمّے لی ہے اس لیے میں اس بات پر آمادہ ہوں کہ تم ہم میں سے جس کی چاہو ناک کاٹ لو اور لے جاؤ!" اس پر بشپ مان گیا۔ اگلے دن ہزاروں کی تعداد میں عیسائی اور مسلمان یہ دیکھنے میدان میں جمع ہوئے کہ عیسائی کس طرح انتقام لیتے ہیں۔ عمرؓو بن العاص نے اجتماعِ عظیم سے خطاب کیا اور اس افسوس ناک ترین واقعہ کا پس منظر بیان کیا۔ پھر اس نے آرک بشپ کو اپنے پہلو میں بلایا اور پھر سنجیدگی سے اعلان کیا، ـــــ تم عیسائیوں کے سربراہ ہو اور میں مسلمانوں کا سربراہ ہوں ہم نے تمہیں زیر کیا۔ اب اس ملک پر حکومت کرنا میرا مقدّس فرض ہے۔ تمہارے مذہب کی جو توہین ہوئی ہے میں لازماً اس کی سزا قبول کروں گا کیونکہ یہ حرکت میرے نظم و نسق کی خامی کی علامت ہے۔ یہ لو تلوار اور میری ناک اُڑا دو!"

---

ؓ عُمرؓ اور عمرؓو کے تلفظ کے بارے میں نوٹ اگلے ص پر ملاحظہ کیجئے۔ (مترجم)

Marfat.com

یہ کہہ کر عمرؓو بن العاص نے بشپ کو تلوار پکڑا دی۔
واقعات نے ایسا حیران کن موڑ لیا کہ تماشائی دنگ رہ گئے اور گنگ ہو گئے۔ پریشان ہوئے کہ اب کیا ہو گا لیکن جونہی بشپ حاکم وقت کی ناک کاٹنے لگا ایک مسلمان سپاہی نے جھٹ اقرار جرم کر لیا۔ اس نے چلا کر کہا: "میں نے بت کی ناک کاٹی تھی میں مجرم ہوں۔ لو، یہ ہے میری ناک۔ لازماً سزا مجھے ملنی چاہیے۔ عامل بے گناہ ہے۔ میری ناک کاٹ لو!" وہ لپک کر آگے آیا اور اس نے حیران و پریشان اجتماع کے روبرو بشپ سے ناک کاٹنے کو کہا۔ یہ ساری کارروائی دیکھ کر بشپ اس طرح متاثر ہوا کہ اس نے تلوار پھینک دی اور چیخ کر کہا: "مبارک ہزار بار مبارک ہو اس سپاہی کو، عامل کو اور سب سے بڑھ کر ذی شان پیغمبر کو جس کے مثالی مقصد اور جس کی تعلیمات نے ان سپاہیوں اور اس عامل ایسے انسان پیدا کیے۔ بت کی ناک کاٹنا برا تھا لیکن اس سپاہی اور عامل ایسے ذی وقار انسانوں کے چہرے بگاڑنا حد سے سوا بدکرداری ہے۔"

## گرجوں اور مندروں کے باب میں مسلمانوں کی رواداری

آدم منیر لکھتا ہے ـــــ عام اصول کی رو سے اسلامی حکومت نے کبھی غیر مسلم رعایا کی عبادت میں دخل نہیں دیا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس نے ہنگامہ خیز عیسائی تہواروں اور ریتوں رسموں کو بنظر استحسان دیکھا ـــــ ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ مسلمانوں کے فاتح لشکر نے کلیساؤں، اسرائیلی عبادت خانوں اور مندروں کو نقصان نہ پہنچایا اور جوں کا توں برقرار رہنے دیا۔ پھر جن اضلاع میں صرف ایک ہی عبادت گاہ تھی وہاں

---

لہ عُمر اور عمرؓو کے تلفظ الگ الگ ہیں۔ ثانی الذکر کو عَمر پڑھئے۔ جہاں آخر میں واؤ آئے یہ تخصیص کے لئے ہے تاکہ شک نہ رہے۔ مترجم

Marfat.com

عیسائیوں اور یہودیوں کو اکثر اسی میں اپنی اپنی مذہبی رسوم ادا کرنے کی اجازت دی۔ یہاں بھی نبیِ اکرم صلعم نے نظیر قائم کی۔ جب نجران سے عیسائی وفد آیا تو آنحضرت صلعم نے اسے مدینہ کی مسجد میں عبادت کی اجازت دی۔

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے نبیِ اکرم کی پیروی کرتے ہوئے عیسائیوں کو دمشق کا وہ کلیسا لوٹا دیا جو ان سے لے لیا گیا تھا۔

"ایک پکا اور سچا مسلمان ہونے کے باعث وہ دوسرے مذاہب کے لوگوں ـــ عیسائیوں، یہودیوں اور آتش پرستوں پر مہربان تھا۔ انہیں اپنے کنیسہ[1] کلیسا اور معبد قائم رکھنے کی اجازت دی۔ دمشق میں الولید نے یوحنا بپتسمہ کار کے کلیسا کا حجرہ اپنی تحویل میں لے لیا اور مسجد بنوامیہ کی جائے تعمیر میں شامل کر لیا۔ جب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو عیسائیوں نے کلیسا چھن جانے کی شکایت کی۔ انہوں نے حکم دیا کہ مسجد کے لیے کلیسا کا جو حصہ لیا گیا ہے وہ اسی کو لوٹا دیا جائے۔"[2]

ہسپانیہ کے فرڈیننڈ اور ازابیلا نے طلیطلہ کی مسجد سے جو سلوک کیا یہ مثال اس سے نہایت مختلف رجحان کا اظہار کرتی ہے۔ مسلمانوں کے زیرِ حکومت یہودیوں اور عیسائیوں کو ہر دوسرے دن مسجد میں عبادت کی اجازت دی گئی تھی لیکن جونہی ہسپانوی عیسائیوں کو فتح نصیب ہوئی مسجد کو کلیسا میں تبدیل کر لیا گیا اور دیگر مذاہب کے پیروکاروں پر اس کے دروازے بند کر دیے گئے[3]

---

[1] یہودیوں کا عبادت خانہ۔

[2] بحوالہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام۔

[3] ان گئے گزرے زمانے میں بھی مسلمان رواداری کے معاملے میں بخل سے کام نہیں لیتے۔ اپنے زریں ماضی اور گزشتہ دورِ اقتدار کی طرح آج بھی دوسروں کی عبادت گاہوں اور غیر مسلم

Marfat.com

حضرت عمرؓ ہی اس خراج تحسین کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اہل کتاب نصرانیوں سے جو رواداری برتی اس سے کہیں زیادہ رواداری دمشق کے آتش پرستوں سے برتی جو زرتشت کے مشرکانہ عقیدے پر کاربند تھے یا نیز خیر وشر کی دو طاقتوں — یزدان واہرمن پر ایمان رکھتے۔ مسلمان اس سے متنفر تھے اور پھر وہ سحر و عملیات کے بھی قائل تھے۔ بہرحال مورخ ایم۔ این رائے اس امر کا اشارہ کرتا ہے کہ زرتشتی

---

اقلیت کا احترام کرتے ہیں۔ چنانچہ پاکستان میں اس کا واضح ثبوت ملتا ہے جہاں ان سکھوں کے گوردوارے اور استھان بہ حفاظت موجود ہیں جو تقسیم کے بعد بھارت چلے گئے انہیں ہر سال یاترا کے لیے پاکستان آنے اور کامل آزادی سے اپنے تہوار منانے کی اجازت ہے جنہوں نے ۱۹۴۷ء میں انتہائی بے دردی سے اپنے علاقوں میں نہتے مسلمان مردوں اور عورتوں کا قتل عام کیا۔ ایسے ہولناک واقعات ہوئے کہ ان کے ذکر سے دل تھرّا اٹھتا ہے۔ پھر ستمبر ۱۹۶۵ء میں بھارتی سینا نے سفاکی کا بے نظیر مظاہرہ کیا۔ ۶ ستمبر کو بھارت نے پانچ گنا فوج سے الٹی میٹم دیے بغیر پاکستان پر حملہ کیا۔ بھارتی سینا نے رات کے اندھیرے میں بین الاقوامی سرحد عبور کی، نہتے مسلمانوں کو گولی کا نشانہ بنایا، عورتوں کی آبروریزی کی، مسجد کو ضرر پہنچایا لیکن جب پاکستانی فوج نے جوابی کارروائی کی، بھارتی سینا کو جگہ جگہ پسپا کیا، راجستھان اور پنجاب (کھیم کرن) کے علاقے فتح کر لیے تو کسی مندر یا گوردوارے کی بے حرمتی یا کسی ہندو یا سکھ عورت کی آبروریزی کا ایک واقعہ رونما نہیں ہوا۔ علاوہ ازیں جب امرتسر کے فوجی ٹھکانوں پر فضائی حملہ ناگزیر ہوا تو [redacted] ہوا بازوں کو ہدایت کی گئی کہ تحت احتیاط برتیں اور کسی حالت میں سکھوں کی کسی عبادت گاہ کو نشانہ نہ بنائیں۔ پاکستانی ہوا بازوں کی دیانتداری اور ان کا کمال ہے کہ انہوں نے صرف فوجی ٹھکانے برباد کیے۔ کسی قوم کی عبادت گاہ کو بھول کر گزند نہیں پہنچایا۔ (مترجم)

Marfat.com

عرب فاتحوں کی رواداری سے محروم نہ رہے۔ تیسری صدی ہجری میں بھی پرانے آتش کدے شان و شوکت سے معمولی درجے کی مسجدوں کے پہلو میں کھڑے دکھائی دیتے۔ المعتصم (۸۳۳ تا ۸۴۲ ش) کے عہد سے ایک خاص مثال لی جا سکتی ہے۔ ایک موقع پر ایک امام اور مؤذن نے مل کر آتشکدہ منہدم کر دیا اور اس کی جگہ مسجد تعمیر کر لی۔ شکایت کی گئی تو خلیفہ نے اس کے جواب میں آتشکدہ ڈھانے پر امام اور مؤذن کو کوڑے لگانے کا حکم دیا[۱]۔

## ہندوؤں کے مندروں اور ان کی رسموں کے باب میں رواداری

مسلمانوں کی فتح کے زمانے میں رواداری کا جذبہ بیدار رہا۔ وان کریمر لکھتا ہے

"ہندوؤں کو مندر تعمیر کرنے، مسلمانوں سے ملنے جلنے اور بے خوف و خطر رہنے اور ہر طریقے سے اپنی بہتری کے لیے کوشاں ہونے کی اجازت تھی۔ عربوں نے سندھ میں ہندوؤں سے جس رواداری کا سلوک کیا اس سے بہتر مثال نہیں مل سکتی۔"

وان کریمر یہ بھی کہتا ہے کہ "برہمن روایات جس عزت و احترام کے مستحق تھے انہیں اس سے نوازا گیا۔ شنکر اچاریہ اور اس کے چیلے مثلاً مدھون تند اور نمبارک ایسے ہندو مبلغوں کو ہمیشہ تبلیغ کرنے کی آزادی حاصل رہی[۲]۔"

---

۱؎ بحوالہ CHOWLSOHN جلد اوّل صفحہ ۲۸۷۔

۲؎ بھارت کے ہندو جس وحشیانہ طریقے سے مسلمان حکمرانوں کے کریمانہ سلوک کا جواب دے رہے ہیں اسے تاریخ عالم خونیں الفاظ میں لکھنے پر مجبور ہو گی۔ ۱۹۴۷ء سے اب تک بھارت میں مسلمانوں کے قتلِ عام کی ہزاروں منظم وارداتیں ہو چکی ہیں۔ نیم فوجی تنظیم جن سنگھ ہر دم

Marfat.com

ہندوؤں سے مسلمانوں کا یہ کریمانہ سلوک کئی سال تک رہا اور اس حد تک رہا کہ ہندو اکثر اپنے ہم مذہبوں کے خلاف مسلمان فاتحین کی جانب سے میدانِ جنگ میں لڑے۔ علاؤ الدین خلجی کے عہد میں ہندو اپنی خدمات کے صلے میں بڑے بڑے عہدوں پر پہنچے۔ شیر شاہ کے زمانے میں شفاخانوں اور سراؤں میں ہندوؤں کی سہولت کے لیے خاص انتظامات کیے گئے۔

تمام مغل حکمران ہندوؤں سے بڑی فیاضی سے پیش آئے۔ ان کے مندروں کی حفاظت کی گئی۔ پروہتوں کو سنکھ بجانے اور اپنے بتوں کا جلوس نکالنے کی اجازت دی گئی۔ بادشاہوں کے حرم کی ہندو بیگمات کو محلات میں اپنے دیوی دیوتاؤں کی پوجا کی کھلی چھٹی دی گئی۔

> عام طور پر یہ مانا جاتا ہے کہ شاہنشاہ اورنگ زیب بڑا متعصب فرماں روا تھا جس نے ہندوؤں پر ظلم ڈھائے ان کے مندر برباد کیے اور ان پر جزیہ[1] لگایا لیکن جدید تحقیق ان قصوں کی براہِ راست تردید کرتی ہے۔ وہ خط جو اس نے اپنے بیٹوں اور دوسرے مسلمانوں کو لکھے اور تانبے کی وہ تختیاں جو برآمد ہوئی ہیں یہ بات ظاہر کرتی ہیں کہ اس نے تو خلاف ازیں ہندوؤں کے مندروں کی دیکھ بھال کے لیے مستقل جاگیریں اور رقوم دیں۔ مزید برآں اس نے ان پر کوئی ناواجب محصول عائد نہیں کیا۔

---

منصوبے تیار کرتی اور مسلم کش فسادات برپا کرتی رہتی ہے۔ ہند سرکار اس ناپاک فعل میں ہمیشہ جن سنگھ کا ہاتھ بٹاتی ہے۔

[1] غیر مسلموں کے جان و مال کی حفاظت کا ٹیکس۔

Marfat.com

## ہر دور میں رواداری

ہر دور میں اسلامی رواداری کی رُوح کارفرما رہی۔ دشتِ سینا کی خانقاہ کے زائرین اکثر مسلمانوں کی رواداری کی طویل تاریخ سے متاثر ہوتے ہیں۔ دُنیا کے اِس چھوٹے سے گوشے میں بھی رواداری کا ثبوت ملا ہے۔ مصر کی فاطمی خلافت کے دور میں ۱۰۰۶ء میں مسجد بنائی گئی۔ یہ مسجد مسیحی خانقاہ سے اس قدر قریب ہے کہ بالکل متصل ہو گئی ہے۔ ساڑھے آٹھ سو سال سے زیادہ مدت گزر چکی ہے۔ خانقاہ کی گھنٹیوں کا شور مسجد میں آ رہا ہے لیکن مسلمانوں کی رواداری میں ایک بار خلل نہیں پڑا۔ اسلامی رواداری کا یہ مؤثر ثبوت ہے۔

## رواداری اسلام کے خمیر میں ہے

جذبۂ رواداری کے اس مسلسل مظاہرے کی تشریح کرتے ہوئے ایم۔ این۔ رائے نے بتایا ہے کہ یہ اسلام کا موروثی، الگ نہ ہونے والا عنصر ہے۔ ان کے الفاظ ہیں:

"اسلام کا یہ بنیادی عقیدہ کہ خدا ایک ہے بنفسہٖ رواداری کو برقرار رکھتا ہے۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ ساری دنیا اپنی تمام خرابیوں اور بدصورتیوں سمیت نیز ساری نسلِ انسانی اپنی لغزشوں اور حماقتوں سمیت اسی ایک خدا کی تخلیق ہے تو پھر مومن اپنے رفیع الشان عقیدے کی رُو سے مسخ شدہ صورتوں پر اظہارِ افسوس کرے گا، خرافات اور کج روی پر ہنسے گا لیکن اس عقیدے کی نوعیت ایسی ہے کہ وہ انہیں کسی خدائے شر کا کارنامہ یا اس کی عبادت کا نتیجہ سمجھ کر ان کے خلاف اعلان جنگ نہیں کرے گا۔ جو لوگ مختلف انداز سے عبادت کرتے ہیں اس کے نزدیک اس کے غلط کار اور گمراہ بھائی ہیں لیکن بہرحال ایک ہی

Marfat.com

باپ کی اولاد ہیں۔ انہیں راہِ راست پر لانا پڑتا ہے یا پھر ان سے رواداری برتنی پڑتی ہے تاآنکہ وہ تائب ہونے کے لیے آمادہ ہو جائیں۔"

اس تجزیے کی وضاحت کے لیے قرآن کی آیاتِ کریمہ باآسانی مل جاتی مثلاً:

۱۔ "اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا[1]" (سورۃ ۴، آیتِ کریمہ ۱)

۲۔ "اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں بڑے بڑے اور چھوٹے چھوٹے قبیلوں کی شکل دی تاکہ تم ایک دوسرے کو جان پہچان لو[2]!" (سورہ ۴۹، آیتِ کریمہ ۱۳)

---

[1] پوری آیتِ کریمہ یہ ہے: یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا ۝ اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور پھر اسی میں سے اس کا ساتھی پیدا کیا اور پھر اس جوڑے سے بہت مرد اور عورتیں پیدا ہوئیں اور اللہ سے ڈرو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور خصوصیت سے رشتے اور قرابت داری کا احترام کرو۔ بلاشبہ اللہ تمہیں دیکھتا ہے۔

[2] پوری آیتِ کریمہ یہ ہے: یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ۝

Marfat.com

"ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے قانون (شرع) اور راہِ عمل وضع کر دی ہے۔ اللہ چاہتا تو تمہیں ایک امت بنا دیتا۔" سورۃ ۵، آیت کریمہ ۴۸۔

"ہم نے ہر امت کے لیے عبادت کے طریقے بنا دیے ہیں جن پر وہ عمل کرتی ہے۔" سورۃ ۲۲، آیت کریمہ ۶۷۔

"بے شک جو مومن ہیں ان میں سے اور یہودیوں اور نصرانیوں اور صابیوں میں سے جو بھی اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے اور

---

پوری آیت کریمہ یہ ہے: وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۙ "اور ہم نے اتاری تمہاری طرف یہ سچی کتاب جو اس سے پہلے کتاب کی تصدیق کرتی ہے اور اس پر محافظ ہے پس ان میں اللہ نے جو نازل کیا اس کے مطابق حکم دیجیے اور آپ کے پاس حق کی جو بات پہنچی اسے چھوڑ کر یہودیوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے قانون (شرع) اور راہِ عمل وضع کر دی ہے اللہ چاہتا تو تمہیں ایک امت بنا دیتا۔ مگر اسے یہ منظور ہے کہ جو کچھ تمہیں یاد ہے اس میں تمہیں آزمائے تو نیکیوں میں جلدی کرو۔ تم سب کو اللہ کی طرف جانا ہے۔ پھر وہ تمہیں بتا دے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے۔"

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى

Marfat.com

نیک عمل کرتے ہیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ انہیں کسی قسم کا ڈر ہو گا نہ غم۔"[۱] سورہ ۲، آیت کریمہ ۶۲۔

اگر تمہارا رب چاہتا تو وہ سب لوگ جو زمین پر رہتے ہیں ایک ساتھ ایمان لے آتے۔ کیا تم لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کرو گے؟"[۲]

ان آیات کریمہ سے واضح ہے کہ کتنے ہی ایسے لوگ ہوں گے جو مختلف مذہبوں، عقیدوں، سرگرمیوں، رسموں، ریتوں اور رواجوں کے پابند ہوں گے انہیں مسلمانوں کے پہلو بہ پہلو رہنے کی اجازت دینی پڑے گی۔ اسلام تمام حقیقی پیغمبروں کے لائے ہوئے دین کی سچائی تسلیم کرتا ہے اور ان میں امتیاز روا نہیں رکھتا۔

تمام مخلوقِ انسانی کی یگانگت کا حوالہ دیتے ہوئے قرآن کہتا ہے: "پس اللہ نے پیغمبروں کو اچھی خبر دینے والا اور تنبیہہ کرنے والا بنا کر بھیجا۔"

اور اس سے بھی زیادہ وضاحت سے یہ فرمایا ——

---

رَبِّكَ ط اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ہ

۱؎ پوری آیت کریمہ یہ ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِئِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ج وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ہ

۲؎ قُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَا اُنْزِلَ اِلٰى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَا اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَا اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ہ

Marfat.com

"کہو اے مسلمانو! ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس پر جو ہم پر نازل کیا گیا ـــــ اور اس پر جو ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور ان کی آل پر نازل ہوا ـــــ اور اس پر جو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور ان نبیوں کو دیا گیا جو اپنے رب کی طرف سے آئے ہم ان میں سے کسی میں امتیاز نہیں کرتے اور ہم اسے (اپنے رب کو) تسلیم کرتے ہیں۔" سورۃ ۲، آیت کریمہ ۱۳۶۔

اہلِ کتاب سے قرآن یوں مخاطب ہے ـــــ

"اے اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ)! ہم اور تم ایک مساویانہ انداز کی مفاہمت کر لیں کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی اطاعت نہیں کریں گے۔ اور تم اللہ کے سوا کسی سے واسطہ نہ رکھو گے اور ہم میں سے کوئی بھی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنائے گا۔"

اور پھر دوبارہ یہودیوں سے کہا ـــــ

"وہ (یہودی)، جو مسلمانوں کے مقصد کو مشترکہ مقصد بنا لیں اور ان کی جانب سے لڑیں وہ مسلمانوں سے مل کر ایک قوم ہو جائیں گے اور وہ ہماری مدد سے بہرہ ور ہوں گے اور ظلم و ستم اور پریشانی سے محفوظ کیے جائیں گے۔"

قرآنِ پاک میں مسلمانوں کو کلیساؤں اور دوسری عبادت گاہوں کو خراب کرنے سے بالخصوص منع کیا گیا ہے۔ "انہیں (دیوی دیوتاؤں کو) بُرا بھلا نہ کہو مبادا وہ بوجہ نفرت اللہ کو لاعلمی میں بُرا بھلا کہہ ڈالیں۔" پس ہم نے ہر امت کے

Marfat.com

عمل کو اس کے لیے حسین بنا دیا ہے۔"[1] (سورۃ ۶ - آیت کریمہ ۱۰۸)

قرآن میں یہ بھی کہا گیا ہے ـــــ "اے محمد! اگر کوئی تیری پناہ میں آنے کا طلبگار ہو تو اسے پناہ دے تاکہ وہ اللہ کا کلام سن سکے اور اس کے بعد اسے اس کی حفاظت کی جگہ پر پہنچا دے۔"

اس جذبۂ رواداری کو مختصر مگر مکمل شکل میں قرآن کے ان الفاظ میں پیش کیا جا سکتا ہے ـــــ

"کہہ کر یہ رب کی جانب سے آئی ہوئی صداقت ہے جو چاہے اس پر ایمان لائے جو نہ چاہے، ایمان نہ لائے۔"

## برضا و رغبت قبولِ اسلام

اس باب میں جو حوالے دیے گئے ہیں ان سے عیاں ہوا ہے کہ بزورِ شمشیر اسلام قبول کروانا اسلام کی سچی اسپرٹ کے عین خلاف ہے۔ شاذ ہی حکم عدولی کی گئی ہو۔ اگر کبھی مسلمانوں نے جبر سے کام لیا تو انہیں سزا دی گئی۔ اب ہم پر واجب ہے کہ قبولِ اسلام کے ان متعدد واقعات کا ذکر کریں جو اسلام کے توسیعی دور میں برضا و رغبت ہوئے، ڈر سے نہیں جذبۂ احترام سے ان کی تحریک ہوئی۔ صلیب و ہلال

---

[1] پوری آیت کریمہ یہ ہے: وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ط كَذَٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِم مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○ انہیں (دیوی دیوتاؤں کو) بُرا نہ کہو مبادا وہ بوجہ نفرت اللہ کو لاعلمی میں بُرا بھلا کہہ ڈالیں۔ پس ہم نے ہر اُمت کے عمل کو اس کے لیے حسین بنا دیا ہے۔ پس انہیں اپنے رب کے پاس لوٹ جانا پڑے گا اور وہ انہیں بتائے گا کہ وہ کیا کرتے رہے۔

Marfat.com

[لو]گوں میں متعدد نصرانی سپاہیوں نے دلی امنگ سے صلاح الدین ایوبی کا مذہب [اختی]ار کر لیا۔ ہزاروں سادہ لوح نصرانیوں نے مسلمان فاتحین کی رواداری کے برتاؤ [میں] ایسا مثالی تصور اور ایسا جذبۂ ایمانی پایا جسے وہ (مسلمان) بڑھ چڑھ کر پیش کرنے [ہ]ی کرتے۔ رضاکارانہ قبولِ اسلام کے واقعات کی گنتی کا ذکر کرتے ہوئے ولندیزی [مو]رخ وان گرٹ ثمڈ کہتا ہے ——

"غیر ملکیوں (مسلمانوں) کی فتح و نصرت کے بعد نیا مذہب (اسلام) اختیار کرنے کی رغبت ایک ایسی حقیقت ہے جس کا سراغ شاذ ہی ماضی میں ملے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس معاملے میں تنہا اسلام کو فتح نصیب ہوئی۔"

نامور مورخ ڈوزی قبولِ اسلام کے سلسلے میں شکست خوردہ لوگوں کی آمادگی [پر] تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے ——

"پہلے پہل یہ واقعہ چھپتا ہوا راز نظر آتا ہے۔ خصوصاً جب ہمیں پتہ چلتا ہے کہ نیا مذہب کسی پر ٹھونسا نہیں گیا۔"

درحقیقت یہاں جبر و اکراہ کا عنصر ناپید تھا۔ یہی سبب ہے کہ لوگوں نے [ب]ھاری تعداد میں آزادانہ اسلام قبول کیا۔

## رواداری اسلام کی قوت ہے

عظیم قلمکار اور مستشرق مارماڈیوک پکتھال[1] مذہبی رواداری میں اسلام کی زبردست

---

[1] پکتھال غیر معمولی صلاحیت کے انگریز نومسلم ہیں۔ انہیں اسلام کے خصوصی مطالعے کا شرف [حا]صل ہے۔ وہ نہایت روشن خیال، صائب الرائے مسلمان اور متبحر عالم ہیں۔ مرحوم

Marfat.com

قوت پاتا ہے ــــ

"کوئی مسلمان جب مسلمانوں کی سلطنت کے کھنڈر دیکھے تو یہ نہ سمجھ لے کہ رواداری اسلام کی کمزوری ہے۔ یہ زوال انہی لوگوں کے ذریعے آیا ہے جنہیں مسلمانوں نے ایسے زمانے میں صدیوں تک امان بخشی اور ان سے رواداری کا سلوک کیا جبکہ مغربی یورپ نے اپنے سوا ہر دوسرے مذہب کے پیروکاروں سے جبراً مذہب بدلوانے کو مذہبی فریضہ سمجھا۔ رواداری اسلام کی زبردست ترین قوت ہے کیونکہ یہ صداقت کا اندازِ فکر ہے۔"

خدا صرف یہود و نصاریٰ یا مسلمانوں ہی کا خدا نہیں۔ اس سورج سے زیادہ کسی کا نہیں جو صرف یہودیوں، نصرانیوں یا مسلمانوں پر چمکتا ہو یا مینہ جو ان میں سے کسی ایک پر پڑتا ہو۔ جنت بھی تنہا مسلمانوں کی نہیں، جیسا کہ قرآن شاہد ہے: "جو کوئی اللہ کی اطاعت کرے گا اور نیکی کرے گا اس کا اجر اس کے رب کے

---

نظام حیدر آباد کی سرکار سے وابستہ رہے ہیں۔ انہی کے دورِ حکومت میں انہوں نے قرآن مجید کو انگریزی میں منتقل کیا۔ ان کا کہنا ہے کہ قرآن کا ترجمہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ پرانے شیوخ کا نظریہ ہے اور راقم الحروف کا بھی۔ یہاں لفظاً "کتاب" کو منتقل کیا گیا ہے اور موزوں زبان کے انتخاب کی پوری پوری سعی کی گئی ہے لیکن نتیجے میں ذیشان قرآن معرضِ وجود میں نہیں آتا۔ وہ موسیقی پیدا نہیں ہوتی جس کی آوازیں لوگوں کو اشکبار کر دیتی اور سرور و مستی کے عالم میں لے آتی ہیں۔ یہاں صرف قرآن کا مفہوم پیش کیا گیا ہے ـــــ اور اتفاقیہ طور پر انگریزی میں اس کا تھوڑا سا سحر بھی آ گیا ہے۔ یہ ترجمہ کبھی بھی عربی زبان کے قرآن کی جگہ لے سکتا نہ یہ مقصود ہے۔" یہ حوالہ ان کے مترجمہ قرآن کے دیباچے سے لیا گیا ہے۔ (مترجم)

Marfat.com

پاس ہوگا۔ انہیں کوئی ڈر نہیں، کوئی غم نہیں[1]" سورہ ۲، آیت کریمہ ۱۱۲۔

---

[1] آیت کریمہ یہ ہے: بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔

Marfat.com

# حقوقِ انسانی اور اسلام

## غیر مسلموں کے شہری حقوق

مسلمانوں کی رواداری اسلام کی روح کا اتنا بڑا عنصر تھی کہ یہ غیر مسلموں کے کلیساؤں اور مندروں کی حفاظت تک ہی محدود نہ رہی بلکہ غیر مسلموں کو شہری حقوق دینے تک پہنچی۔

مسلمانوں کے لشکروں نے جن ملکوں پر قبضہ کیا وہاں کی غیر مسلم اقوام جزیہ ادا کر کے جان و مال کے تحفظ پر بھروسہ کر سکتی تھیں۔ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ جزیہ مسلمانوں کی اختراع ہے جو وہ غیر مسلموں پر نافذ کرتے تھے لیکن رومنوں اور ایرانیوں کے عہد میں بھی مدتوں ہر شخص سے ایک قسم کا محصول لیا جاتا رہا۔ مسلمانوں نے جن لوگوں کو زیر کیا تھا ان کے لیے جزیہ کوئی نئی شے نہ تھا۔ البتّہ یہ ایک نئی شے ضرور تھی کہ جو لوگ محصول ادا کرتے انہیں تحفّظ کی ضمانت دی جاتی۔ حضرت علیؓ نے کہا: "قانون کی نظر میں ذمّی اور مسلمان ایک برابر ہیں۔ جو ہماری حفاظت سے بہرہ ور ہو اس کا خون ہمارے خون کی مانند ہے اور اس کا زرِ خون ہمارے زرِ خون کی مانند ہے۔

بعض غیر مسلموں نے بوقتِ ضرورت مسلمانوں کے دوش بدوش لڑنے پر رضامندی ظاہر کی اور انہوں نے جزیے پر اعتراض کیا تو انہیں زکوٰۃ دینے کی اجازت دی گئی۔

Marfat.com

ان میں قبیلہ بنو تغلب کے نصرانی اور جرجومہ کے لوگ شامل تھے۔

یہ بھی واضح ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمرؓ نے اس آمدنی سے غیر مسلموں کی مدد کی جو مسلمانوں کی جانب سے بیت المال میں وصول ہونے والے محصولات سے ہوتی۔ یوں سخاوت کے اسلامی جذبے نے رواداری کی اسلامی روح سے مل کر دوسرے مذاہب کے بیماروں اور محتاجوں کی مدد کی۔"

مذہبی امور میں جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں غیر مسلموں کو کامل خود مختاری دی گئی۔ اپنے معاملات خود طے کرنے کے حق کو خانگی امور اور داخلی نظم و نسق تک وسعت دی گئی۔ ممتاز مستشرق ڈاکٹر منگانا نے عباسی خلفاء کی جانب سے نسطوری[1] عیسائیوں کو عطا کیے ہوئے منشورِ آزادی پر تبصرہ کرتے ہوئے بتایا کہ اس کی رُو سے

۱۔ عبادت کی آزادی

۲۔ کلیسا کے حکام کے تقرر کے حق

۳۔ کلیسا کی املاک اور اموال کے تحفظ اور

۴۔ مذہبی رسوم و فرائض کی ادائی کی آزادی کی ضمانت دی گئی۔

ازاں بعد وہ اس شہری آزادی کا ذکر کرتا ہے مسلمان حکمرانوں کی بدولت نسطوری جس سے بہرہ ور تھے اور یوں اس کا خلاصہ پیش کرتا ہے ـــــ

"اس باب میں قانونی طور پر اسلامی طرزِ عمل کی تشریح اس

---

[1] قسطنطنیہ کے بطریق نسطوریس کے پیروکار۔ نسطوریس کو کفر کے الزام میں ہلاک کیا گیا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ یسوع مسیح میں الوہی شخصیت اور فانی شخصیت عملاً کامل ہم آہنگی سے گھل مل گئی تھی (مترجم)

Marfat.com

میثاق میں واضح الفاظ میں کی گئی ہے جس سے بلاشک و شبہ
ثابت ہوتا ہے کہ قانونی طور پر عدم رواداری اسلام کی خرابیوں
میں شامل نہ تھی۔ یہ میثاق عباسی خلیفہ کے قاضی خانے سے
جاری ہوا تھا لیکن کیا آج بیسویں صدی میں انگلستان کا
کوئی حکمران، ولندیزی ملکہ یا فرانس کا صدر اپنی بے شمار مسلمان
رعیت کے لیے اس سے بڑھ کر رواداری کا حامل میثاق
جاری کر سکتا ہے؟"

اس میثاق میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال پر عمل کیا گیا تھا جو آنحضرت نے قائم کی تھی۔ اس میثاق نے صدیوں پہلے آج کی مغربی دنیا سے کہیں بڑھ چڑھ کر وقار پایا اور شکست خوردہ لوگوں سے رواداری کر دکھائی۔ دوسرا میثاق آزادی جس سے سچی اسلامی اسپرٹ عیاں ہوتی ہے خالدؓ ابن ولید نے جاری کیا۔ یہ وہی سپہ سالار اعظم ہے جو خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکرؓ صدیق کے ماتحت منصب دار تھا اور جو سیف اللہ کے نام سے معروف ہوا۔ میثاق یہ ہے — "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اگر خالدؓ ابن ولید دمشق میں داخل ہوا تو وہاں کے باشندوں کو یہ مراعات دے گا — وہ ان کے جان و مال اور گرجوں کے تحفظ کا وعدہ کرتا ہے۔ ان کے شہر کی فصیل منہدم کی جائے گی نہ ان کے گھروں میں کسی مسلمان کو ٹھہرایا جائے گا۔ ہم انہیں اللہ کا عہد نیز پاک نبی صلعم، خلیفہ اور مومنوں کی حفاظت عطا کرتے ہیں۔ جب تک وہ محصول ادا کرتے رہیں گے خیر کے سوا ان پر اور کچھ نازل نہ ہوگا۔"

قانون کے معاملوں میں اسلامی ریاست کی غیر مسلم رعایا کو حق حاصل تھا کہ وہ کسی مسلمان کے خلاف ہی کسی جرم کا ارتکاب کیوں نہ کریں انہی کا ہم مذہب فیصلہ کرے اور انہیں ہمیشہ منصفانہ فیصلے کی ضمانت دی گئی تھی۔ انہیں کسی شک و شبہ کی بنا پر

Marfat.com

حراست میں لیا جا سکتا نہ قید کیا جا سکتا تھا اس کی مثال قرونِ اولیٰ سے لی جا سکتی ہے جب حضرت عمرؓ خلیفہ تھے۔

"ایک موقع پر حضرت عمرؓ سے شکایت کی گئی کہ عراق کے لوگوں کی آزادی خطرے میں ہے اور انہیں شک کی بنا پر پکڑ لیا جاتا ہے۔ خلیفہؓ نے فوراً عراق کے لوگوں کو یقین دلاتے ہوئے کہا، "کسی قسم کا خوف نہ کھائیں کیونکہ اسلامی ریاست میں کسی کو شک کی بنا پر پکڑا نہیں جا سکتا اور عدل و انصاف کے شعور کے بغیر کسی کو قید میں نہیں ڈالا جا سکتا۔"

اپنے معاملات میں تحفظ، عدل و انصاف، عبادت کی آزادی اور بڑی حد تک آزادی کی مراعات کے باعث غیر مسلموں کو قومی امور کے وسیع تر شعبے سے محروم نہیں کیا گیا۔

مورخ ایڈم میز کہتا ہے ـــــ "اسلامی حکومت کی سب سے حیرت خیز بات سرکاری شعبے میں غیر مسلموں کے منصبوں کی تعداد تھی۔ مسلمان اپنی ہی سلطنت میں عیسائیوں کے زیرِ حکومت رہے۔ یہ پرانی شکایت ہے کہ مسلمانوں کے جان و مال کے فیصلوں کا معاملہ انہی کے زیرِ نگرانی لوگوں کے سپرد رہا۔ تیسری صدی ہجری (مطابق نویں صدی شمسی) میں عیسائی وزرائے دفاع تک رہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ غازیانِ اسلام کو اپنے سالاروں کے ہاتھ چومنے اور ان کے احکام ماننے پڑتے۔"

فرانسیسی مورخ ڈالا زون کومیٹر ہمیں بتاتا ہے کہ خلیفہ معاویہؓ (۶۶۱ تا ۶۸۰) عیسائیوں کو بہ تعدادِ کثیر سرکاری ملازمت میں رکھا۔ دوسرے خلفا کے زمانے

Marfat.com

میں عیسائی اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ خلیفہ المعتضد کے عہد میں نصرانی ابن یو
عنبر کا عامل تھا۔ الموفق نے اسرائیل نام کے ایک عیسائی کو فوج کا نظم ونسق سونپا
طرح الموفق کے عہد میں ایک عیسائی دفترِ جنگ کا ناظم تھا۔ مائیکل بزرگ کے بیان
رُو سے جنوبی ایران کے فرماں روا عضدُ الدّولہ (۹۴۹ تا ۹۸۲) کا وزیرِ اعظم نصر
ہارون عیسائی تھا۔

وان کریمر اپنی تاریخ کے حصّہ اول میں بتاتا ہے کہ غیر مسلم اسلامی دَور میں
احترام کی نظر سے دیکھے جاتے اور وہ خوشحال رہے۔ قانونی طور پر کسی پیشے یا حر
حتّٰی کہ سرکاری نوکری تک سے محروم نہیں کیے گئے۔ بینکاری ایسے منافع بخش کا
اور بڑے پیمانے کی تجارت کے لیے قسمت آزمائی کی اجازت تھی اور طبّی پیشہ اخ
کرنے کی بھی۔ مثلاً شام میں بیشتر ساہوکار یہودی تھے، بیشتر عرائض نویس
طبیب عیسائی تھے۔

مسلمان چونکہ ذمّیوں کو اپنے برابر سمجھتے تھے اس لیے آپس میں شادی بیاہ
کی اجازت تھی بلکہ بعض اوقات اس کی حوصلہ افزائی کی جاتی۔ غیر مسلموں سے
مسلمانوں کے رویّے کی بابت قرآن مجید میں یہ حکم موجود ہے ــــــ

"اللہ تمہیں ان لوگوں کے احترام سے منع نہیں کرتا جنہوں نے مذہب
کی بنا پر تم سے جنگ نہیں کی اور تمہیں گھر سے بے گھر نہیں کیا۔ تم ان سے
مہربانی اور انصاف سے پیش آؤ کیونکہ اللہ انصاف کرنے والوں سے
محبت کرتا ہے۔[1]" (سورہ ۶۰، آیت کریمہ ۸)

---

[1] لَا یَنْهٰکُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُ
مِنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْۤا اِلَیْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْ

Marfat.com

اسلام ان غیر مسلموں سے شادی بیاہ کی اجازت دیتا ہے جن پر شریعت نازل ہوئی۔ قرآن میں آیا ہے ــــ

"آج کے دن تمام عمدہ چیزیں تم پر حلال کر دی گئی ہیں۔ اہلِ کتاب کا کھانا تم پر حلال ہے اور تمہارا کھانا ان پر حلال ہے۔ تم پر مومنوں کی نیک بیبیاں اور ان کی نیک بیبیاں جن پر تم سے پہلے صحیفہ نازل ہوا حلال ہیں بشرطیکہ تم انہیں شادی بیاہ کا معاوضہ دو اور ان کے ساتھ عزت و آبرو سے رہو ــــ ان سے زنا کرو نہ انہیں چوری چھپے داشتہ کے طور پر رکھو[1]" (سورۃ ۵، آیت کریمہ ۵)

## مسلمان مہاجرین کے حقوق

جب کوئی مہاجر کسی غیر اسلامی مملکت سے بھاگ کر اسلامی مملکت میں آئے تو وہ اسی آن شہری حقوق پا سکتا ہے۔ اسے دوسرے مسلمانوں کی طرح پورے حقوق حاصل ہوں گے۔ حاجت مند ہو تو اسے زکوٰۃ کی مد سے مدد دی جا سکتی ہے تا آنکہ وہ معقول طور پر محصول ادا کرنے کے قابل ہو جائے۔

اس نظام کے سیدھے سادے انصاف نے اسلام کے استحکام میں گراں قدر

---

[1] آیت کریمہ یہ ہے: اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ط وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ز وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ط وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ز وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

Marfat.com

اضافہ کیا۔

# اسلام اور حقوقِ نسواں

عورت کو جس طور اللہ نے پیدا کیا وہ آدمی کے برابر ہے۔ آج سے چودہ سو سال پہلے اسلام نے اس صداقت کو جان لیا اور نسائی انفرادیت کا دعویٰ برقرار رکھا۔ عورتوں کو جو حقوق دیے گئے ان میں روزی کمانے اور کام کا پورا پورا معاوضہ پانے کا حق شامل تھا۔ قرآن مجید میں آیا ہے ــــ

"جو کچھ مرد کمائیں اس کا فائدہ مردوں کو اور جو کچھ عورتیں کمائیں اس کا فائدہ عورتوں کو پہنچے[۱]" (سورہ ۴، آیت کریمہ ۳۲)

قرآن میں مزید ایسے احکام ہیں جو عورتوں سے کیے جانے والے سلوک، بیویوں کے حقوق، بیواؤں کی حفاظت اور ماؤں کی اہمیت کے بارے میں فکرمندی کا مسلسل اظہار کرتی ہیں۔ تمام معاملات میں، وہ دنیاوی ہوں یا روحانی قرآنِ حکیم مساوی مواقع پیش کرتا ہے۔

"مرد ہو یا عورت، جو کوئی نیکی کرے گا اور ایمان والا ہو گا ہم یقیناً اسے عمدہ زندگی عطا کریں گے اور ان کے بہترین عملوں کا اجر دیں گے[۲]"

(سورہ ۱۶، آیت کریمہ ۹۷)

---

[۱] پوری آیت کریمہ یہ ہے: وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَ سْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ۝

[۲] مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّهٗ حَیٰوةً

Marfat.com

اور قرآن حکیم میں آیا ہے —

"بے شک وہ مرد جنہوں نے (خدا کے احکام کو) تسلیم کیا اور وہ عورتیں جنہوں نے (خدا کے احکام کو) تسلیم کیا، اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں اور سچے مرد اور سچی عورتیں، اور صبر والے مرد اور صبر والی عورتیں، اور مسکین مرد اور مسکین عورتیں، صدقہ خیرات دینے والے مرد اور صدقہ خیرات دینے والی عورتیں، روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والی عورتیں، اور اللہ کا زیادہ ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں — ان سب کے لئے اللہ نے مغفرت اور بڑے اجر کا بندوبست کیا ہے۔[ل]" (سورہ ۳۳، آیت کریمہ ۳۵)

جہاں تک عورتوں کے لیے مساوی اجرت کا سوال ہے صدیوں پہلے قرآن پاک میں اس کا اندازہ کر لیا گیا تھا درآنحالیکہ مغربی ممالک اس کے حصول کی ہنوز

---

طَيِّبَةً ٥

ل إِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّأَجْرًا عَظِيْمًا ٥ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ٥

Marfat.com

ابتدا کر رہے ہیں۔ آج بیسویں صدی کے فرانس میں ہو رہا ہے اس سے کہیں پہلے اسلام کے عین شروع کے دنوں میں عورتوں ـــــ شادی شدہ عورتوں، غیر شادی شدہ عورتوں اور بیواؤں کو جائیداد کے حقوق دیے گئے تھے۔

اسلام نے ہمیشہ یہ بات واضح کی ہے کہ عورت اپنی تمام جائیداد اور ان جائیدادوں پر پورا پورا اختیار رکھتی ہے جو اسے رشتہ داروں کی جانب سے ملیں قرآن کہتا ہے ـــــ

"عورتوں کو ان کا مہر خوشی خوشی دے دو اور اگر وہ اپنی مرضی سے اس کا کچھ حصہ تمہیں دے دیں تو اسے مزے سے کھاؤ[1]"

(سورۃ ۴ آیت کریمہ ۴)

اور پھر ـــــ

"مردوں کا اس میں حصّہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ دار چھوڑیں اور عورتوں کا اس میں حصّہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ دار چھوڑیں ـــــ یہ حصّہ کم ہو یا زیادہ لیکن یہ مقرر ہے[2]"

(سورہ ۴، آیت کریمہ ۶)

رسولِ اکرم صلعم کے بارے میں روایت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بہترین

---

[1] وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا۔

[2] آیت کریمہ یہ ہے۔ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝

Marfat.com

مسلمان وہ ہے جو اپنی بیوی سے بہترین سلوک کرے اور اگر کوئی مسلمان اچھی طرح اپنی لڑکی کی پرورش کرے اور اس کی خوشی کا مناسب بندوبست کرے تو اس پر جنت کے دروازے کھلے رہیں گے۔ یہ بھی حدیث نبوی ہے کہ ـــــ "بہترین مسلمان وہ ہے جو اپنی بیوی سے بہترین سلوک کرے۔" (بحوالہ ترمذی)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلسل اس بات پر زور دیا کہ مسلمان اپنی عورتوں کا احترام کریں۔ جب بھی آپؐ کی صاحبزادی آپؐ سے ملنے آئی آپ ہمیشہ کھڑے ہو گئے۔ یہ حدیث بھی آپؐ سے مروی ہے ـــــ "ماں کے قدموں میں جنت ہے۔"

کینیڈا کے ایک جج مسٹر جسٹس کریباٹس نے لکھا ہے ـــــ

"حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم غالباً دنیا میں حقوقِ نسواں کے سب سے بڑے علمبردار تھے۔"

نامور فرانسیسی قلمکار آندرے سرومیئر نے بھی اس رائے کی تائید کی۔ وہ لکھتا ہے۔

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کا حامی بننے کی سعی کی۔ وہ ان کے سلسلے میں فراخدلی سے بات کرتے ہیں اور انہوں نے انہیں بلند مرتبہ کرنے کی کوشش کی۔ ان کی اصلاحات سے پہلے عورتوں اور بچوں کو ورثہ نہیں ملتا تھا اور پھر سب سے بُری بات یہ تھی کہ متوفیٰ کا سب سے قریبی رشتہ دار عورتوں اور املاک پر اس طرح قابض ہو جاتا جس طرح وہ اپنے غلاموں اور ان کی بحیت (کے روپے) پر قابض ہو جاتا۔ ان کے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے) آخری خطبے میں یہ

Marfat.com

تاریخی الفاظ شامل تھے ــــــ اپنی بیویوں سے اچھا سلوک کرو، کیونکہ یہ تمہاری مددگار ہیں اور اپنے آپ کچھ نہیں کر سکتیں، انہوں خوب معلوم تھا کہ اگر عورت دن کے وقت خادمہ ہے تو رات کے وقت ملکہ ہے اور ہر وقت اس کا اثر قابلِ غور ہے۔"

جب آدمی یہ دیکھتا ہے کہ بعض قبائل جنہیں اسلام نے مسخر کیا کس قدر غیر مہذب تھے اور اس زمانے کے بیشتر مہذب ترین ملکوں میں عورتوں کو کس قدر کم حقوق حاصل تھے تو اسے پتا چلتا ہے کہ اسلام نہ فقط حقوقِ نسواں کے سلسلے میں بلکہ کتنے ہی دوسرے معاملوں میں ان کے مذہبوں اور اخلاقی نظاموں سے صدیوں آگے تھا۔ درحقیقت اسلام کا فکر انگیز معاشرتی انقلاب قرآن کے اس حکم میں سمٹ کر آ گیا ہے ــــ " اور ان (عورتوں) سے نرمی سے پیش آؤ "[۱] (سورۃ ۴، آیت کریمہ ۱۹)

فوجی اُمور سے متعلق ایک پچھلے باب میں ہم نے دیکھا کہ عورتوں سے متعلق یہ احساس مفتوحہ علاقوں کی عورتوں اور دشمنانِ اسلام کی عورتوں کے حقوق تک قائم رہا۔ اس سے وہ انسانی جذبہ عیاں ہوتا ہے جو اپنے زمانے پر سبقت لے گیا۔ مسلمانوں میں ان کی عورتیں اعلیٰ منصب اور اثر و رسوخ پا سکتی تھیں۔ اُندلس میں مسلمانوں کی بہادری کے کارناموں کے باب میں ہم نے دیکھا کہ بعض مسلمان شہزادے کس قدر عالم و فاضل تھے۔ فلپ حتّی بتاتا ہے کہ عام عورتیں بھی امتیازی مقام رکھتی تھیں۔[۲]

---

[۱] آیت کریمہ کا متعلقہ حصہ یہ ہے: وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ۔

[۲] بحوالہ HISTORY OF THE ARABS صفحہ ۳۳۳۔

Marfat.com

"ہم اسلام کے قرونِ اولیٰ ہی میں عورتوں کو اونچے حلقوں میں دیکھتے ہیں۔ وہ امورِ مملکت میں ممتاز حیثیت رکھتی اور اثر و رسوخ استعمال کرتی ہیں ـــــ مثلاً الخیضوران، المہدی کی بیوی اور الرشید کی ماں، علیہ (المہدی کی بیٹی)، ہارون الرشید کی بیوی زبیدہ اور الامین کی ماں اور بوزان، المامون کی بیوی۔ یہی نہیں بلکہ عرب دوشیزائیں محاذِ جنگ پر جاتیں، لشکروں کی کمان سنبھالتیں، شعر کہتیں اور ادبی مشاغل میں مردوں سے مقابلہ کرتیں یا پھر اپنی ذہانت، فنِ موسیقی کی صلاحیت اور نغموں سے معاشرے میں جان ڈال دیتیں۔"

اس تالیف کے پہلے حصّے میں تعلیم سے متعلقہ باب میں ہم نے دیکھا کہ کس طور مسلمان لڑکی کو علم حاصل کرنے کا حق حاصل تھا۔ طب کے باب میں ہم نے تیمارداری کی خدمت (نرسنگ سروس) کا حال پڑھا ہے۔ مسلمان عورتیں محاذِ جنگ پر اپنے مردوں کی خدمت کے لیے شعبۂ تیمارداری میں شامل ہو جاتیں۔ ایسے موقعوں پر مسلمان عورتوں کی دلیری کے متعدد قصّے موجود ہیں۔ ایک مشہور ترین واقعہ یہ ہے کہ جنگِ قادسیہ میں چند رضاکار عورتوں نے لاٹھیاں سنبھال لیں اور صفیں بنا کر چل پڑیں تاکہ یہ تاثر پیدا ہو کہ کمک آ رہی ہے۔ یوں صف بستہ ہو کر اپنے تکان زدہ لشکر کا ایسا حوصلہ بندھایا کہ جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور مسلمانوں کو ایرانیوں پر زبردست فتح نصیب ہوئی۔ اسی طرح یرموک کی جنگِ عظیم میں ابوسفیان کی صاحبزادی جویریہ کی قیادت میں مسلمان عورتوں کے لشکر نے بڑا امتیاز حاصل کیا۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے کئی ابواب رقم کیے ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ عورتوں نے محاذِ جنگ پر زخموں، بہشتیوں اور گورکنوں کا کام تن دہی سے کیا۔ یہی نہیں بلکہ ہنگامی حالات میں سچ مچ کے سپاہی بھی بن گئیں۔

Marfat.com

# شادی اور کثرتِ ازدواج —— اسلام میں

اہلِ مغرب اسلام کی صداقتوں سے آگاہ نہیں چنانچہ وہ اکثر اسلام پر نکتہ چینی کرتے رہتے ہیں۔ وہ قیاس کرتے ہیں کہ اسلام نے جبری شادی کی اجازت دی اور زیادہ عورتیں کرنے کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ ان میں سے کوئی الزام بھی درست نہیں۔

جہاں تک شادی کا تعلق ہے مسلمان فقہاء نکاح سے پہلے عورت کی رضامندی پر زور دیتے ہیں اور قرآن مجید عورت کی مرضی کے خلاف شادی بیاہ سے منع کرتا ہے۔ آیاتِ کریمہ میں آیا ہے کہ مقررہ مہر کے ذریعے دلہن کے حقوق کی لازماً نگہداشت کی جائے اور بعض حالتوں میں خاوند کے گھر رخصت ہونے سے پہلے دلہن کے سرپرست کی اجازت کا بھی تقاضا کیا گیا ہے۔

عورت کو زبردستی شادی کے بندھنوں میں جکڑنے کا تو ذکر ہی کیا اسے تو درحقیقت شادی کے انتخاب میں آزادی دی گئی ہے۔ "اگر وہ دستور کے مطابق باہم راضی ہو جائیں تو انہیں خاوند کرنے سے مت روکو[ا]"

شادی کرنے کے بعد عورت اپنی ذاتی املاک سے محروم نہیں ہو جاتی بلکہ نئے حقوق حاصل اور نئی ذمہ داریاں قبول کرتی ہے۔

زیادہ بیویاں کرنے کے موضوع پر ہمیں پتا چلتا ہے کہ اسلام اس کی حوصلہ افزائی تو کیا کرتا الٹا اس نے اس زمانے کے عرب قبائل کے عام مروجہ دستور پر

---

[ا] آیتِ کریمہ کا متعلقہ حصہ یہ ہے: فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ط

(سورۃ ۲، آیت ۲۳۲)

Marfat.com

حد لگادی۔ کئی بیویاں کرنے کی بجائے اسلام نے ایک مسلمان کو چار سے زیادہ بیویاں کرنے کی اجازت نہیں دی اور پھر وہ بھی اس شرط پر کہ وہ ہر ایک کی مناسب کفالت کا اہل ہو اور ان سے مساوی طور پر انصاف کر سکے۔ اس سے اس زمانے کی عرب عورتوں کی حالت میں زبردست انقلاب کا پتا چلتا ہے۔

بیسویں صدی میں چند ہی مسلمانوں کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں گی چند کی دو دو بیویاں ہوں گی اور چار بیویاں تو شاید ہی کسی کی ہوں۔

بہرحال یہ امر دلیل طلب ہے کہ مشرق میں زیادہ بیویوں کے رواج کو ہنوز مغرب میں ایک بیوی اور اس کے ساتھ رنڈی بازی کے چلن پر خاصی حد تک سبقت حاصل ہے۔

اسی موضوع پر نامور عرفانیات دان اور حقوقِ نسواں کی علمبردار خاتون مسز اینی بیسینٹ نے اپنے ایک لکچر میں کہا ہے ـــــ

"جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہزاروں بے کس عورتیں رات کو مغرب کے گلی کوچوں میں ہجوم کر آتی ہیں تو پھر ہم بالیقین محسوس کرتے ہیں کہ اہلِ مغرب کو زیب نہیں دیتا کہ کثرتِ ازدواج کے نام پر اسلام کو برا بھلا کہیں۔ بہتر یہی ہے کہ عورت کثرتِ ازدواج کے دائرے میں ایک آدمی کے ساتھ رہے اور اس کی آغوش میں حلال کا بچہ رہے ـــــ جسے بنظرِ احترام دیکھا جائے نہ یہ کہ اسے درغلایا اور اس سے حرام کیا جائے اور باہر گلی کوچوں میں پھینک دیا جائے ـــــ غالباً اس کی گود میں حرام کا بچہ ہو گا جسے کسی قسم کا قانونی حق حاصل نہ ہو گا۔ یہ عورت بے گھر ہو گی،

Marfat.com

اس سے اتنی بے اعتنائی برتی جائے گی کہ راتوں پر راتیں گزریں گی اور وہ کسی نہ کسی راہگیر کی ہوس کا شکار بنتی رہے گی ـــــ اسے کبھی ماں نہ بننے دیں گے، سب اس سے نفرت کریں گے[1]"

---

[1] علمائے بشریات بتاتے ہیں کہ زنڈی مشرق کے قدیم تہذیبی دور کی پیداوار ہے۔ اسے زرعی تہذیب نے جنم دیا۔ دنیا کی پہلی رنڈی کا خمیر معبد میں اٹھا۔ یہ معبد حسن، پیار اور جنسی جذبے کی دیوی ـــــ عشتار (یونانی افرودائتی) کے لیے مخصوص تھا جہاں زرعی تہذیب کے مروّجہ ضابطے کی رو سے ہر کنواری لڑکی فرض کے طور پر آتی اور اپنا جسم بلا تامل اس اجنبی کے حوالے کر دیتی جو حسب توفیق چند ٹکے دیوی کے نام پر اس کی جھولی میں ڈال دیتا۔ اس دھرتی دیوی کی پوجا اول اول فرات و دجلہ کی وادی اور نیل دیس میں ہوئی۔ رفتہ رفتہ معبد مقدّس رنڈیوں (دیوی داسیوں) کا چکلہ بن گیا۔ پھر جب طلب بڑھی تو رنڈی نے پر پُرزے نکالے اور معبد سے باہر پاؤں دھرا۔ گلی کوچوں میں آئی تو معاشرے نے اسے بطیب خاطر اپنے اندر سمو لیا۔ یونان اور روما میں اونچے طبقے کی رنڈی کو بنظرِ احترام دیکھا جاتا اور اسے تہذیب و تمدن کی علامت مانا جاتا۔ اس دور میں یہ اپنے وقت کی امراؤ جان ادا ہوتی اور صرف جنس کا بازار نہ گرماتی بلکہ علم و فن کی محفلیں سجاتی، سیاسی امور سلجھاتی اور علم و فن کی سرپرستی کرتی ـــــ اِقتدار کی ہر مسند تک پہنچ جاتی۔ اس سلسلے میں ملکہ تھیوڈورا کا نام لیا جا سکتا ہے جو گلی میں سے اُٹھ کر تاجدار کے پہلو میں جا بیٹھی۔ اس نے ٹکیائیوں (نچلے درجے کی رنڈیوں) کی اصلاح کا اِقدام بھی کیا جو ناکام ثابت ہُوا۔

رنڈی کو صلیبی جنگوں سے بھی تعلق رہا۔ رنڈیوں کی کھیپ مسیحی مجاہدوں (کروسیڈرز) کے ہمراہ جاتی۔ ان رنڈیوں کو اصطلاحاً "کیمپ فالوارز" کہتے۔

رنڈی کے پیشے کو روز افزوں ترقی ملتی گئی، رنڈی بازار کی رونق بنی اور پھر جب

Marfat.com

## میاں بیوی کے تعلقات کی نسبت قرآن ایسے الفاظ میں گفتگو کرتا ہے کہ

بات یورپ کے طویل اور مسلسل صنعتی انقلاب، گولڈرش اور سیم و زر کی ریل پیل تک پہنچی؛ گھر کا شیرازہ بکھرا اور کنبے کا تصور ماند پڑ گیا تو رنڈی کی بن آئی۔ رنڈی کی مانگ بے حد بڑھی اور رسد تو اس سے بھی سوا ہوئی۔ اب یورپ کے ہر محلے، ہر بازار، ہر کوچے میں کہیں نہ کہیں کوئی سرائے، کوئی شراب گھر، کوئی قمار خانہ اور "سرخ لالٹین والا مکان" نظر آنے لگا۔ سرخ لالٹین قحبہ خانے کی علامت تھی اور اہلِ ضرورت کی سہولت کے لیے دروازے پر لٹکا دی جاتی۔ "ریڈ لائٹ ڈسٹرکٹ" کھل گئے۔ رنڈیاں طبقوں میں بٹ گئیں۔ اونچے طبقے کی رنڈی "کال گرل" بن گئی۔ ملوکیت کے زمانے میں یہ "درباری رنڈی" COURTESAN تھی جسے امراؤ روساء داشتہ کے طور پر کام میں لاتے۔ کال گرل خواص کی رنڈی ہے۔ عوام کی رنڈی سٹریٹ واکر کہلاتی اور راہ چلتے کو اٹکاتی ہے۔ مغرب میں ان چلتی پھرتی بازاری عورتوں نے معاشرے کا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ انہی کے انسداد کی خاطر کمیشن بٹھائے گئے، قوانین بنائے گئے۔ قانون بے بس ہے اور اس کے پاس "اسٹریٹ واکرز" کی سرگرمی کو محدود کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

مغرب کا صنعتی اور سرمایہ دارانہ (جمہوری) معاشرہ رنڈی بازی کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ ادھر مشینوں نے آدمی کو مشین بنا دیا، زندگی میکانکی (اور غیر قدرتی) ہو کر رہ گئی، تصنع بڑھا اور ادھر جنگوں میں بے تحاشا بہترین انسانی ایندھن جھونکا گیا۔ اس کے نتیجے میں جنگی بھلی عورت جنسی اشتہا سے تنگ آ کر بے حیائی پر اتر آئی۔ رنڈیوں کی تعداد میں بے تحاشا اضافہ ہوا۔ پھر مغرب کے چکتے دمکتے، سنسنی خیز اور لذت فروش معاشرے میں عورت بہتر معیارِ زندگی (یعنی عیش و عشرت، آسائش و آرائش)، اور جنسی آزادی کی طلبگار ہے۔ اس کے لیے وہ جز وقتی رنڈی بن جاتی ہے اور اپنی ذہنی اور بدنی صلاحیت

Marfat.com

نقالی نہیں کی جا سکتی۔ ارشاد ہوا ہے ـــــ

" وہ (تمہاری بیویاں) تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔"

(سورۃ ۲، آیت کریمہ ۱۸۷)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج کعبہ پر فرمایا ـــــ

" اے لوگو! تمہیں اپنی بیویوں پر چند حقوق حاصل ہیں، پس تم انہیں اپنے اوپر حقوق دو! وہ تمہاری تحویل میں اللہ کی امانت کے طور پر ہیں۔ لہٰذا تم ان سے مہربانی سے پیش آؤ!"

---

کے مطابق زیادہ سے زیادہ روپیہ کماتی ہے۔ وہاں صنعتی زندگی کے پھیلاؤ نے عورت پر معاش کے تمام دروازے کھول دیے ہیں لیکن عورت اپنی کمائی کو ناکافی سمجھتی اور ایک ہی ملازمت پر اکتفاء نہیں کرتی۔ سنسنی پسندی، زرطلبی اور جنسی اشتہا اسے جسم فروشی پر مائل کرتی ہے معاشرہ ہر وقت اس کے لیے راہ ہموار کرتا ہے۔ آج کا مغربی معاشرہ بڑی حد تک زنڈی کے اختیار میں ہے۔ کرسٹائن کیلر کا واقعہ ابھی کل کی بات ہے۔ اعلیٰ طبقے کی اس ممتاز رنڈی نے حکمران طبقے میں کھلبلی مچا دی اور سرکاری ڈھانچے کی بنیاد ہلا دی۔

مغرب کے علمائے عمرانیات رنڈی کو معاشرے کا "سیفٹی والو" قرار دیتے ہیں اور رنڈی بازی کی روک تھام کے سلسلے میں سرکاری اقدامات سے بسا اوقات اختلاف کرتے ہیں۔ وہ رنڈی کو وجہ خیر سمجھتے اور اس کے وجود کو بڑے اہتمام سے سنبھال رکھنے کے قائل ہیں۔ حیرت ہے کہ مغرب میں رنڈی بازی اتنی عام ہے جبکہ وہاں عورت حد سے زیادہ بے باک اور جمہوریت کے فیض سے ہر قسم کی اخلاقی پابندی سے آزاد ہے۔ مرد و زن کا اختلاط غیر مستحسن نہیں اور اب نفسیات دانوں کی سفارش پر بچوں کو جنسی تعلیم دینے کی تیاری ہو رہی ہے۔ عجب نہیں کہ عورت مغرب کی شاخ نازک ثابت ہو۔ (مترجم)

Marfat.com

## اسلام کے مخفی پھول

مسلمان عورتیں نسبتاً تنہائی میں رہتی ہیں تو اس سے کئی اہلِ مغرب کو یہ قیاس کرنے کا موقع ملا کہ وہ پسماندہ ہوتی ہیں اور نئی دنیا میں اپنا مقام پانے کے ناقابل ہیں لیکن مسٹر جسٹس کار بائٹس کی سوچ کا انداز مختلف ہے۔ وہ مسلمان عورتوں کو "اسلام کے مخفی پھول" کہتا ہے اور بتاتا ہے کہ وہ کسی طور ڈرپوک یا مغلوب نہیں مشرقِ وسطیٰ کے ایک اسلامی ملک میں جج موصوف کو جو تجربہ ہوا اس کا حوالہ دیتے ہوئے وہ بتاتا ہے کہ کس طرح وقت آ پڑے تو مسلمان عورتیں گوشۂ تنہائی سے نکل آتی اور نہایت فصاحت و بلاغت اور جرأت و جسارت سے اپنا معاملہ خود پیش کرتی ہیں۔ ان میں یہ صلاحیت کیوں پائی جاتی ہے، جج موصوف کے نزدیک جرأت و جسارت کا اصل سبب کردار کی پاکیزگی اور رفعت ہے۔ مسلمان عورتیں مثالی طور پر پاکباز اور بلند مرتبہ ہیں۔ وہ ہنوز ان مثالی نظریوں کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش کرتی ہیں جن پر ان کے مرد اعتقاد رکھتے ہیں اور جن کی اسلامی تعلیمات نے صدیوں نگہداشت کی۔

## اسلام اور غلامی

جس دور میں اسلامی لشکر تین براعظموں پر فتح و نصرت پا رہے تھے فاتحین کا عام دستور یہ تھا کہ بطور یرغمال یا غلام بنانے کے لیے دشمن کے جس قدر قیدی ہتھے چڑھتے انہیں لے جاتے۔ اسلام نے ایک دم غلامی کا قلع قمع نہیں کیا لیکن اس نے بلاشبہ یوں کیا کہ آغاز ہی سے غلاموں کی ملکیت کو انفرادی طور پر ہر مسلمان کی ضمیر کا مسئلہ بنا دیا اور مسلمانوں کو اس امر کی تحریک دی کہ وہ ان غلاموں کو آزاد کر دیں جو

Marfat.com

پہلے سے ان کے قبضوں میں ہوں۔

قرونِ اولیٰ ہی سے ہم دیکھتے ہیں کہ غلامی کے باب میں مسلمانوں کی سوچ اپنے زمانے سے بہت آگے تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی ——

"اے ایمان والو! اپنے غلاموں یا کنیزوں سے مت کہو کہ تمہارا کھانا یا تمہارے لیے وضو کا پانی لائیں اور انہیں اپنا غلام بھی مت کہو کیونکہ انجام کار تم سب اللہ کے خادم ہو۔ پس اپنے غلاموں کو "میرا لڑکا، میرا بیٹا، میری بیٹی" کہہ کر مخاطب کرو۔ اے مومن! اپنے غلام یا اپنی کنیز کو پاس بٹھا کر کھانا کھلا اور اگر کھانا اتنا نہ ہو کہ دو کے لیے کافی پڑے تو کم از کم اسے چند نوالے ہی اپنے ساتھ کھلا۔ جو مسلمان بھی ایک غلام کو آزاد کرے گا اللہ اس کے کنبے کے ایک فرد پر دوزخ کی آگ حرام کرے گا۔" (بخاری)

جنگی قیدیوں کا ذکر کرتے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "تمہارے جنگی قیدی تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ نے تمہاری تحویل میں رکھا ہے۔ پس جس کسی کے پاس اس کا بھائی ہے وہ جو کچھ کھائے اس میں سے اسے بھی دے اور جو کپڑے پہنے ان میں سے اسے بھی پہننے کو کپڑے دے اور انہیں ایسا کام کرنے کو نہ دے جو اس کی طاقت سے باہر ہو اور اگر انہیں ایسا ہی کام دینا ہو تو پھر انہیں کام میں مدد دو!"

قرآن میں غلامی کا لفظ تقریباً ہر موقع پر جنگی قیدیوں کے سلسلے میں آیا ہے۔ لیکن کوئی شخص قرآن میں کسی طور غلامی کی اجازت کا حکم نہ پائے گا۔ غلاموں کی فروخت واضح طور پر ممنوع ہے اور اسی طرح نکاح کیے بغیر کنیزوں سے ہم بستری

Marfat.com

حرام ہے۔ اس سلسلے میں قرآن میں آیا ہے ــــ

"تم میں سے جو تنہا ہوں ان سے یا پھر غلاموں یا کنیزوں میں نیک ہوں ان سے بیاہ کر دو! اگر وہ مفلس ہوں تو اللہ اپنے کرم سے انہیں عطا فرمائے گا کیونکہ اللہ سب پر قادر ہے اور سب کچھ جاننے والا ہے[1]" (سورۃ ۲۴، آیت کریمہ ۳۲)

قرآن میں یہ حکم بھی آیا ہے[1] ــــ

"جو لوگ شادی کی استطاعت نہیں رکھتے وہ پاکباز رہیں تاآنکہ اللہ اپنے کرم سے انہیں مالدار کر دے تاکہ وہ شادی کر لیں اور تمہارے ایسے غلام جو پروانۂ آزادی طلب کریں انہیں پروانہ دے دو اگر تم ان کی نیکوکاری سے واقف ہو اور انہیں اللہ کا مال و دولت دو جو اس نے تمہیں بخشا ہے اور اپنی کنیزوں کو اس دنیا کی ناپائیدار چیزیں حاصل کرنے کی غرض سے رنڈی بازی پر مجبور نہ کرو جبکہ وہ پاکدامن رہنے کی آرزومند ہوں اور جو انہیں مجبور کرے گا تو لاریب جبر کے بعد بھی اللہ

---

[1] دونوں آیات کریمہ یہ ہیں۔ وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ۭ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۳۲ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ڰ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۭ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۳۳

Marfat.com

معاف کرنے والا اور رحمدل ہے۔" (سورہ ۲۴، آیتِ کریمہ ۲۲)

اتنے اسلامی اوصاف پر بھی یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذاتِ گرامی تھی جنہوں نے اپنے پیروکاروں کے لیے ذاتی مثال پیش کی۔

"ایک مرتبہ قریش کے ایک سردار نے حضرت محمدؐ سے شکایتاً کہا۔

"اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم تمہارے پاس کیونکر بیٹھ سکتے ہیں جبکہ تمہارے پاس ہم جلیسوں میں بلالؓ اور زیدؓ ایسے غلاموں تک، کمترین طبقوں کے لوگ شامل ہیں؟ اگر تم انہیں نکال دو تو ہم تمہارے پاس آئیں گے۔"

"رسول اکرم صلعم نے بڑی شدت سے اس تجویز کو ٹھکرا دیا اور امرأ سے کہا گیا کہ وہ بلالؓ کو "سیّدنا" کہہ کر بلائیں اور زیدؓ کے لڑکے اسامہ کے زیرِ کمان رہنے کو کہا جب اسے شام کی مہم پر سپہ سالار بنا کر بھیجا گیا اس طرح عرب کے امرأ کو پہلی بار براہِ راست اسلام کے نظریۂ مساوات کی قدر و منزلت جاننی اور اسے بجان و دل قبول کرنی پڑی۔

جن غلاموں کو سب سے پہلے آزاد کیا گیا ان میں ممتاز عالم کے طور پر شہرت پانے والوں میں صہیب بھی تھے۔ وہ اعلیٰ مقام پا کر خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کے مشیر مقرر ہوئے۔ یہی نہیں بلکہ جب خلیفہ بسترِ مرگ پر تھے تو انہوں نے انہی کو نمازِ جنازہ پڑھانے اور اس وقت تک مسندِ خلافت پر رہنے کو کہا جب تک نئے خلیفہ کا انتخاب عمل میں نہ آئے۔ یہی صہیب تین روز تک خلیفہ رہے۔ خود نبی اکرم صلعم کے داماد (حضرت علیؓ) اور رؤسائے قریش نے ان کی اطاعت کی۔ بعدازاں صہیب نے آخری خلیفہ کی عم زاد بہن زینب سے بیاہ کیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام میں مساوات صرف نام لینے کے لیے نہیں بلکہ ایک زندہ صداقت ہے۔

Marfat.com

جب حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں عمروؓ بن العاص نے مصر فتح کیا تو انہوں نے دیکھا کہ ملک صرف غلاموں کی جبری محنت پر زندہ ہے [1]
خلیفہ کو جو رپورٹ بھیجی گئی وہ بھی ظاہر کرتی ہے کہ عمروؓ بن العاص نے تعلیمات اسلامی کامل طور سے جذب کیں اور انہیں بھی غلامی سے نفرت ہو گئی۔

"غلاموں کے انبوہ یوں زمین کو کالا کر دیتے ہیں کہ
ان کا مقابلہ جفاکش چیونٹیوں کے لشکر سے کیا جا سکتا ہے
ان سے کام لینے والے کا کوڑا انہیں سرگرم عمل رکھتا ہے

---

[1] عہد فراعنہ میں غلاموں کا وجود مصری معاشرے کے لیے ریڑھ کی ہڈی تھا۔ ان سے بالجبر کام لیا جاتا۔ اہرام مصر اور کتنی ہی دوسری عمارتیں اور نہریں انہی کی محنت کا نتیجہ ہیں۔ عہد قدیم کے حکمران اور مفکر ایسے معاشرے کے تصور سے عاجز تھے جو غلاموں کے بغیر قائم رہ سکتا ہو۔ آزاد شہریوں کے لیے غلام از بس ضروری تھے۔ افلاطون ایسے روشن خیال فلسفی نے بھی اپنی لاثانی تالیف "دی ری پبلک" میں ریاست کا ایسا نقشہ پیش کیا جس میں غلاموں کو اس کا لازمی جزو قرار دیا۔ قدیم ہند کے مفکر اعظم اور انسانیت کے سب سے بڑے دشمن —— منو مہاراج نے بنی نوع آدم کو واضح طور پر چار طبقوں میں بانٹا۔ سب سے ممتاز سطح پر برہمنوں کو رکھا، ان سے نیچے کشتریوں کو، ان سے نیچے کاروباری لوگوں (ویشیوں) اور سب سے نیچے شودروں کو۔ یہ غلام ہوتے اور رذیل سمجھے جاتے اور ذلیل کیے جاتے۔ رامائن میں انہیں بانر (بندر)، ملیچھ (پلید)، اور داس (غلام) کے القاب سے یاد کیا گیا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ رام چندر نے جب لنکا پر چڑھائی کی تو ہنومان جی ان کے بازوئے شمشیر زن تھے۔ بس یہی خامی تھی ان میں کہ شودر تھے۔ ان کے لشکر کی مدد سے لنکا فتح ہوا۔ برہمنوں نے ان کے احسان کا بدلہ تو دیا، انہیں دیوتا تسلیم کر لیا لیکن انہیں دُم لگا دی اور بندر بنا دیا (مترجم)۔

Marfat.com

لیکن وہ جو دولت کا خزانہ برآمد کرتے ہیں وہ آقا اور مزدور میں غیر مساوی طور پر بانٹا جاتا ہے۔"

عمروؓ بن العاص کا لڑکا بہر حال نسبتاً کم روشن خیال تھا تا آنکہ ایک دن اسے حضرت عمرؓ کی جانب سے تنبیہہ موصول ہوئی۔ لڑکے نے ایک مصری افسر کو پہلے تو پیٹا اور پھر قید میں ڈال دیا۔ قیدی بھاگ نکلا اور اس نے خلیفہ سے انصاف کی درخواست کی۔ وہ ایک مسلمان کے اس سلوک کا حال جان کر بڑے غمزدہ ہوئے۔ خلیفہ نے عمروؓ بن العاص اور ان کے لڑکے سے کہا: "اے عمرو! تم کب سے لوگوں کو غلام بنانے لگے جبکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا؟"

وہی مصر جسے رومنوں اور یونانیوں نے پہلے لوٹا کھسوٹا اب سارا سینوں[1] کے عہد اقتدار میں خوشحال ہوا اور کتنے ہی غلام ملت اسلامیہ کے آزاد رکن بن گئے آنے والی صدیوں میں بھی ایسے ہی نتائج برآمد ہوئے جیسا کہ پروفیسر نولڈیک نے بیان کیا ہے۔ "جو بھی مسلمان ہوا اسے وہی حقوق ملے اور وہی فرائض سونپے گئے جو سب سے اعلیٰ اور سب سے ادنیٰ مومن کو حاصل تھے۔ مسجد میں کسی کے لیے مخصوص نشست نہ تھی۔ اسلام نے افریقہ اور ایشیا کے کروڑوں غلاموں کے دلوں میں اسلامی وقار کے شعلے تاباں رکھے۔"

عیسائیوں کے یورپی ملکوں میں ازمنۂ وسطیٰ تک غلامی زوروں پر رہی اور ہم سنتے ہیں کہ کس طرح ۱۴۹۲ ش میں پوپ نے پرتگال کے بادشاہ کو حکم دیا کہ وہ مسلمانوں کو بیچ بیچ کر غلام بنا ڈالے۔ بعد کے زمانے میں انگلستان میں پھر غلاموں کی تجارت کا منظر سامنے آتا ہے۔ ۱۶۸۰ ش سے ۱۷۰۰ ش تک تو غلاموں کی تجارت نقطۂ عروج پر

---

[1] SARACENS شام اور عرب کے درمیان صحراؤں میں بسنے والے۔ بعد کے زمانے کے عرب (مترجم)

Marfat.com

پہنچ جاتی ہے۔ جبکہ نجی تجارتی اداروں نے جمیکا اور شمالی امریکہ کے باغات کے لیے ساٹھ لاکھ سے زائد نیگرو بیچ ڈالے۔

انیسویں صدی سے قبل انگلستان میں غلامی کا خاتمہ نہیں ہوا اور جب تک رائے عامہ نے مجبور نہ کیا حکومت برطانیہ نجی سرمایہ داروں کے مفادات میں دخل دینے پر آمادہ نہ ہوئی۔ امریکہ میں تو غلامی کا خاتمہ اور بھی بعد میں ہوا۔

ایک نامور سیاح جوزف طامسن افریقہ گیا تھا چنانچہ اس نے ۱۴ نومبر ۱۸۸۷ء کو "مشرقی افریقہ میں غلامی" کے موضوع پر اخبار لندن ٹائمز میں ایک خط چھپوایا۔ مضمون یہ تھا ــــــ

"میں بلاتامل تصدیق کرتا ہوں اور مشرقی وسطیٰ اور افریقہ کے اس وسیع تر تجربے کی بنا پر کہتا ہوں جو آپ کے ہر نامہ نگار کے مقابل مجھے حاصل ہے کہ ان علاقوں میں اسلام کے نہ آنے کی وجہ سے غلاموں کی تجارت زوروں پر ہے۔ سب سے زبردست سبب یہ ہے کہ اسلام کی اشاعت کا مطلب اس کے ساتھ غلاموں کی تجارت کا خاتمہ ہو گا۔"

مشرقی افریقہ میں اسلام کے تہذیبی اثر کے سلسلے میں اگلے باب میں زیادہ تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے۔ اس سے پتا چلے گا کہ کتنے ہی ممتاز علماء ایک ہی نتیجے پر پہنچے ہیں۔

قرآن کا ایک نہایت جامع حوالہ اس امر کی بابت ہے کہ کس طرح ایک مسلمان راستباز بن سکتا ہے۔ اس سلسلے میں غلاموں کے آزاد کرنے کو سخاوت کا قابلِ قدر ذریعہ بتایا گیا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوا ہے ــــــ

Marfat.com

"یہی نیکی نہیں کہ تم مشرق اور مغرب کی طرف اپنا منہ پھیرو بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ اور روزِ قیامت اور فرشتوں اور کتابوں اور نبیوں پر ایمان لائے ـــــ اور اس کی محبت میں رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور مانگنے والوں اور غلاموں کو چھڑانے کے لیے مال و دولت دے اور نماز پڑھے اور زکوٰۃ دے اور جو کیا ہوا عہد پورا کرتے والے ہیں اور جو تنگ دستی اور بیماری اور لڑائی میں صبر کرنے والے ہیں ـــــ یہ ہیں وہ لوگ جو سچے ہیں اور یہی ہیں وہ لوگ جو پرہیزگار ہیں[1]" (سورہ ۲، آیت کریمہ ۱۷۷)

صدیوں پاکباز مسلمانوں نے غلامی سے متعلق قرآنی احکام پر چلنے کی سعی کی۔ اسلام کے ایک ممتاز اور معروضی طالب علم لارڈ ہیڈلے نے ان احکام کو ملخص کیا ہے لارڈ ہیڈلے یوں رقمطراز ہے ـــــ

"اسلامی تعلیمات بالیقین غلامی کو برا کہتی ہیں اور اس کے خاتمے کا قصد کرتی ہیں۔"

---

[1] آیت کریمہ یہ ہے: لَيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ ج وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ ج وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ ج وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا ج وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ ط أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا ط وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ۔

Marfat.com

# اسلام اور تمیزِ رنگ و نسل

اس میں رنگ کی تمیز نہیں۔ اکثر اہلِ مغرب کے لیے حقیقت کا یہ بیانِ سادہ بمشکل قابلِ یقین ہے لیکن یہ درست ہے۔ مسلمان دنیا میں نسلوں کی کثرت کو اللہ کی تخلیقی قوت کا مظہر گردانتے ہیں۔

"زمینوں اور آسمانوں کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف اس کی نشانیوں میں سے ہے۔ بے شک یہ جاننے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ [1]

(سورۃ ۳۰، آیت کریمہ ۲۲)

اگر تمام نسلیں مساوی طور پر اس کی نشانیوں میں سے ہیں تو پھر کسی قسم کا نسلی امتیاز ناقابلِ یقین ہو جاتا ہے۔ سب لوگ اللہ کے ہیں، کچھ بھی کسی کا رنگ بھی سب کو اللہ نے کاملاً تخلیق کیا ہے۔ قرآن مجید میں اس کی تشریح یوں کی گئی ہے۔

"کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی آسمان سے پانی نازل کرتا ہے اور پھر ہم اس کے ذریعے سے مختلف رنگوں کے پھل پیدا کرتے ہیں اور پہاڑوں میں سفید اور سرخ اور مختلف رنگوں کے اور کالے کووں کے رنگ والی لکیریں ہوتی ہیں۔ اسی طرح آدمیوں اور جانوروں اور چوپایوں میں بھی مختلف رنگوں والے ہوتے ہیں۔ بے شک اللہ

---

[1] آیت کریمہ یہ ہے: وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ ۝

Marfat.com

کے بندوں میں وہی اس سے ڈرتے ہیں جو عالم ہیں۔"[1]
(سورۃ ۳۵، آیت کریمہ ۲۷، ۲۸)

اسلام میں رنگ ونسل کی تمیز کے فقدان نیز دوسری قوموں کے رواجوں اور عقیدوں کے بارے میں مسلمانوں کی رواداری ان اسباب میں سے ایک ہے جس سے اسلام ان علاقوں میں تیزی سے گھر کر گیا جو بصورتِ دیگر وقت گزرنے پر اپنے فاتحین کے خلاف بغاوت کر دیتے۔

"محمد (صلعم) نے اپنا ضابطۂ اخلاق ان لوگوں میں قائم کیا جن کے قبائلی مذہب اور مسلک مقامی طور پر محدود اور قبل تہذیب کے تھے۔ یہ حیرت خیز سُرعت سے پھیل گیا اور اس نے جذب وکشش کی بے پناہ قوت کا مظاہرہ کیا۔ نہایت مختلف نسلوں ــــ سفید، زرد اور سیاہ رنگتوں اور نہایت مختلف عقیدوں اور ضابطوں کے لوگ اس کے سامنے ہتھیار ڈال کر رہ گئے اور اس کی آغوش نے ان کا خیر مقدم کیا۔ اس نے نسلی تعصّبات اور قومی جذبات ہلاک کر کے سب لوگوں کو بلاچون وچرا قبول کیا۔ اس نے ذات پات کا قلع قمع کیا، رنگ کی

---

[1] آیاتِ کریمہ یہ ہیں: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ۭ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ۝ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ۭ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰۗؤُا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ۝

Marfat.com

تیز نظر انداز کی اور وہ تمام دیواریں گرا دیں جو آدمی کو آدمی سے الگ کرتی تھیں۔ عرب آزادی سے حبشیوں اور زرد رُو اقوام، اہلِ ملایا، منگولوں اور تاتاریوں سے گھل مل گئے۔ یہ درست ہے کہ نہایت تیز رفتار سے اسلام کی اشاعت جزوی طور پر اس کے دستور کی سادگی اور پابندیوں کی بجائے نسبتاً سادہ نوعیت کے طفیل تھی۔ انہی وجوہ سے یہ موثر طور پر سب کو بھایا۔ اس کا ضابطہ اتنا اونچا نہ تھا کہ آدمی کی اس تک رسائی ہی نہ ہو اور اس کی پابندیاں اتنی دُور از کار اور غیر حقیقی نہ تھیں کہ عام نوعِ انسانی کو موثر اپیل نہ کر سکیں۔ سب سے بڑھ کر اس کی کامیابی کا سبب یہ تھا کہ اس نے تمام نومسلموں کو ایک حقیقی مساوات سے نوازا۔ خدا کی نظر میں سب برابر تھے اور ہر قسم کی ذہانتوں کے لیے معاش کے راستے کھلے تھے۔ اس طریقے سے مختلف نسل اور کلچر کے متنوع عناصر کے تعلقات کی کثرت اور انسانوں کے اجتماعِ عظیم کی آمد و رفت کے نتیجے میں انسانی پیداوار کی تحریک و ترغیب ملنے میں ناکامی نہیں ہو سکتی تھی۔ اسلامی نظام کے اس سرعت سے پھیلنے سے ایسی تہذیب اُبھری جس کی ترقی کی رفتار اور جس کے کارناموں کا گرانقدر تنوع ـــــ دونوں ہی حیرت خیز تھے۔"

ڈاکٹر ڈیلا نے اپنی معروف تالیف OUR PERFECTING WORLD میں لکھا ہے ـــــ

"مذاہبِ عالم میں تنہا اسلام رنگ و نسل کی تمیز سے مبرا رہا ہے ـــــ یہ فراخدلی سے اسلام قبول کرنے والوں کا خیر مقدم کرتا ہے خواہ

Marfat.com

وہ نیگرو ہوں یا پاریا[1]۔ کسی قسم کی رکاوٹ یا امتیاز کے بغیر جس طرح یہ انہیں داخلِ مذہب کرتا ہے اسی طرح اپنے معاشرتی حلقے میں انہیں قبول کرتا ہے اور انہیں حقوق و مراعات دیتا ہے۔ رنگ و نسل کی ساری دیواریں گرا دیتا ہے اور کامل معاشرتی مساوات کی بنیاد پر انہیں ملت میں شریک کرتا ہے۔"

مسلمان دوسرے رنگوں کے لوگوں میں شادی بیاہ کرنے میں جس طور آزادی محسوس کرتے ہیں اس پر تبصرہ کرتے ہوئے سر ولفریڈ بلنٹ نے دلکش پیرائے میں اظہار کیا ہے۔ موصوف کی کتاب "اسلام کا مستقبل" سے یہ ماخوذ ہے ——

"اسلام کے پاس اولادِ آدم کو دینے کے لیے اتنا کچھ ہے کہ ان کا دل جیتے بغیر نہیں رہ سکتا —— یہ اس سے زیادہ ہے جو عیسائیت یا یورپ کی ترقی سے کسی صورت مل سکتا ہے۔ عیسائی مبلغ افریقہ میں دھیرے دھیرے اپنا راستہ بناتا ہے۔ اس کے پاس اگلی دنیا کے سوا افریقہ کے کالوں کو پیش کرنے کے لیے سچی اخوت نہیں۔ وہ حال کے بارے میں کوئی تاثر نہیں دیتا اور جسے عیسائی بنانے چلا ہو اس کے وقار کا احساس نہیں رکھتا۔ کون عیسائی مبلغ کسی نیگرو عورت کو بیوی بنانے پر تیار ہوگا یا کسی نیگرو مرد کے ساتھ کامل مساوی حیثیت سے بیٹھے گا لیکن مراکش کا مسلمان مبلغ مختلف بنیاد پر کھڑا ہوتا ہے۔ وہ نیگرو سے کہتا ہے

---

[1] تامل زبان میں اسے پارایان کہتے ہیں جس کے معنی ڈھول بجانے والا ہے۔ یہ لوگ جنوبی ہند اور برما کی نیچی ذات کے لوگ ہیں۔ ہندوستان میں اونچی ذات کے ہندوؤں اور کشتریوں نے ان لوگوں کو پامال کیا اور معاشرے میں کمتر درجہ دے کر اچھوت بنا دیا (مترجم)

Marfat.com

آؤ اور میرے ساتھ بیٹھو! اپنی لڑکی مجھے دو، میری لڑکی تم لے لو! وہ تمام لوگ جو اسلام کے اصول کا اعلان کرتے ہیں اس دنیا اور آخرت میں ایک دوسرے کے برابر ہیں۔ غلام تک اسلام قبول کرتے ہی وقار حاصل کرلیتا ہے۔ وہ دن دور نہیں کہ وسطی افریقہ کو اسلام کا ورثہ شمار کرنا پڑے گا۔"

افریقہ کا ایک نامور برطانوی ناظم سرایلن برنز آپس کے شادی بیاہ کے بارے میں قریب قریب ایسی ہی بات کہتا ہے ——

"رنگ و نسل کی عصبیت پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے یوں اپنی شہادت پیش کرتا ہے —— "بیان کیا گیا ہے کہ امتیاز اور اختصاص کے سلسلے میں اسلام کا ریکارڈ عیسائیت سے بہتر ہے۔ اسلام نے نسلی تعصبات اور قومی جذبات کا قلع قمع کیا، ذات پات کی تمیز ختم کی، رنگ و بو کو نظر انداز کیا اور ہر وہ رکاوٹ دور کی جو آدمی کو آدمی سے الگ کرتی تھی۔ اہم تر بات یہ ہے کہ مختلف نسلوں اور قوموں کے مردوں اور ان کی عورتوں کے درمیان جو دیواریں حائل تھیں وہ ڈھا دیں فاتح مسلمان تمام قوموں کی عورتوں سے شادی بیاہ کرتے اور اپنی لڑکیاں کالے مسلمانوں کو دیتے۔"

ایک عیسائی مشنری ڈبلیو ولسن کیش اپنی کتاب .THE EXPANSION OF ISLAM میں سر ولفریڈ بلنٹ کے ریمارکس کی توثیق کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے: "اسلام اپنے لوگوں کو ایسا وقار دیتا ہے جو اسی سے مخصوص ہے۔ اسلام کی ایک زبردست دلکشی براہِ راست خدا تک رسائی پانا ہے —— برتری کا پورا پورا احساس رکھنے

Marfat.com

ہوئے بھی نسلی تمیز کا منکر نہیں "

روحانی اور نسلی مساوات کا یہ عقیدہ صحیح طور پر افریقی نیگرو کے لیے جو معنی رکھتا ہے اسے ایک نامور عقلیت پرست وِن وُڈ ریڈ نے اپنی کتاب THE MARTYRDOM OF MAN میں بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ پہلے وہ اسلام قبول کرنے سے قبل افریقہ کے دیہاتیوں کی کس مپرسی کا مفصل طور پر حال لکھتا ہے اور اس کے بعد انقلابِ عظیم کا تذکرہ کرتا ہے جو رونما ہو چکا ہے ـــــ

" اب ہم قیاس کریں گے کہ ایک سو سال گزر چکے ہیں اور دوبارہ اس گاؤں کو دیکھیں۔ یہ گاؤں اور گرد و پیش کا تمام علاقہ بدل چکا ہے۔ جنگل غائب ہے اور اس کی جگہ دھان کی چمکدار بالوں، بھٹوں والی لانبی مکا (مکئی)، باجرہ اور جوار کی پکی ہوئی فصلوں کے کھیت بھرے پڑے ہیں۔ بڑے بڑے کھیتوں میں تمباکو کے زرد پھول کھلے ہیں۔ کپاس کی بڑی بڑی جھاڑیاں ہیں اور پھٹے ہوئے پتوں میں سے سفید اُون جھلک رہا ہے ہمارے سامنے ایک بڑا شہر ہے جس کے اطراف میں مینار ہیں۔ اس کے بھاری بھاری پھاٹک ہیں۔ دن طلوع ہوتا ہے۔ عورتیں روئی کا نیلا لباس زیبِ تن کیے اور سر پر اس کی ٹوپی ڈالے ندی پر آتی ہیں۔ مرد گھوڑوں پر سوار نکلتے ہیں۔ ان کے دائیں طرف تلواریں لٹک رہی ہیں اور لال پٹکے باندھے ہوئے ہیں۔ یہ براہِ راست جانگلیوں کی اولاد ہیں۔ ان کے چہرے ہو بہو نیگرو کے ہیں لیکن تاثر وہ نہیں۔ ان کے آداب سنجیدہ اور پُروقار ہیں۔ عربی میں " السلام علیکم " کہہ کر ایک دوسرے کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ مسجد ہی ایوانِ قانون سازی یا ٹاؤن ہال کا کام دیتی ہے۔ یہاں جو پارلیمانی بحثیں ہوتی ہیں اور مقدمات کی جو سماعت ہوتی ہے اس میں وہی وقار پایا

Marfat.com

جاتا ہے جو عبادت میں ہوتا ہے ___ اگرچہ گاؤں چنداں نظر افروز نہیں تاہم ان کے باسی زیادہ مسرور ہیں اور بہتر حالت میں ہے۔ مالی معاوضہ لے کر تشدد آمیز اور بد دیانتی کے جرائم کا ارتکاب نہیں ہوتا۔ اب شوہر دوستوں کو پھانسنے کے لیے ان کے گلے میں اپنی بیوی کا پھندا نہیں ڈالتے زناکاری جرم ہے۔ لوگ جوئے کی میز پر اپنے عزیزوں کو ہار سکتے ہیں نہ اپنے جسم داؤ پر لگا سکتے ہیں۔ شراب کے نشے میں برائی اور جرم پر آمادہ نہیں ہوتے۔ عورتیں گلے کی شکل میں کسی بڑے سردار سے بیاہی جاتی ہیں اور نہ ان سے باربردار جانوروں اور غلاموں جیسا سلوک کیا جاتا ہے۔ بیوی از روائے قانون شوہر کی محبت میں برابر کی شریک ہے۔ اس امر کی اجازت نہیں کہ نوجوان بیوی کی خاطر بوڑھی بیوی کو چھوڑ دیا یا ذلیل کیا جائے ہر ایک کو عربی میں لکھنا پڑھنا سکھایا جاتا ہے۔ یہاں ایک قابل ذکر تبدیلی رونما ہوئی ہے اور تاریخ میں جگہ پانے کے لائق ہے۔ مسلمانوں نے یورپ کے برابر نیگرونگر، بنا دیا ہے۔ یہ دیس صرف بحیرۂ روم اور نیل تک ہی محدود نہیں، یہ صحرائے اعظم کے نخلستانوں اور براعظم کے اس حصے میں بھی ہے جسے ہم دریائے نائیجر[1] کا پلیٹ فارم کہتے ہیں۔"

ای ڈبلیو۔ بلائیڈن نے سیدھے سادے الفاظ میں اس انقلاب کا سبب یہ بتاتا ہے ___ "بلاشبہ افریقہ میں اسلام نے اس لیے ترقی کی ہے کہ اس میں نیگرو

---

[1] دریائے نائیجر مغربی افریقہ کا دو ہزار میل طویل دریا ہے۔ سیرالیون کی سرحد کے پاس سے نکلتا ہے۔ شمال مشرق میں بہتا ہوا جنوب مغرب کو ہو لیتا اور نائیجیریا میں جا کر خلیج گنی میں گرتا ہے (مترجم)

Marfat.com

کے خلاف جذبۂ نفرت نہیں پایا جاتا۔ یہ حقیقت ہے کہ اسلام نے نیگرو کو کبھی کمتر نہیں سمجھا جیسا کہ بد قسمتی سے عیسائیت کے معاملے میں اکثر ہوا ہے۔"

اپنی کتاب" اسلام — افریقہ میں" آر۔ بوسورتھ اسمتھ کہتا ہے — "یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ اسلام نومسلم نیگرو کو قوت، وقار اور خود اعتمادی کا جذبہ عطا کرتا ہے۔ یہ بات ان کے بے دین یا عیسائی ہم وطنوں میں شاذ ہی ملے گی۔"

ڈی۔ جی۔ ہوگرتھ اپنی کتاب THE PENETRATION OF ARABIA (نیویارک ۱۹۰۷ء) میں دوسرے ملکوں اور رنگ و نسل کے لوگوں پر اسلام کے اثر کے بارے میں اسی طرح اظہارِ خیال کرتا ہے — "یہ لوگ (عرب) ابھرتے ہی ایک صدی کے اندر اندر ایسی مملکت کے فرماں روا ہو گئے جو بحرِ اوقیانوس کے ساحلوں سے چین کی فصیلوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ مملکتِ روما کے عہدِ عروج کی سلطنت سے بڑی تھی۔ اس بے نظیر توسیع کے زمانے میں مسلمانوں نے اپنے حلقے میں — مذہب اور زبان میں اتنی غیر ملکی اقوام جذب کیں کہ ان کے زمانے میں اور نہ ان سے پہلے کسی نے جذب کیں۔ یونانی، رومن، اینگلو سیکسن اور روسی بھی یہ کام نہ کر سکے۔"

فلپ حتّی کے خیال میں مسلمانوں میں حج کا جو دستور ہے اس کے کثیر فوائد میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ یہ ہر سال مختلف نسلوں اور رنگوں کے مسلمانوں کو باہم ملنے کی ضمانت دیتا ہے —

"صدیوں سے یہ دستور اسلام میں مسلسل اتحاد کی بڑی قوت کے طور پر کام کر رہا ہے۔ بھانت بھانت کے مسلمانوں میں یہ موثر ترین مشترکہ رشتہ ہے۔ یہ قریب قریب ہر صاحبِ استطاعت مسلمان کو زندگی میں ایک بار حج

Marfat.com

کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ دنیا کے چہار اطراف کی اسلامی برادری
کے اس اجتماع کے معاشرتی اثر کے بارے میں بمشکل ہی
مبالغہ آرائی کی ضرورت پڑے گی۔ یہ حبشیوں، چینیوں،
شامیوں اور عربوں کو ـــــ امیر اور غریب کو، کمتر اور برتر
کو مذہب کی مشترکہ اساس پر بھائی چارے اور باہم ملنے جُلنے
کا موقع دیتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب
میں سے اسلام کو رنگ و نسل اور قومیت کی دیواریں گرانے
میں سب سے زیادہ کامیابی حاصل ہوئی ہے۔"[1]

فلپ حِتّی نے اوپر جن قوموں کا نام گنوایا ہے ان میں اہلِ فلپائن کو شامل کیا جا سکتا ہے جو اسلام کو زندہ و پائندہ رکھنے کے لیے صدیوں کوشاں رہے اور انہی میں ملایا اور انڈونیشیا کے مسلمان بھی شامل کیے جا سکتے ہیں۔ انڈونیشیا خصوصیت سے مختلف نسلوں سے ترکیب پائے ہوئے معاشرے کی شاندار مثال پیش کرتا ہے جہاں اسلام مستقلاً پھیل رہا ہے۔

بیسویں صدی کا عظیم مورخ ٹوئن بی مسلمانوں میں نسلی شعور کے مٹ جانے کو اسلام کا غیر معمولی کارنامہ سمجھتا ہے۔ وہ لکھتا ہے ـــــ

"مسلمانوں میں نسلی شعور کا خاتمہ اسلام کے غیر معمولی کارناموں
میں سے ہے اور اس عہد کی دنیا میں یہ امر واقع
ہے کہ اس اسلامی وصف کی اشاعت کا شدید تقاضا
موجود ہے۔ اگرچہ تاریخ کے دفاتر یہ ظاہر کرتے نظر آتے

---

[1] حِتّی کی HISTORY OF THE ARABS صفحہ ۱۳۶

Marfat.com

ہیں کہ انواعِ انسانی کے مسلسل باہمی اختلاط اور پیدائش کے سلسلے میں نسلی شعور استثنائی شکل میں پایا جاتا تھا اور یہ کوئی دستور نہ تھا لیکن موجودہ صورتِ حال کے لیے مقدر ہو چکا ہے کہ نسلی شعور پیدا ہو اور بہ شدت پیدا ہو — اور وہ بھی ان لوگوں میں جنہوں نے پچھلی چار صدیوں میں متعدد جنگجو قوموں سے مقابلہ کرکے کم ازکم سردست زمین کا سب سے بڑا حصہ حاصل کر لیا ہے۔ اگرچہ بعض دوسرے پہلوؤں سے انگریزی بولنے والے لوگوں کو ماضی کے حوالے سے جانچیں تو یہ انسانیت کے لیے رحمت ثابت ہوئے ہیں لیکن نسلی شعور کے خطرناک معاملے میں اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ ان کی بدقسمتی ہے سمندر پار کی نئی دنیا میں انگریزی بولنے والی جن قوموں نے قدم جمائے ہیں مجموعی طور پر اچھی ملنسار نہیں نکلیں۔ انہوں نے اپنے غیر متمدّن پیشروؤں کو بالعموم روند ڈالا ہے اور جہاں جنوبی افریقہ کی طرح انہوں نے غیر متمدّن آبادی کو زندہ رہنے دیا ہے یا جیسا کہ شمالی امریکہ میں ہوا ہے انہوں نے دوسری جگہوں سے غیر متمدّن افرادی قوت درآمد کی ہے وہاں انہوں نے ذات پات کے ہلاکت آفریں دستور کے وہ عناصر پروان چڑھائے ہیں جو کئی صدیاں بیت جانے پر ہندوستان میں بھرپور جوبن پر آئے ہیں۔ ذات پات کے نام پر ہمیں اس دستور پر اظہارِ افسوس کرنا آگیا ہے۔

Marfat.com

مزید برآں علیحدگی پسندی ـــــ ہلاکت آفرینی اور فرقوں کو دُور دُور رکھنے کا متبادل طریق کار ہے۔ یہ ایسی پالیسی ہے جو اس فرقے کی زندگی میں داخلی اِفتراق کا خطرہ ٹال دیتی ہے جو اس پر عمل پیرا ہوتی ہے لیکن اس قیمت پر کہ یوں ملی جلی نسلوں اور الگ تھلگ رہنے والی نسلوں میں کچھ کم خطرناک بین الاقوامی کھچاؤ پیدا نہیں ہوتا۔ بالخصوص جب اس پالیسی کا اطلاق ان پردیسی قوموں کے نمائندوں پر ہوتا ہے جو غیر متمدّن نہیں بلکہ ہندوؤں، چینیوں اور جاپانیوں کی طرح متمدّن ہوں۔ حالات تو ایسے ہیں کہ انہی کا ستارہ عروج پر ہے جو نسلی منافرت کے دعویدار ہیں۔ اگر رنگ و نسل کے باب میں ان کا رجحان غلبہ پا گیا تو یہ عملاً عالمگیر تباہی کا موجب ہو گا تاہم معاشرتی رواداری کی قوتیں جو سردست روحانی جدوجہد میں ہار جانے والی لڑائی لڑ رہے ہیں، بنی نوع آدم کے لیے زبردست اہمیت رکھتی ہیں ـــــ اور اگر کوئی ایسا اثر بھی بروئے کار آ جائے جو نسلی شعور سے نبرد آزما ہو اور اب تک محفوظ پڑا ہو ـــــ اسے ترازو کے پلڑے میں ڈال دیا جائے تو شاید یہ قوتیں دوبارہ غالب آ جائیں ـــــ یہ امر قابلِ فہم ہے کہ اسلام کی روح بر وقت کمک پہنچائے جس سے رواداری اور امن کے حق میں فیصلہ ہو۔"

سرسی۔ آر۔ ریڈی (پی۔ ایچ۔ ڈی)، کو پولیٹیکل سائنس اور فلسفے میں مستند سمجھتے

Marfat.com

ہیں۔ موصوف نے ۱۹۴۳ء میں "ٹوینٹیتھ سنچری میگزین کے مئی کے شمارے میں لکھا ہے ___

"نسلی مساوات کا مدت مدید کا مسئلہ اسلام کے سوا کسی مذہبی یا اخلاقی نظام سے حل نہیں ہوا۔ صرف مسلمانوں ہی میں ہم یہ بات پاتے ہیں کہ تمام مومن خواہ وہ کسی نسل یا رنگ کے ہوں مل جل کر کھانے پینے اور شادی بیاہ کے معاملے میں کامل مساوات سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ تمام دوسرے سیاسی ضابطوں اور مذاہب میں رنگ و نسل کی چٹان پر ذلیل، اخلاق اور روحانیت کے مثالی نظریات پاش پاش کیے گئے"

رنگ و نسل کی نسبت اسلامی رجحان کا مختصر جائزہ ختم کرتے ہوئے ہم اسلام کے ابتدائی ایام سے رجوع کریں اور ان سیدھے سادے اور راستبازی کے واقعات میں سے ایک کو لیں جو اسلامی تعلیمات ہمارے ذہنوں میں واضح کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ یہ کہانی ایک حبشی عورت کے لڑکے سے تعلق رکھتی ہے جو جلیل القدر خلیفہ ہارون الرشید کا نصف بھائی تھا۔ ۸۱۹ء میں ابراہیم نامی حبشی لڑکا بغداد میں خلیفہ بن بیٹھا لیکن اس کے بھتیجے المامون نے اُسے معاف کر دیا۔

ابراہیم نے خلیفہ سے جو ملاقات کی اس کا حال بدیں الفاظ بیان کیا ___

"معافی ملنے کے بعد میں المامون سے ملا تو اس نے مجھ سے کہا ___ کیا تمہیں حبشی خلیفہ ہو؟ ___ اس پر میں نے کہا، "امیر المومنین! میں ہی وہ ہوں جسے آپ نے معاف کر دیا ہے۔ برن حشش کے

Marfat.com

غلاموں نے کہا ہے: "جب لوگ شیخی بگھاریں تو حسحس کے قبیلے کا غلام پیدائش اور قسمت کی خرابی کو اپنے اشعار سے دور کرلے گا۔ میں غلام سہی لیکن ارفع فطرت کی بدولت میری روح آزاد ہے۔ میرا تن کالا ہے لیکن میرا دماغ خوبصورت ہے۔"

المامون نے جواباً کہا: "چچا! میرے ذرا سے مذاق نے آپ پر سنجیدگی کی کیفیت طاری کر دی ہے۔ پھر یہ اشعار پڑھے، کالی کھلڑی ذہانت وفطانت کی تذلیل کرتی ہے نہ عالم اور دانشور کی قدر و منزلت گھٹاتی ہے۔ تاریکی تمہارے تن کی سیاہی کا دعویٰ کرے۔ میں تمہاری خوبصورت اور تابدار روح کا دعویدار ہوں۔" یہی الفاظ ـــــ "تاریکی تمہارے تن کی سیاہی کا دعویٰ کرے، میں تمہاری حسین اور تابدار روح کا دعویدار ہوں۔" اس باب کے خاتمے کے لیے موزوں ہیں جو اسلام میں رنگ ونسل کے کامل فقدان سے متعلق ہے۔

Marfat.com

# اسلام اور جمہوریت

لفظ "ڈیموکریسی" (جمہوریت) یونانی لفظ "ڈیموس" سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں "لوگ" (جمہور)۔ چیمبرز ٹونٹیتھ سنچری ڈکشنری میں اس کی تعریف یوں کی گئی ہے —— "ایسی طرزِ حکومت جس میں اقتدارِ اعلیٰ اجتماعی طور پر لوگوں کے پاس رہے جسے وہ خود یا اپنے مقرر کیے ہوئے حکام کے ذریعے استعمال کریں۔" اس کا یہ مطلب ہے کہ جمہوری ریاست میں تمام بالغ آدمی جو ذہنی طور پر صحت مند ہوں حکومت کے معاملات پر اظہارِ رائے کا مساوی حق رکھتے ہیں اور جب لوگوں کے لیے براہِ راست حکومت قائم کرنا گنتی کے اعتبار سے ناممکن ہو تو اپنی جانب سے بولنے کے لیے اپنے نمائندے چن لیں۔

بہرصورت جمہوریت کی بنیاد لوگوں کی مساوات کے نظریے پر رکھی جائے حقوقِ انسانی کے اس حصے میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ اسلام ان اصول کی نگہداشت کتنے پرجوش انداز سے کرتا ہے۔ ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ ابتدائی ایام ہی سے

کس قدر منصفانہ طریقے سے ذمیوں اور مہاجروں سے سلوک کیا گیا۔

کس طرح عورتوں کے حقوق کی حفاظت کی گئی اور

کس طور اسلام نے غلامی کی بیخ کنی کی ترغیب دلائی۔

اور ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ قرآن مجید نے مسلسل ایک حقیقت پر زور دیا

Marfat.com

ـــــ کہ اللہ کی نگاہ میں سب آدمی مساوی پیدا ہوئے ہیں۔ ان عناصر کی موجودگی میں جمہوریت کے سوا کسی دوسری قسم کی حکومت معرض وجود میں آسکتی ہے؟ فی الحقیقت اسلام ہی پہلا مذہب ہے جس نے جمہوریت کی تبلیغ کی اور اس پر عمل کیا۔ پروفیسر بریفالٹ نے لکھا ہے ــــ تمام انسانوں کی آزادی، انسانی اخوت، قانون کی نظر میں سب آدمیوں کے مساوی ہونے، مشورے اور سب کے حق رائے دہی کے مثالی تصورات ہی نے انقلاب فرانس اور ڈیکلریشن آف رائٹس کو ہوا دی، امریکی آئین بنانے میں رہبری کی اور لاطینی امریکہ کے ملکوں میں آزادی کی جدوجہد کو بھڑکایا ــــ لیکن یہ مثالی تصورات مغرب کی ایجاد نہ تھے، ان کا مہیج و محرک اور سرچشمہ قرآن ہے۔ یہ ازمنۂ وسطیٰ کے دانشوروں کی اس عقل و خرد کا لبِ لباب ہے جو انہوں نے کئی صدیوں میں مختلف راہوں سے ــــ اسلامی اندلس، صقلیہ (سسلی)، اور صلیبی سپاہیوں نیز ان مختلف انجمنوں سے حاصل کی جو یورپ میں صلیبی جنگوں کے دوران میں اسلامی اخوت کے تعلقات کی نقالی میں پروان چڑھیں بہت اغلب ہے کہ عربوں کے بغیر نئے یورپ کی تہذیب کبھی رونما نہ ہوتی اور وہ کردار اختیار نہ کرتی جس کے باعث یہ ارتقاء کے تمام گزشتہ مرحلوں سے بالاتر ہو سکی[1]۔

ایک اور یورپی پروفیسر، ایل ہنگری ڈاکٹر جرمینس اس بات پر مُصر ہے کہ جدید جمہوریت نے اب تک جو کچھ حاصل کیا ہے اسلام کے بنیادی اصول اس پر کہیں زیادہ فائق ہیں۔ ڈاکٹر جرمینس نے لکھا ہے "مذہب کے طور پر اور معاشرتی ڈھانچے کی صورت میں اسلام کی تشکیل سچے جمہوری اُصول پر ہوئی ہے قرآن میں لوگوں

---

[1] THE MAKING OF HUMANITY صفحات ۱۹۰ تا ۱۹۲

Marfat.com

سے خطاب کیا گیا ہے اور لوگوں ہی کے مفاد اور انہی کی نجات کی خاطر عبادات اور عقائد کے سلسلے میں مومنوں پر احکام نافذ کیے گئے ہیں۔ پیدائش یا مخصوص لگن کی بنا پر ایسا کوئی ممتاز گروہ نہیں جو پامال انسانوں اور ڈرے سہمے ہوئے عوام پر حکومت کا مجاز ہو بلکہ ہر فرد ——— مرد اور عورت عبادت، فرض اور حق کے معاملے میں براہ راست خدا کے حضور میں کھڑا ہوتا ہے۔ مومن دل سے نماز ادا کرتا ہے اور اگر وہ باجماعت نماز پڑھے تو امام ایسا شخص ہوتا ہے جو سب سے بڑھ کر عالم ہونے کے باعث سب سے زیادہ محترم ہوتا ہے۔ جدید جمہوریت ابھی پوری طرح اسلام کے بنیادی اصول تک نہیں پہنچی"۔

مندرجہ بالا پیراگراف میں ڈاکٹر جرمینس نے اسلامی جمہوریت اور مغربی جمہوریت کے بنیادی فرق پر انگشت نمائی کی ہے۔ مغربی جمہوریت میں مذہبی عنصر مفقود ہے۔ امریکی بڑے طمطراق سے "حکومتِ عوام، از عوام اور برائے عوام" کا ذکر کرتے ہیں لیکن اسلام میں جمہوریت جو شکل اختیار کرتی ہے وہ حکومتِ الٰہیہ ہے جسے اس کی مخلوق اپنے مفاد کے لیے احکامِ الٰہی کی رو سے بروئے کار لاتی ہے۔ اسلام میں اقتدارِ اعلیٰ ہمیشہ بالانجام لوگوں میں نہیں، اللہ میں رہتا ہے۔

## اسلام اور پروہتی راج ——— پریسٹ ہڈ[1]

مذہبی اجارہ داری ——— PRIESTHOOD

---

[1] پریسٹ ہڈ عیسائیوں، ہندوؤں اور بعض دوسری قوموں میں مروّج ہے۔ ہندوؤں میں برہمن اور عیسائیوں میں پادری پیشہ ور گروہ کی صورت میں مقتدر اور مذہب کے اجارہ دار ہیں۔ مذہبی تعلیمات، عبادات اور رسومات کے ذمہ دار ہیں۔ ان کے تعاون اور ان

Marfat.com

اسلامی جمہوریت ہرگز ہرگز تھیوکریسی نہیں[1] چونکہ اسلام پروہتی نظام کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا اس لیے تھیوکریسی (پروہتی راج) مسلمانوں کے معاشرے میں پروان نہیں چڑھ سکتی۔ ایک بار پھر پروفیسر جرمینس کا حوالہ دیا جاتا ہے ——

"اسلام کبھی مرکزی کلیسا (مذہبی ادارے) یا پیشہ ور پادری کی زنجیروں میں نہیں جکڑا گیا۔ اسلام کسی حکمران فرقے کو نہیں مانتا۔ زمین پر اللہ کی جانشینی کے کسی مطلق العنان دعویدار کو گوارا نہیں کرتا —— اقتدار صرف لوگوں میں، امت میں، پوری روحانی ملت میں ہوتا ہے۔"

وہ اخلاقی اصول جو فی نفسہٖ اسلام میں پایا جاتا ہے اس طرزِ عمل کو عیاں کرتا ہے جس سے ہر مسلمان کی روزمرہ کی زندگی الہام کے تانوں بانوں سے پوری طرح گتھی ہوئی ہے۔ مغرب میں اقتصادی دائرے کے اندر یورپی معاشرے کو جنم دینے کی کوشش میں جمہوریت معرضِ وجود میں آئی لیکن اسلام میں جمہوریت کا تصوّر کسی

---

کی رہنمائی اور سرپرستی کے بغیر کوئی شخص مذہبی زندگی اختیار نہیں کر سکتا۔ خلاف ازیں اسلام میں ہر شخص اپنے اعمال کا مختار ہے۔ ہر مسلمان ذاتی اور انفرادی طور پر بلا شرکتِ غیرے اللہ کے سامنے جوابدہ ہے۔ اس لیے ہر سچے مسلمان کے لیے مذہب سے کما حقہٗ آگاہ ہونا، مذہبی اعتبار سے خودکفیل ہونا، اپنی سوجھ بوجھ سے اپنے اعمال سنوارنا اور اپنا کردار سدھارنا ضروری ہے۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ حشر کے دن کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا ہر آدمی تنہا ہوگا۔ اور صرف اس کے نیک اعمال اس کے آڑے آئیں گے۔ (مترجم)

[1] ایسی حکومت جس کو پروہت پادری ایسے خدائی نمائندے تشکیل دیں اور اسے چلائیں (مترجم)

Marfat.com

طلب یا طوائف الملوکی کے ڈر سے پیدا نہیں ہوا ـــــ یہ اقتصادی مواقع کی توسیع کے طور پر بھی ذہن میں نہیں آیا بلکہ یہ تو شدید روحانی عقیدے کا قدرتی اور مادی رنگ میں اظہار تھا۔ ایک طرف تو یہ لادینی اسلوب میں روحانی توحید کی ترجمانی کی کوشش تھی اور دوسری طرف اسی کے ساتھ لادینی حکومت کو بھی اسلام کے موروثی مثالی تصورات سے علیحدہ نہیں کیا گیا ۔ یہ ایسی حکومت ہے جو آدمی کی روحانی مساوات کی بنیاد پر قائم ہے ـــــ سیاسی تھیوری کی تاریخ میں یہ اشتراکِ عمل کی بے نظیر مثال تھی، اسلامی جمہوری حکومت آدمی کو تمام دوسری زیادہ انتہاپسندانہ اور تشدد انگیز حکومتوں سے محفوظ رکھتی ہے۔

## اِنفرادی ذمہ داری اسلام میں فی نفسہٖ موجود ہے

چھ برس کی عمر کے بعد مسلمان جان لیتا ہے کہ وہ اپنے نیک و بد اعمال کا براہِ راست ذمہ دار ہے اور اس کی نجات اس کے اپنے ہاتھوں میں ہے۔ روحانی اور دنیاوی اُمور میں اس کی رہنمائی کے لیے قرآنِ مجید، شریعت اور حدیث موجود ہے لیکن رہبری پانے کی ذمہ داری ہمیشہ اس پر رہے گی۔ اللہ اور مسلمان کے درمیان کوئی پروہتی نظام (پریسٹ ہڈ) حائل نہیں۔ وہ خود براہِ راست، ذاتی طور پر، آزادی سے خدا سے رابطہ قائم کرتا ہے[1] اسلام اس ذاتی ذمہ داری کو ایسا

---

[1] مسلمانوں نے عہدِ زوال اور دورِ غلامی میں پیری مریدی کا جو سلسلہ استوار کیا اور جس سے خالق و مخلوق کے درمیان ایک نیا واسطہ کھڑا ہو گیا وہ پریسٹ ہڈ ہی کی ایک شکل ہے، توہمات، بھوت پریت کے تصورات، سِفلیات، تسخیرِ جنات، گنڈے تعویذ، دم جھاڑ پھونک سب اسی پیشہ ورانہ نظام کی ایجادات ہیں۔ اس طرح آدمی نے خدا کا مضبوط

لازمی وصف سمجھتا ہے جو آدمی کو اللہ کی دوسری مخلوقات سے ممیز کرتا ہے اور قرآن ہر دم مسلمانوں پر زور دیتا ہے کہ وہ بھرپور انداز سے اپنی فطرتی صلاحیتوں کو ترقی دیں اور احساسِ ذمّہ داری بدرجہ اتم پیدا کریں۔ ایک عربی مقولہ ہے ــــــ "جس نے اپنی ذات کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا[۱]" اور بروئے اسلام ہر وہ شے جو حقیقی مقصد کے لیے شخصیت کے پنپنے میں مدد دے وہ نیک ہے اور قابلِ حصُول۔

دوسری طرف اسلام خود پرستی کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔ بس جو بنی نوع انسان کے لیے بھی مفید ہے وہ ترقی کی کاوش کے لائق ہے۔ نری خود غرضی بدی ہے اور اس سے احتراز کرنا چاہیے ــــــ "رہنما وہی ہے جو بنی نوعِ انساں کے لیے کارآمد ہو" (القرآن۔ سورۃ ۱۳، آیت کریمہ ۱۷) اور پھر ارشاد ہوا ہے ــــــ جب تک تم دوسروں کی بھلائی پر وہ خرچ نہیں کرتے جو تم رکھنا پسند کرتے ہو تب تک تم راست بازی اختیار نہیں کر سکتے۔" نیز "تمہارا ہمسایہ تم پر حق رکھتا ہے۔"

"کسی لحظہ، کسی صورت بھی ایک نیک مسلمان خود کو اسلامی برادری سے الگ تھلگ ہونے کا نہ سوچے۔"

## اسلام میں اجتماعی ذمّہ داری

---

قابلِ اعتماد سہارا چھوڑ کر کمزور اور مفاد پرست سہارے ڈھونڈ لیے اور یوں کوئی بھی اس کا نہ رہا۔ خدا کی ذات پر بھروسہ نہ رہا تو اسے اپنی ذات پر بھی بھروسہ نہ رہا اور یوں وہ ڈانوا ڈول ہو گیا۔ اپنا ایمان کمزور کر بیٹھا (مترجم)

[۱] مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ

Marfat.com

شروع ہی سے مسلمان بنیادی طور پر خود کو ایک ملت، ایک روحانی کنبے کا رکن جانتا ہے۔ یہاں پھر ہمیں ایک حدیث ملتی ہے جو یوں ہے ــــــ

"تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور تمام میں اللہ کو سب سے پیارا وہ ہے جو سب سے زیادہ اپنے کنبے کا بھلا کرتا ہے۔"

ہم یہاں دیکھتے ہیں کہ پہلے انفرادی ذمہ داری کا احساس پیدا کرنے سے اسلام کے لیے اجتماعی ذمہ داری کے شعور کی سمت بڑھنا کس قدر فوراً ممکن ہوا۔ جیسا کہ انیسویں صدی کے عظیم سیاست دان چارلس سمر نے کہا ــــــ "کسی قوم کی عظمت ان اوصاف میں پائی جاتی ہے جن سے کسی فرد کی عظمت تشکیل پائے۔"

اسلام میں ہر مسلمان اللہ کے سامنے جوابدہ ہے اور اسی جوابدہی کے باعث ہر مسلمان کے سامنے جوابدہ ہے۔ انفرادی حقوق کے ساتھ بطورِ فرد اپنی ذات کی شناخت ایک دم اس امر کی رہبری کرتی ہے کہ ملت میں کس انداز سے رہے۔ یہی اس کے حقوق و فرائض کو ضائع جانے سے بچاتی ہے۔ آزاد حکومت کی ساری بنیاد ذمہ داری کے اس شعور پر قائم ہے جو اپنی ذات، ملت اور اللہ کے بارے میں ہو۔

"یہ تو ممکن ہے کہ بعض اوقات ملت کے تقاضے فرد کے ذاتی تقاضوں پر غالب آ جائیں لیکن یہ کبھی قابلِ فہم نہیں کہ ملت کی قوت منشائے الٰہی پر غلبہ پا سکے گی۔"

مثالی صورت میں اسلام کے تحت جماعتی سیاست کی گنجائش نہیں کیونکہ ملت کے تقاضوں کو ہمیشہ مختلف فرقوں کے شور و شغب پر غالب رہنا چاہیے۔ اس سلسلے میں قرآنِ مجید کا نکتہ واضح ہے ــــ

Marfat.com

"لیکن بنی نوعِ آدم نے اصول توڑ کر اپنے تئیں ٹکڑے ٹکڑے کر لیا ہے اور ہر جماعت اسی پر خوش ہے جو اس کے پاس ہے۔ پس انہیں کچھ دیر کے لیے چھوڑ دو[1]" (سورۃ ۲۳، آیات کریمہ ۵۳، ۵۴)

دوسری طرف اشتراکی راج ایسا نظام بھی اسلام میں ناممکن ہے[2]۔ اسلام ہرگز ایسی صورت گوارا نہیں کر سکتا جس میں فرد اپنی علیحدہ حیثیت گنوا بیٹھے اور اپنے آپ کو اجتماعی معاشرے کے انبوہ میں غرق کر دے۔"

اسلام تعلیم یافتہ اور دانشمند معاشرے کا تصور پیش کرتا ہے جو تبلیغ و ترغیب اور تشدد کے بغیر اس امر کے لیے آزادی سے رائے دے جسے وہ اخلاقی طور پر صحیح اور جائز سمجھے۔ ایسا نظام کسی شکل میں مطلق العنانی حکومت برداشت نہیں کر سکتا۔

## اسلام اور مطلق العنانی

اگرچہ ایسے مطلق العنان حکمران ہو گزرے ہیں جنہوں نے اسلام کے نام پر حکومت کی ہے لیکن ان کی حکومت اسلام کے تمام بنیادی اصول کے منافی ہے اور انہوں نے ان کی تذلیل کی ہے۔ اسلام "بادشاہوں کے خداداد حق"[3] ایسے اصول کا معترف نہیں۔ کوئی رہنما اپنے لیے مذہب سے بالاتر اختیارات کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ کوئی مسلمان فرماں روا خود کو قانون سے فائق نہیں سمجھ سکتا۔

---

[1] فَتَقَطَّعُوٓا۟ أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۖ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ۝ فَذَرْهُمْ فِى غَمْرَتِهِمْ حَتَّىٰ حِينٍ ۝ [2] پون صدی سے قبل ہی روس اور دیگر اشتراکی ممالک میں اشتراکیت دم توڑ گئی ہے۔ اور جمہوریت اور نجی املاک کا حق تسلیم کیا جا رہا ہے (مترجم)

[3] DIVINE RIGHT OF KING SHIP

Marfat.com

خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ ہمیشہ لوگوں پر یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ وہ ان سے زیادہ صاحب اختیار نہیں ہیں اس عورت کی بکریوں کا دودھ دہتے رہے جس کا خیال تھا کہ خلافت کے لیے منتخب ہونے کے بعد شاید وہ اپنے آپ کو ایسے معمولی کاموں سے بالاتر جانیں۔

خلافت کے فوراً بعد حضرت ابوبکرؓ نے اپنے تاریخی خطبے میں کہا ــــ

"اگرچہ میں تم سے بہتر نہیں تاہم اب میں تمہارا خلیفہ منتخب کر لیا گیا ہوں۔ راستی پر چلوں تو میرا ساتھ دو، گمراہ ہو جاؤں تو مجھے سیدھی راہ پر لے آؤ۔ سچ امانت ہے۔ جھوٹ غداری ہے۔ تم میں سے جو کمزور ہوگا وہ میرے ساتھ توانا ہو جائے گا تاآنکہ اسے اس کا حق مل جائے گا اور تم میں سے جو توانا ہوگا وہ میرے ساتھ کمزور ہو جائے گا تاآنکہ اس سے وہ لے لیا جائے گا جو اس پر واجب ہوگا۔ جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرو! جب میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تم میری نافرمانی کرو!"

حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت سے اس اسلامی نظریے کی کئی مثالیں ملتی ہیں کہ حاکم لوگوں کا خادم ہوتا ہے۔ اسی باب میں ایک مقام پر آچکا ہے کہ کس طرح انہوں نے اس قاضی کو ڈانٹ دیا جس نے اپنی نشست خلیفہ کے لیے خالی کرنا چاہی ــــ قاضی خانے میں سامعین کے رُوبرو اس امر کا مظاہرہ کیا کہ وہ کبھی اپنے حاکم کو قانون سے بالاتر نہ سمجھیں۔

حضرت عمرؓ نے بڑی خوبصورتی سے اسلامی جمہوریت کا نظریہ اور اس کے خط و خال یوں بیان کیے ہیں ــــ

"عوام یا ان کے نمائندہ سے مشورہ لیے بغیر کوئی شخص

Marfat.com

خلیفہ ہو ہی نہیں سکتا۔"
حضرت عمرؓ نے ہمیشہ اپنے آپ کو عوام کا رہنما سمجھا لیکن کبھی حکمران نہ سمجھا اور آمر تو کسی طور بھی نہیں۔ خلیفہ بننے پر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا۔

"میں عرب کا مقابلہ اس اونٹ سے کرتا ہوں جسے اپنے ساربان کے حکم پر چلنے کا عمدہ شعور حاصل ہے۔ ساربان کا فرض یہ دیکھنا ہے کہ وہ سیدھے راستے پر جا رہا ہے۔ میں حلفاً یقین دلاتا ہوں کہ تمہیں سیدھے راستے پر لے جاؤں گا۔" دوسرے موقع پر حضرت عمرؓ نے ان تاریخی الفاظ میں لوگوں کے سامنے اپنی ذات کے بارے میں وضاحت کی ___ "میں بیت المال سے اسی قدر کا حقدار ہوں جس قدر کسی یتیم کا ولی حقدار ہے اگر میرے پاس دولت آ جائے تو میں کچھ نہ لوں گا۔ میں صرف گزارے کے لائق وظیفے کا حقدار ہوں"۔ انہوں نے یہ بھی کہا ___ "تمہاری طرف سے مجھ پر کئی ذمّہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ میں تمہیں کہتا ہوں کہ مجھ سے انہیں پورا کرنے کا مطالبہ کرو۔ ان میں سے ایک میری ذمّہ داری یہ ہے کہ ناجائز اور غلط طریقے سے بیت المال میں کوئی اضافہ کروں نہ غیر ضروری طور پر، زائد از ضرورت، اندھا دھند صرف کروں۔ میری دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ تمہارے وظائف کی رقم بڑھا کر تمہارا معیارِ حیات بلند کروں۔ اور

Marfat.com

یہ بھی میری ذمہ داری ہے کہ اجتماعی انداز میں تمہاری سرحدیں تمہاری جانیں اور تمہاری املاک کو دشمنوں اور حریفوں سے بچاؤں ۔ تم نے مجھے جو ذمہ داریاں سونپی ہیں انہیں ادا کرنے کے لیے تمہیں مدد دینے اور تعاون کرنے پر مجبور کروں "۔

پھر ایک اور موقعے پر انہوں نے کہا ۔ " تمہارے درمیان میری حیثیت عام آدمی سے بڑھ کر نہیں ۔ مجھے اس خیال سے نفرت ہے کہ تم میرے ذاتی واہموں اور میری تلوّن مزاجی پر میری اطاعت کرو "۔

خلیفۂ چہارم حضرت علیؓ جب ایک قاتل کے ہاتھوں مہلک طور پر مجروح ہوئے تو وہ بھی اپنے پیشرؤں کی طرح جمہوری اصول پر قائم رہے ۔ ولیم میور اپنی تالیف "خلافت" میں لکھتا ہے ۔

" انہوں ( لوگوں ) نے خلیفہ سے پوچھا کہ آپ اگر وفات پا گئے تو کیا وصیت کریں گے کہ آپ کا بیٹا گدی سنبھالے؟ اصولِ انتخاب پر قائم رہتے ہوئے حضرت علیؓ نے کہا ـــــ "میں اس کا حکم نہیں دیتا "۔

جب سلطان صلاح الدین بسترِ مرگ پر پڑا تھا تو اس نے ان ولولہ انگیز الفاظ میں اپنے جانشین کو اسلامی تعلیمات سے متاثر کرنے کی سعی کی ـــــ

" میرے بیٹے ! میں تجھے اللہ کے حوالے کرتا ہوں جو سب سے بڑھ کر رفعت والا اور خیرِ کُل کا سرچشمہ ہے ۔ اس کی رضا پر چلنا کیونکہ اسی میں امن و امان ہے ۔ خون

Marfat.com

بہانے سے گریز کرنا۔ اس پر بھروسہ نہ کرنا کیونکہ جو خون بہایا جائے وہ کبھی خوابیدہ نہیں رہتا۔ لوگوں کے دل جیتنے کی کوشش کرنا اور ان کی املاک کی حفاظت کرنا کیونکہ انہی کی خوشنودی کے لیے تجھے اللہ کی جانب سے اور میری جانب سے جانشین مقرر کیا گیا ہے۔ امراء وزراء اور رؤسا کے دل جیتنے کی کوشش کرنا میں عظیم ہوا کیونکہ میں نے شرافت اور مہربانی سے لوگوں کے دل جیتے۔"

بازنطینی دربار سے وابستہ ابتدائی زمانے کے ایک مسلمان سفیر معاذ بن جبل نے ان الفاظ میں اسلام کا جمہوری تصور پیش کیا ——

"ہمارا خلیفہ ہمیں میں سے ایک ہے۔ جب تک وہ ہماری کتاب (قرآن) پر عمل کرے گا اور ہمارے پیغمبر کی سنت پر چلے گا ہم اسے اپنا خلیفہ مانیں گے ورنہ ہم اسے الگ کر دیں گے۔ اگر وہ چوری کرے گا، ہم اس کے ہاتھ کاٹ دیں گے۔ اگر وہ زنا کرے گا، ہم اسے سنگسار کرکے ہلاک کر دیں گے۔ اگر وہ کسی کو برا بھلا کہے گا تو اسے بھی برا بھلا کہا جائے گا۔ اگر وہ کسی کو ضرر پہنچائے گا تو اسے معاوضہ دینا پڑے گا۔ اس کی حیثیت ہم میں سے ہر ایک کی مانند ہے۔"

رسول اکرمؐ نے یہ بات صاف کر دی ہے کہ محض اطاعت کی خاطر کبھی کوئی قائد اطاعت کا حکم نہیں دے گا۔ ایک موقع پر ایک فوجی سالار نے نظم و ضبط کی آزمائش کرنے کی نیت سے سپاہیوں کو آگ جلانے اور پھر اس میں کود پڑنے کا حکم

Marfat.com

دیا لیکن آخری لمحے ایسا کرنے سے منع کر دیا۔ جب رسولؐ اکرم کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے برہم ہو کر کہا، "کسی قائد کی اطاعت ایسے معاملے میں واجب نہیں جو احکامِ الٰہی کے خلاف ہو۔"

عظیم مسلمان مورخ اور فلسفی —— نیز دنیا کے پہلے عمرانیات دان کے نظریے کی رو سے۔

ایک فرماں روا سب سے پہلے اجتماعی ذہن کا علامتی مظہر ہوتا ہے۔ اس فرماں روا کی عادتاً اطاعت ہونے لگے گی۔ اور پھر وہ لوگوں کا روحانی اور مادی آقا سمجھا جانے لگے گا۔ کچھ مدت کے بعد اگر عوام اپنا اجتماعی شعور گنوا بیٹھیں گے تو شاہی خاندان طاقت کے ذریعے حکومت کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

پس تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ ملت سے وابستگی کا شعور بیدار رکھیں کیونکہ مُطلق العنان حکومت کے خلاف یہی ان کا دفاعی حربہ ہے۔ ان پر یہ بھی واجب ہے کہ دانشمندی سے قائد کا انتخاب کریں۔

## اسلام میں قائد کے انتخاب کی ضرورت

اگر کسی اہم کام میں ایک سے زائد مسلمان لگے ہوں تو احادیث میں قائد کے انتخاب کی ضرورت کا مسلسل ذکر آیا ہے اور اس نظریے کی توسیعی شکل میں قوم کے قائد کے سلسلے میں قومی خطوط پر انتخاب کی ضرورت کو تسلیم کیا گیا ہے۔

اس سے یہ بات عیاں ہے کہ لوگ قیادت کے لیے موزوں شخص کے اوصاف جانچنا سیکھیں اور یہی وہ مقصد ہے جس کے لیے قرآن ہمیشہ مسلمانوں پر زور دیتا ہے

Marfat.com

کہ پہلے وہ علم و دانش حاصل کریں اور اس کا اظہار کریں - اسلامی ریاست میں آدمی اور مرد کو پختہ رائے کا اہل ہونا چاہیے جیسا کہ قرآنِ مجید کی آیات کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے — "پس یوں ہم ان لوگوں پر الہام واضح کرتے ہیں جو تفکر کرتے ہیں[1]"

سورۃ ۱۰، آیت کریمہ ۲۴ -

"پس یوں ہم ان لوگوں پر الہام کی وضاحت کرتے ہیں جو شعور رکھتے ہیں[2]"

سورہ ۳۰ آیت کریمہ ۲۸ -

"ہم نے اس قوم کے لیے تفصیل سے آیتیں بیان کر دی ہیں جو سوجھ بوجھ رکھتی ہے[3]"

سورۃ ۶، آیت کریمہ ۹۸ -

"وہی نصیحت قبول کرتے ہیں جو عقلمند ہوتے ہیں[4]" سورۃ ۳، آیت کریمہ ۷ -

قرآن مجید میں یہ بھی ارشاد ہوا ہے، "اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ سیاسی اختیار ان لوگوں کو دو جو اس فرض سے عہدہ برآ ہونے کے قابل ہوں اور جب تمہیں آدمیوں میں تصفیہ کرنے کو کہا جائے تو عدل اور مساوات سے تصفیہ کرو"

قرآن مجید مسلمانوں پر زور دیتا ہے کہ وہ مشورے کے طریقے پر عمل کریں — "اور وہ لوگ جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور ان کا کام آپس میں مشورہ کرنا ہے[5]" سورۃ ۴۲، آیت کریمہ ۳۸ -

---

[1] آیات کریمہ یہ ہیں۔ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ -

[2] كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ -

[3] فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ -

[4] وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ -

[5] وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى

Marfat.com

اور ان سے مشورہ لیا کرو ہر امر میں[1]۔ سورۃ ۳ آیت کریمہ ۱۵۹۔
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورے کے طریقے پر عمل کرنے کی نصیحت کی گئی
قرآن مجید میں یوں آیا ہے ___

"پس اللہ کی رحمت سے آپ نے نرمی کا برتاؤ کیا ان سے اور اگر آپ درشت خو اور سنگدل ہوتے تو وہ سب آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔ پس ان سے درگزر کرو اور ان کے لیے مغفرت طلب کرو اور ہر امر میں ان سے مشورہ لیا کرو پھر جب آپ پختہ ارادہ کرلیں تو اللہ پر توکّل کریں۔ بے شک اللہ توکّل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے"[2] سورۃ ۳، آیت کریمہ ۱۵۹

باہم صلاح مشورہ کرنے کو سچے مسلمان کا وصف بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بارے میں آیت کریمہ یہ ہے ___

"اور وہ لوگ جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور ان کا کام آپس میں مشورہ کرنا ہے اور ہم جو روزی دیتے ہیں وہ ان میں سے خرچ کرتے ہیں"۔ سورۃ ۴۲ آیت کریمہ ۳۸۔

لہٰذا ملّت اسلامیہ کا مثالی قائد وہ ہے جسے بالغ شعور کے شہری منتخب کریں اور جوان عاقل شہریوں سے جمہوری خطوط پر مشورہ کرے ___

---

بَیْنَھُمْ ص وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ہ

[1] وَشَاوِرْھُمْ فِی الْاَمْرِ۔

[2] فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَھُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ص فَاعْفُ عَنْھُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَھُمْ وَشَاوِرْھُمْ فِی الْاَمْرِ ج

Marfat.com

قائد اپنے تئیں دیکھے گا کہ وہ مُطلقُ العنان نہیں بلکہ امین ہے ـــ اس طاقت کا عارضی امین ہے جو اللہ کی ہے اور جسے اللہ نے پوری ملت کو دے رکھی ہے۔ اللہ ہی کائنات کا خالق اور پروردگار ہے اور قائد ہر دم اللہ کی اطاعت کے لیے آمادہ رہے، اس کی راہ میں خود کو نثار کرنے پر تیار رہے اور ضرورت پڑے تو اپنی عارضی طاقت سے دستبردار ہو جائے۔

## اسلام اور سرکاری حکّام

عمّال اور دوسرے ناظموں ایسے سرکاری خدّام کے معاملے میں بھی یہی قانون صادر ہوتا ہے۔ یہ اصول مؤثر ترین انداز سے اس گفتگو سے مختص ہیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ (خلیفۂ اوّل) کے درمیان ہوئی۔ ایک معتبر حدیث نبوی یہ ہے ـــ

"روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے سرکاری صیغے کے اعلیٰ عہدوں پر تقرر کرنے کے بارے میں رسول اکرم سے اسلامی اصول دریافت کیے۔ رسولِ اکرمؐ نے جواب میں فرمایا ـــ یہ اعلیٰ عہدے ان کے لیے ہیں جو ان کی امنگ نہیں رکھتے، ان کے لیے نہیں جنہیں ان کی ہوس ہو۔ یہ ان کے لیے ہیں جو ان سے بھاگتے ہوں اور ان کے لیے نہیں جو انہیں پانے کی غرض سے لڑتے

Marfat.com

جھگڑتے ہوں۔ یہ ان کے لیے ہیں جنہیں یہ بے طلب پیش کیے جائیں اور ان کے لیے نہیں جو اپنا حق سمجھ کر ان کا دعویٰ کریں"۔

المختصر سرکاری ملازمت کے بارے میں سمجھنا چاہیے کہ ملت کی بھلائی کے لیے ہے اور اپنی بہتری کا خیال تک دل میں نہ لانا چاہیے۔

## نماز ——— ایک عظیم جمہوری قوت

قرآن مجید میں بار بار آیا ہے کہ تمام مسلمان برابر ہیں۔ پنجوقتہ نماز میں یہی مساوات ایک زندہ حقیقت اور عظیم جمہوری قوت بن جاتی ہے۔

سر سی۔ ایس۔ رام سوامی آئر (نامور ہندو دانشور) نے "ایسٹرن ٹائمز" کی ۲۲۔ دسمبر ۱۹۴۴ء کی اشاعت میں روزمرہ کی نماز کی قوت کا بدیں الفاظ اعتراف کیا ہے

> " اسلام کس لیے ہے؟ میری رائے میں تمام صائبُ الرائے اصحاب کو جاننا چاہیئے کہ اسلام ہی سچّا جمہوری مذہب ہے جو آج کی دنیا میں عملاً زندہ ہے۔ ہندو ہوتے ہوئے میں ہندو مت پر بہ استقلال قائم ہوں۔ پھر بھی میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں۔ اپنے بنیادی فلسفے کے باوجود بنی نوع آدم کی وحدت کے بارے میں میرا مذہب اپنے نظریات کو عملی شکل دینے میں کامیاب نہیں ہُوا۔ کسی بھی مذہب نے ——— کوئی بھی نظریہ رکھتے ہوئے اسلام کی طرح اس حقیقت کا مظاہرہ نہیں کیا کہ خدا اور

Marfat.com

آدمی کے سامنے آدمی کی وحدت کا لازمی تصور ایک عملی شے ہے اور اسے روزمرہ کی زندگی کا معمول بنایا جا سکتا ہے کوئی مذہبی فریضہ ادا کرنے یا مسجد میں نماز پڑھنے یا باقاعدگی اور سنجیدگی سے مل جل کر کھانے کا خیال آئے تو اسلام میں چھوٹے سے چھوٹا آدمی بڑے سے بڑے آدمی کے برابر ہے۔ جس گداگر کے تن پر چیتھڑے ہوں وہ اذان دیتا ہے اور سلطان اس پر لبیک کہتا ہے"۔

معزز ہندو خاتون ـــــ سروجنی نائیڈو نے بھی نماز کے جمہوری انداز کے بارے میں یہی نکتہ یوں بیان کیا ہے ـــــ

"اسلام پہلا مذہب تھا جس نے جمہوریت کی تبلیغ کی اور اس پر عمل کیا۔ جب مسجد میں اذان ہوتی ہے تو نمازی اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ اسلام میں جمہوریت کی پابندی پانچ مرتبہ کی جاتی ہے۔ کسان اور حکمران برابر برابر کھڑے ہو کر سجدہ اور اعلان کرتے ہیں کہ صرف اللہ ہی بڑا ہے۔ اسلام کی اس انفرادی وحدت نے مجھ پر بار بار اثر کیا ہے۔ جو آدمی کو جبلّی طور پر بھائی بنا دیتی ہے"۔

آخر میں ہم یورپی نقطۂ نظر کو لیتے ہیں۔ نامور یورپی مصنّف جی۔ ڈی۔ ڈینیس اپنی کتاب[۱] میں لکھتا ہے ـــــ

"ظاہر ہے کہ ایسے کسی گروہ میں اتحاد، استحکام اور

---

۱۔ EMOTION AS THE BASIS OF CIVILIZATION

Marfat.com

شعور پیدا کرنے میں شدید دشواری پیش آتی ہے جو مختلف روایتیں اور نظریے رکھنے والی مختلف قوموں سے تشکیل پائے۔ تمام مورخ اس امر کا اعلان تو کرتے ہیں کہ دنیا پر غلبہ پانے میں اسلام کو جو حیرت خیز کامیابی نصیب ہوئی ہے۔ وہ گروہ میں اتحاد کے شعور کی غیر معمولی وابستگی کے باعث ہے لیکن یہ نہیں بتاتے کہ اسلام میں یہ معجزہ رونما کیونکر ہوا۔ اس میں کلام ہی نہیں کہ اس کا موثر ترین حربہ نماز تھا۔ جب تمام مسلمان جہاں کہیں بھی ہوں۔ دشت کی تنہائی میں ہوں یا پُرہجوم شہروں کے ہنگامہ خیز اجتماعوں میں مل کر وضو کرتے ہیں ـــــ مکہ کی جانب منہ کرکے سجدہ ریز ہوتے ہیں، خدا کی ثناء اور رسول کی اطاعت میں وہی الفاظ ادا کرتے ہیں تو پانچ وقت کی نمازیں تماشائیوں تک پر چھا جانے والا جو تاثر قائم کرتی ہیں اور مشترکہ حمد و ثناء اور اظہارِ اطاعت میں نمازیوں کے دلوں میں ذہنی اتحاد کا جو نفسیاتی اثر پیدا کرتی ہیں وہ درحقیقت غضب کا ہوتا ہے۔ محمدؐ وہ پہلا شخص ہے جس نے باجماعت نماز کی عظیم الشان قوت کو تہذیبی اتحاد کے طور پر دیکھا اور اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ اسلام کی قوت بڑی حد تک روزمرہ کی پنجوقتہ نماز کے قابلِ رشک اصول کے سلسلے میں مسلمان کی اطاعت میں پنہاں ہے۔

Marfat.com

## افریقہ میں اسلامی جمہوریت کا ارتقاء

آج ہم افریقہ میں نئی قوم میں ابھرتی ہوئی اسلامی تہذیب کے نقوش کا سراغ لگا سکتے اور دیکھ سکتے ہیں کہ کس طور اسلام کی ترویج کے ساتھ ساتھ جمہوری اصول پروان چڑھ رہے ہیں۔ بوسورتھ اسمتھ نے اپنی تالیف "مسلمان —— افریقہ میں" میں لکھا ہے:

"یہ باور کرنے کی وجہ موجود ہے کہ ایک زمانے میں پورے افریقہ میں سب سے بڑی برائیاں پائی جاتی تھیں اور اب بھی یہ افریقہ کے اکثر حصوں نیز ہماری نوآبادیوں اور گولڈ کوسٹ کے نزدیک پائی جاتی ہیں —— یہ برائیاں ہیں، آدم خوری، انسانی قربانی اور زندہ بچوں کی تدفین۔ اسلام کے آتے ہی یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئیں۔ یہاں کے باشندے جو اب تک پوری طرح یا قریب قریب ننگے رہتے تھے، کپڑے —— صاف ستھرے کپڑے پہننے لگے۔ وہی لوگ جو نہاتے دھوتے نہ تھے، نہانے دھونے لگے اور وہ بھی کثرت سے کیونکہ قرآن میں نماز کے لیے وضو کرنے کی ہدایت ہے[1]۔ قبائلی تنظیم میں وسیع تر

---

[1] اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ صفائی ستھرائی جزوِ ایمان اور داخلِ عبادت ہے۔ جس کے بغیر نماز ادا نہیں کی جا سکتی۔ یہ نماز کا ضروری حصہ ہے چنانچہ جس توجہ سے نماز

Marfat.com

بنیادوں پر ایک نئی شے کو جگہ دینے کا رجحان پیدا ہو گیا - دوسرے لفظوں میں ہم یہ کہیں گے کہ قبائل قوموں کی شکل اختیار کرنے لگے اور یوں قوت اور قابلیت بڑھنے سے قوموں نے سلطنتیں بنا لیں۔ سوڈان اور ملحقہ ملکوں کی سو سال کی تاریخ سے ایسی کتنی ہی مثالیں اخذ کی جا سکتی ہیں - جنگ کا انتظام بہتر طریقے سے اور وہ بھی کسی نہ کسی محدود انداز سے ہوا - خواہ مخواہ کی لڑائیاں بند ہو گئیں - اندھا دھند لوٹ مار نہیں ہوتی ، جان و مال کی اور بھی زیادہ حفاظت ہو گئی - ابتدائی تعلیم کے لیے مدرسے کھل گئے عمدہ عمدہ مسجدیں بن گئیں جن کی خوب دیکھ بھال کی جاتی - مسجدوں میں پانچ وقت اذان ہوتی ، ان میں کعبہ رُو محراب ہوتے ، امام ہوتے - بھوت گھر[1] اور

---

ادا کی جاتی ہے اسی توجہ سے وضو کرنا اور طہارت کا خیال رکھنا فرض ہے (مترجم)

[1] افریقہ کے جادو پرست اپنے بزرگوں کی روحوں سے خوفزدہ رہتے ہیں - ان میں کچھ اچھی اور مہربان روحیں ہوتی ہیں ، کچھ بری اور نامہربان - روحوں کو مائل کرم رکھنے کی غرض سے لوگ طرح طرح کی ریتوں پر چلتے نیز گنڈے تعویذ اور ٹونے ٹوٹکے کرتے ہیں ، بھوت گھر بناتے ہیں - یہ ان کے معبد ہیں - جہاں روحوں کو منانے اور انہیں ظلم و تشدد سے باز رکھنے کے لیے پوجا پاٹ کرتے ہیں - افریقہ میں اب تک بھوت گھر پائے جاتے ہیں - لوگ اب بھی ہزاروں سال پرانے مسلک ـــــ یعنی دینِ ساحری پر عامل ہیں (مترجم)

Marfat.com

ہولناک سِفلی عمل ختم ہوتے، اب ہر جمعے نماز کا اجتماع ہوتا، گاؤں میں اسی کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی۔ ایک خدا، ایک قادرِ مطلق، ہمہ دم حاضر خدا اور رحمان و رحیم خدا کی پرستش ہر اس شے کی پرستش پر بے پناہ سبقت لے گئی جس کا یہاں کے لوگوں کو پہلے سبق ملا تھا۔ عربی زبان جس میں مسلمانوں کی مقدس کتابیں لکھی گئیں ایسی زبان ہے جو غیر معمولی طور پر وسیع اور دلآویز ہے۔ ایک بار سیکھنے پر یہ آدھے برّاعظم کی قومی زبان بن جاتی اور پھر ادبیات کی تمہید بلکہ ادب ہی کا کام دینے لگتی ہے۔ اس کی بدولت قبائلی سردار کی بے محابا حرص و آز کی جگہ تحریری ضابطۂ قانون نافذ ہو جاتا ہے — یہ بہ نفسہٖ تہذیب و تمدّن میں ایک عظیم الشان اِقدام ہے۔ صنعت و حرفت اور تجارت کو رواج ملا۔ گُپ چپ کا کاروبار یا خام جنس کے تبادلے کا اوائلی طریقہ نہ رہا جس کی نسبت ہمیں ہیرودوطس[1] سے پتا چلتا ہے کہ شروع ہی سے افریقہ میں رائج رہا ہے۔ کوڑیوں گھونگوں، بارود، تمباکو یا شراب کا بھی چلن نہ رہا جو اب بھی پورے ساحلی علاقے میں تبادلۂ جنس کے اہم پیمانے ہیں۔ ان کی جگہ ایسی مصنوعات سامنے

---

[1] ہیرودوطس میں دو بر دزن "جو ہو سو ہو" ہے۔

Marfat.com

آئیں جن میں خاصی ہنرمندی سے کام لیا جاتا ہے اور ایسی تجارت شروع ہوئی جس کا انتظام وسیع خطوط پر ہوا تھا۔ ان کے اثر سے تیز اس مستحکم تر حکومت کی بدولت جو اسلام کی جلو میں قیام پاتی ہے، بڑے بڑے شہر نمودار ہوئے۔ یہ سب کچھ اسلام سے وابستہ ہے اور اسلام اس کی تحریک دیتا ہے۔ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ اسلام اپنے نئے پیروکار کو ایسی قوت، وقار اور خود اعتمادی عطا کرتا ہے جو اسی کے لادین اور عیسائی ہموطنوں میں شاذ ہی ملے۔

اسی کتاب کے ایک دوسرے پیرے گراف میں بوسورتھ اسمتھ نے اس اسلوبِ کار کا ذکر کیا ہے جو ایرانی و عرب آبادکار اسی اسلامی جذبے کی اسپرٹ کے ساتھ اپنے ہمراہ لائے۔ دوسرے علاقوں اور مشرقی افریقہ میں بھی اسلام کا سب سے بڑا وصف یہ رہا ہے کہ اس نے بلا امتیاز ہر شخص کو ذہن کی پرورش اور دل کی بات کہنے، فکر کے پھول کھلانے اور اپنی بصیرت افروز نظریاتی دولت اُگلنے پر اکسایا ہے۔ اظہارِ خیال کی آزادی فقط شعر و سخن تک ہی محدود نہ تھی جس نے اس ساحل پر بڑی زوردار اور دلآویز رومانی اور رزمیاتی نظموں کی تخلیق کی اور دلی جذبۂ تقدس اور ایمان کی تحریک پر مذہبی کام کی تشکیل کی بلکہ بادشاہ اور غلام ہر شخص کی ہمت افزائی کی جاتی کہ وہ عوامی پالیسی سے متعلقہ مسائل پر اظہارِ خیال کرے۔ سب کے سامنے ان حقوق کا ذکر کرے جن کے بارے میں وہ محسوس کرے کہ قوم کے لیے جائز ہیں اور ان زیادتیوں کے خلاف آواز بلند کرے جن کے بارے وہ محسوس کرے کہ قوم جھیل رہی ہے۔ اس عہد کا لٹریچر نمایاں انداز سے لوگوں کے حریت پسندانہ، جمہوری جذبے،

Marfat.com

کی بسائی ہوئی بستی سے ان کی محبت، مظالم کے خلاف ان کی نفرت اور تمام مخالفتوں کے باوجود آزادی کے تحفظ کے عزم کی عکاسی کرتا ہے۔ آزادی کا یہ لابدی جذبہ، ذہنی آزادی کی محبت اور آزادیٔ تقریر کا حق پورے مشرقی افریقہ میں اسلام کے نظامِ معاشرت کی گراں قدر متاع ہے۔

## قرآنِ مجید اور آئین

قرآنِ حکیم میں خصوصی تفصیل کے بغیر اسلامی آئین کے اصول بیان کئے گئے ہیں ان اصول کا خلاصہ بدیں انداز کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ اقتدارِ کُل اللہ کو حاصل ہے جو سب کچھ سنتا اور سب کچھ دیکھتا ہے۔

۲۔ اقتدارِ الٰہی کسی فردِ واحد کو حاصل نہیں بلکہ پوری ملتِ صالحہ کو حاصل ہے ـــــ ہر مسلمان مساوی حقوق اور اختیارات رکھتا ہے۔

۳۔ حقِ انتخاب اللہ کی مقدس امانت ہے اور ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اپنا ووٹ دانشمندی اور سوجھ بوجھ سے بہ احتیاط استعمال کرے ـــــ تاکہ اس کے بھائیوں میں سے سب سے زیادہ راست باز اور قابل فرد اور مخلص حاکم اس کی نمائندگی کرے۔

۴۔ رہبروں کے منصب کی طرح انتظامیہ اور عدلیہ کے تمام منصب بھی مقدس امانت ہیں اور جذبۂ اعتماد ہی سے انہیں قبول کرنا اور ان سے عہدہ برآ ہونا چاہیے۔

۵۔ جماعتی سیاسیات کو لابدًا قوم کے مفادِ عامہ کے تابع رہنا چاہیے۔

۶۔ صلاح مشورے کے طریقِ کار کو حکومت کے تمام لابدًا ترجیح دینی چاہیے۔

Marfat.com

# نسل کی بجائے مذہب کی بنیاد پر سلطنت کا قیام

جس طریقے سے اسلامی جمہوریت معرضِ وجود میں آئی فلپ حتی نے اس کا قابلِ قدر خلاصہ پیش کیا ہے وہ لکھتا ہے ــــــ

یہ اسلامی معاشرہ یا کامن ویلتھ (دولتِ مشترکہ) جسے پیغمبرِ اسلام نے تشکیل کیا اور جس کی بنیاد کامل مساوات اور عوامی عدل پر رکھی گئی ــــ اقتدارِ الٰہی اس کا اہم اصول تھا۔ یہ دولتِ مشترکہ جس کی اساس اقتدارِ الٰہی تھی ان برائیوں اور بدعنوانیوں سے پاک تھی جو اس ملوکیت یا ری پبلک میں ملتی ہیں جس کی بنیاد عوام پسند اقتدار کے نظریہ پر رکھی جاتی ہے۔ اس اسلامی ریاست کا قانون جیسا کہ روسیو کا نظریہ ہے قوم کی عمومی خواہش کا مظہر نہیں تھا ــــ یہ کسی مطلق العنان حکمران کی آمرانہ خواہش کی عکاسی بھی نہ کرتا بلکہ یہ لازوال منشائے ایزدی کا مظہر تھا لہٰذا یہ قوانین قطعی طور پر کامل تھے اور ان میں انسانیت کی بہبود کا میلان پایا جاتا تھا۔ اس ملت کی نمایاں خصوصیت اس کا دینی اور نظریاتی اتحاد تھا نہ کہ نسلی اور قبائلی اتحاد جو اسلام سے پہلے عربوں کا رشتۂ اتحاد تھا۔ عرب کی تاریخ میں یہ پہلا اقدام تھا جس میں معاشرتی تنظیم کی بنیاد نسل کی بجائے مذہب

Marfat.com

قرار پائی[1]

# اسلام کی صلائے عام

قاضی نذر الاسلام[2] نے مساوات اور جمہوریت کے اسلامی جذبے کو ان ولولہ انگیز اشعار میں پیش کیا۔

## ترجمہ

اسلام کی طوطی کا اعلان دنیا کا گشت کرتا ہے
کوئی چھوٹا ہے نہ بڑا، سب لوگ برابر ہیں
کوئی غلام ہے نہ آقا، حاکم ہے نہ محکوم
اسلام اعلان کرتا ہے کہ ہم ایک دوسرے کے لیے ہیں
غم ہو کہ خوشی، ہم دونوں میں یکساں شریک ہیں
کوئی فرد دنیا کی عمدہ عمدہ چیزیں ذخیرہ نہیں کرے گا
اور دیکھو! کچھ لوگوں کی آنکھیں آنسوؤں سے جل رہی ہیں
جبکہ دوسرے لوگ فانوسوں سے اپنی آنکھیں روشن کر رہے ہیں
کیا گنتی کے چند لوگ دولت میں کھیلیں گے جبکہ عوام بھوکوں مر رہے ہوں گے
یقیناً اسلام میں ایسا کبھی نہیں ہُوا۔

قاضی نذر الاسلام

---

[1] بحوالہ حتی HISTORY OF THE ARABS صفحات ۱۲۰ - ۱۲۲

[2] بنگال کا قابلِ صد فخر مسلمان سپوت جس نے آزادی کے نغموں سے ہند کے غلاموں کے دل جھنجھوڑے اور ان کے بخت خفتہ کو بیدار کیا۔ (مترجم)

Marfat.com

# اسلام اور بَینُ الاقوامیت

آج متعدد آزاد مسلم ممالک میں خود مختار ریاستیں قائم ہیں جن کے اپنے قومی مفادات ہیں۔ ان میں سے ہر ریاست قوم سے برتر ایک یونٹ کا حصہ ہے کیونکہ تمام مسلمان خواہ وہ کسی بھی قومیت کے ہوں بین الاقوامی اسلامی برادری کا حصہ ہیں۔ پورے قرآن مجید میں قومیت سے بالاتر اخوت پر زور دیا گیا ہے۔

بَینُ الاقوامیت کی روح اسلام کے خمیر میں ہے۔ یہ تو اسی اسلامی عقیدے کی قدرتی توسیع ہے کہ تمام مسلمان ایک ہی روحانی اور مادّی (لادینی اور دنیاوی) معاشرے کے مساوی درجے کے ارکان ہیں۔ اسلام بلکہ اس سے بھی آگے جاتا ہے کہ اللہ کی نظر میں تمام انسان بلا امتیازِ نسل و مذہب مساوی حیثیت سے پیدا کئے گئے ہیں۔ لہٰذا قرآنِ مجید تمام دوسری نسلوں کے رواجوں اور مذہبوں سے کامل ترین انداز کی رواداری برتنے پر زور دیتا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ صرف اسلامی ممالک کے درمیان ہی محدود قسم کا بین الاقوامی تعلق قائم نہیں ہوتا بلکہ اس میں دنیا کے تمام ملک شامل ہو جاتے ہیں۔ درحقیقت قرآنِ مجید میں تیرہ سو سال پہلے اقوامِ متحدہ کے مثالی نظریات وضع کر لیے گئے تھے۔

آئیے! پہلے اخوتِ اسلامی کا مطالعہ کریں اور پھر بین الاقوامی رشتوں کے وسیع تر شعبے کو لیں۔

## اخوّتِ اسلامی

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے بہ نفسِ نفیس اسلامی اخوت کی اساس اپنے آخری خطبے میں رکھی جو آپ نے ۸ ذی الحج ۱۰ھ (مطابق ۶۳۲ شمسی) کو

Marfat.com

ارشاد فرمایا[1] آنحضرت صلعم کے الفاظ یہ ہیں ــــ

"اے لوگو! میری بات سنو! تمہاری جانیں اور تمہاری املاک ایک دوسرے کے لیے متبرک ہیں اور ضرر رسانی کے ناقابل تاآنکہ تم اللہ کے حضور پہنچ جاؤ ــــ لوگو میری بات سنو اور اسے مجھو! جان لو کہ تمام مسلمان ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہیں۔ تم ایک برادری کے رکن ہو۔ ایک کا مال دوسرے پر تب تک حلال نہیں جب تک کہ وہ اپنی مرضی سے اسے مفت نہ دے دے۔ اپنے آپ کو ناانصافی کرنے سے بچاؤ۔ ماضی کی امارت میرے قدموں تلے روندی گئی ہے۔ عرب کو غیر عرب پر کسی قسم کی فوقیت حاصل نہیں۔ سب آدم کی اولاد ہیں اور آدم کو زمین کی مٹی سے بنایا گیا تھا۔"

رسولِ اکرم صلعم نے اس خطبے میں اتحادِ اسلامی کے موضوع سے متعلق قرآنِ مجید کے کتنے ہی اقوال سمو لیے مثلاً یہ کہ

"تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں ــــ اور اللہ کے عہد پر متحد ہو کر مضبوطی سے قائم رہو

---

[1] ۸ ذی الحج ۱۰ھ مطابق ۶ مارچ ۶۳۲ء ش رحیاتِ رسالتمآب مولفہ راجہ محمد شریف ص ۵۲۶ الخ۔ مطبوعہ زاہد اکیڈمی، جوہر آباد۔

Marfat.com

اور غیر متحد نہ ہو جاؤ"!

اسلامی اتحاد کا یہ تخیل کہ یہ قومی وفاداریوں سے بالاتر ہے۔ بدیں الفاظ قرآن میں مذکور ہے۔

"دیکھو! یہ ہے تمہاری اُمت (پیروکاروں کا نظریاتی گروہ) —— ایک اُمت اور میں تمہارا رب ہوں پس میری پرستش کرو"!

سورہ ۲۱، آیت کریمہ ۹۲۔

اور پھر دوبارہ ان شاندار الفاظ میں ذکر آیا ہے۔

"دیکھو بنی نوع انساں! بلاشبہ ہم نے تم لوگوں کو عورت اور مرد کی شکل میں پیدا کیا اور تمہارے قبیلے کنبے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو جان لو۔ اور بلاشبہ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ فرض شناس اور پرہیزگار ہے۔ بلاشبہ وہ سب کچھ جاننے والا ہے۔"[1]

سورۃ ۴۹، آیت کریمہ ۱۳۔

اور اللہ کے عہد پر متحد ہو کر مضبوطی سے قائم رہو اور غیر متحد نہ ہو جاؤ اور یاد رکھو اس نے تم پر

---

[1] آیات کریمہ یہ ہیں: یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝

Marfat.com

احسان کیا جبکہ تم باہم دشمن تھے۔ پھر اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی۔ پھر تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے۔ پھر تمہیں اس سے بچا لیا۔ اسی طرح اللہ تمہارے لیے آیتیں بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔[1]

سورہ ۳، آیت کریمہ ۱۰۳۔

اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ وہ نیکی کی ہدایت کرنے اور بدی سے روکتے ہیں اور قائم رکھتے ہیں نماز اور ادا کرتے ہیں زکوٰۃ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ بس یہی لوگ ہیں کہ بے شک اللہ ان پر رحم کرے گا۔

---

[1] آیات کریمہ یہ ہیں: وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَّكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝ وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيعُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ أُولٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

Marfat.com

بے شک اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

سورۃ ۹، آیتِ کریمہ ۱۷

# اخوّتِ اسلامی کے بارے میں مغربی اور ہندو اہلِ فکر کی شہادت

متعدد یورپی مصنفوں نے اخوّتِ اسلامی کی حقیقت اور قوت کا اعتراف کیا ہے۔ میجر اے۔ سی۔ ریونارڈ نے اپنے ایک مقالے ــــ "اسلام ــــ اس کی اخلاقی اور روحانی قدر و منزلت" میں لکھا ہے ــــ

سچی اور حقیقی اخوّت اسلام ہی میں پائی جاتی ہے جو عیسائیت کی بیان کردہ اخوّت سے بخوبی لگا کھاتی ہے"۔

ریورینڈ مرے ٹائیٹس بیان کرتا ہے ــــ

" اخوّتِ اسلامی ایک معاشرتی اور روحانی حقیقت ہے۔ اسلام صرف ایک عقیدہ ہی نہیں بلکہ یہ حق ہے، ایک قانونی نظام بھی ہے اور معاشرتی نظام بھی۔ اسلام میں واقعی ایسی اخوّت موجود ہے جو رنگ و نسل، طبقے اور قومیت میں اتحاد کا حامل ہے۔

بھارت کے راجیہ سبھا کے سابق صدر رادھا کرشن نے بھی اسلامی اخوّت کی تعریف میں خود کو مغربی مصنفین کا ہمنوا کر لیا ہے۔ ۱۹۳۲ء میں انہوں نے ایک

Marfat.com

مقالہ سپردِ قلم کیا تھا جس کا عنوان تھا "مشرق و مغرب ـــــ مذہب کے معاملے میں"۔ لکھتے ہیں ـــــ

"ہم اس امر سے انکار نہیں کر سکتے کہ اسلام کا نظریۂ اخوّت نسل اور قومیت کی تمام رکاوٹوں سے بالاتر ہو جاتا ہے ـــــ یہ ایسی خصوصیت ہے جو کسی مذہب میں نہیں"۔

نامور مصنّف سر طامس آرنلڈ کے نزدیک حجِ کعبہ اس نظریے کی زبردست عملی صورت ہے۔ لکھتے ہیں ـــــ

"اسلام ہر سال دنیا کے تمام حصّوں سے آنے والے ہر زبان اور ہر قوم کے مسلمانوں کے اجتماع کو اس پاک مقام پر عبادت کا حکم دیتا ہے جس کی جانب وہ اپنے دور اُفتادہ گھروں اور مسجدوں میں ہر بار بوقتِ نماز اپنا منہ کر لیتے ہیں۔ کوئی فطین مذہبی پیشوا اس سے بہتر انداز میں اہلِ ایمان کے ذہن میں روزمرہ کی زندگی اور مذہبی رشتے سے ان میں باہمی بھائی چارے کا شعور پیدا نہیں کر سکتا۔ یہ مشترکہ عبادت کا ایک عظیم عمل ہے ـــــ یہاں افریقہ کے مغربی ساحل کا نیگرو مشرقِ بعید کے چینی سے ملتا ہے۔ رئیس اور مہذّب ترک ملایا کے بعید ترین حصّے سے آنے والے غیر مہذب جزیرے کے رہنے والے اپنے بھائی کو پہچانتا ہے۔ عین اسی

Marfat.com

وقت پوری اسلامی دنیا میں دیس دیس کے مسلمانوں کے دل مکّہ کے مقدس شہر میں جمع ہونے والے اپنے زیادہ خوش نصیب بھائیوں کی پُرجوش ہمدردی میں دھڑکتے ہیں وہ عیدالاضحیٰ مناتے ہیں۔ نمازی کسی بھی نسل، رنگ اور مرتبے کا ہو یا اس کا ماضی کیسا ہی کیوں نہ ہو اسے اسلامی برداری میں قبول کر لیا جاتا ہے اور وہ مساوی درجے کے لوگوں میں مساوی درجہ پاتا ہے۔ اسلام ایک زبردست سیاسی قوت ہے جُوں جُوں کرّہ ارض کے فاصلے سمٹتے جائیں گے زمین کی دُوریاں قریب سے قریب تر آتی جائیں گی تُوں تُوں دنیا میں اس قوّت کا اثر زیادہ سے زیادہ محسوس ہونے لگے گا۔

اسلام تمام دنیا کی برائیوں کا واحد علاج ہے یہ کہہ کر میں کوئی کھوکھلی شیخی نہیں بگھار رہا۔ مغربی ایشیا اور افریقہ میں جو کچھ ہو رہا ہے سوچ سمجھ کر اس کا مشاہدہ کرنے والا اس کی صداقت کا اندازہ کرے گا۔ یہ اسلام ہی ہے جس میں صحیح اور قابلِ عمل طریقے سے حقیقی مجلسِ اقوام کا تخیل پایا جاتا ہے۔"

ایچ۔جی۔ ویلز[1] رقمطراز ہے ——

---

[1] بیسویں صدی کا وہ قلمکار جس نے سائنس فکشن میں بڑا نام پیدا کیا۔ "غیر مرئی انسان" اور

Marfat.com

"اسلام بلا امتیاز مذہب و ملّت تمام انسانوں کی مساوات اور مسلمانوں کی سچّی گھریلو اخوّت پر جو زور دیتا ہے اس نے آج کی مہذّب دنیا میں اسے ایک عظیم ترین قوت بنا دیا ہے۔"

مارک سائیکس کہتا ہے ــــ "اسلام مربُوط و مستحکم ہے اور بین الاقوامی بھی۔ سادہ عبادات اور سادہ تر عقائد سے اس کے مضبوط تانے بانے بُنے ہوتے ہیں۔ آج بھی اندلسی عرب شیراز میں آکر ایسا گھریلو ماحول پاتا ہے کہ ہسپانوی عیسائی برلن میں یا رومانیہ کا رہنے والا ویانا میں نہیں پاتا۔ اگرچہ قاہرہ میں جرمن زیادہ ہیں، افغان کم ہیں پھر بھی الازہر کے احاطے میں افغان خود کو کم اجنبی پاتا ہے۔"

"سوہو[۱] کے اقامت گھر میں جمبونو کا بیرا خود کو زیادہ اجنبی پاتا ہے۔"

---

"آنے والے عہد کی صورت اشیاء" اس سلسلے کی بڑی اہم کڑیاں ہیں۔ ویلز نے "مختصر تاریخ عالم" بھی لکھی ہے۔ مترجم

[۱] آکسفورڈ سٹریٹ کے جنوب میں لندن کا ایک حصّہ جو ریستورانوں کے باعث مشہور ہے سترھویں صدی کے آخر سے یہ پردیسیوں کا گڑھ بنا ہوا ہے۔

Marfat.com

# اسلام اور اقوامِ متّحدہ

روحانی اخوّت سے عالمگیر اخوّت یا اقوامِ متّحدہ تک پہنچنے کے لیے ذہنی اور جذباتی اعتبار سے چھوٹا سا قدم اٹھانا پڑتا ہے لیکن تہذیب کے ارتقاء کے لیے اس چھوٹے سے قدم کی امکانی اہمیت سب سے زیادہ ہے جیسا کہ عظیم مؤرخ ٹوئن بی نے ۱۹۵۴ء میں شکاگو میں کہا ـــــ

"بنی نوعِ انسان کو ایک کنبہ بن جانا چاہیے یا اپنے آپ کو ختم کر دینا چاہیے۔ عالمی قوم کے انسانی شعور کی نشوونما ہی بقا کی کلید ہے۔ قوم پرستی آج دنیا کو فنا کی طرف لے جا سکتی ہے۔"

یہ عظیم صداقتیں جنہیں قبول کرنے میں مغربی ذہن سخت دشواری محسوس کر رہا ہے، تیرہ سو سال پہلے سچّے مسلمانوں نے قبول کر لی تھیں۔

ترمذی میں ابوداؤد سے روایت ہے کہ رسولِ پاک نے ایک مرتبہ اپنے پیروکاروں سے دریافت فرمایا ـــــ "جانتے ہو، نماز، روزے اور خیرات سے بہتر کیا چیز ہے؟" لوگوں نے عرض کیا کہ انہیں اس چیز کے متعلق بتایا جائے۔ رسولِ پاک نے فرمایا ـــــ

"یہ ہے لوگوں کا اپنے درمیان امن اور اچھے تعلقات قائم کرنا کیونکہ لڑائی جھگڑے اور نفرت کے جذبات نسلِ انسانی کو غارت کر دیتے ہیں۔"

معلوم ہوتا ہے، امن کا مقصد پانے کی غرض سے قرآن مجید نگران طاقت کا استعمال تجویز کرتا ہے۔ قرآنِ مجید میں آیا ہے۔

"اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں

Marfat.com

صلح کرا دو۔ پس اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے
گروہ پر زیادتی کرے تو جو زیادتی کرے اس سے لڑو
یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم سے رجوع کرے۔ پس
جب وہ رجوع کرے تو ان دونوں گروہوں میں انصاف
سے صلح کرا دو اور انصاف کرو۔ بے شک اللہ انصاف
کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ بے شک مومن آپس
میں بھائی بھائی ہیں۔ پس اپنے بھائیوں میں صلح کرا
دو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے[1]

سورۃ ۴۹، آیات کریمہ ۹، ۱۰۔

یہاں پھر صلح پسندی اور گفت و شنید پر سختی سے زور دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ثالثی اور اعتدال پسندی کی بھی تاکید کی گئی ہے ——

"پس ہم نے تمہیں اعتدال قائم کرنے والی
ملت بنایا ہے تاکہ تم نسلِ انسانی کے لیے مثال بن
سکو۔"

جوں ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کو ہجرت کر گئے آپ نے دنیا کے اس

---

[1] وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ج فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىْ تَبْغِىْ حَتّٰى تَفِىْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ج فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ہ

Marfat.com

خطے میں رہنے والی تمام اقوام کی فیڈریشن (وفاق) بنانے کے لیے یہودیوں اور دوسرے غیر ملکی قبائل سے معاہدہ کر لیا۔ اس معاہدے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شرائط رکھیں۔

۱۔ تمام مسلمان اور غیر مسلم اقوام المدینہ کے دفاع میں مل کر حصہ لیں گی۔

۲۔ سب کو آزادی سے اور کھلم کھلا اپنے مذہب کی پیروی اور رسوم کی ادائی کی اجازت ہوگی۔

۳۔ مظلوموں کی حفاظت کی جائے گی۔

۴۔ خون بہانے، قتل و غارت اور تشدد کی ممانعت ہوگی۔

۵۔ سب کو جان و مال سے لطف اٹھانے کی آزادی حاصل ہوگی اور تمام قومیں مشترکہ دفاع اور مشترکہ بھلائی میں ایک دوسرے کی مدد کریں گی۔

بلاشبہ یہاں ہمیں لیگ آف نیشنز کے چارٹر کا نمونہ ملتا ہے۔

۱۹۲۶ء میں پروفیسر سنوک ہرگرونج نے اپنے علمی مقالے (لیکچرز)[1] میں اس حقیقت کا اعتراف کیا اور یہ لکھا:

"لاریب بنی نوعِ انسان کی مجلس کا مثالی تصور پہلے ہی اسلام میں موجود ہے کیونکہ لیگ آف نیشنز اسی بنیاد پر قائم کی گئی۔ اسلام نے انسانی نسلوں کی مساوات کا اصول اس سنجیدگی سے قبول کیا ہے کہ دوسری قوموں کو اس پر شرم آتی ہے۔"

آج دنیا ایسی عالمگیر قوم کا تقاضا کرتی ہے جس میں آدمی آدمی کے درمیان

---

[1] عنوان تھا: THE MUSLUM WORLD TODAY

Marfat.com

امتیاز نہ رہے، مذہب، نسل اور رنگ کا فرق نہ رہے۔ جس میں چھوٹے بڑے امیر غریب، توانا اور ناتواں سب کو یکساں حقوق اور مراعات حاصل ہوں۔ جس میں تمام انسانوں میں اتفاق، امن اور صلح قائم رہے اور کوئی شخص کسی کے حقوق پامال نہ کرے۔ اسلام نے اس سلسلے میں دور تک رہنمائی کی ہے۔

بین الاقوامی قانون دان پروفیسر رافیل کیمکن جس نے نسل کشی کے ضمن میں اقوام متحدہ کی قراردادوں کا مسودہ تیار کیا، کامل طور پر اس بیان کی تائید کرتا ہے۔ ۱۹۵۶ء کے "چیانگ کانگ اگزیمینر" میں پروفیسر موصوف کا ایک مضمون نقل کیا گیا جس میں اس نے اقرار کیا کہ تاریخ کے مختلف مرحلوں پر مسلمان مردوں اور عورتوں بالخصوص بارہویں صدی میں اسلامی ہسپانیہ کی تباہی اور پھر ۱۹۴۷ء میں برعظیم ہند کی تقسیم کے موقع پر ہولناک تباہی سے اسے تحریک ملی۔ عام عالمی صورت حال کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر موصوف نے کہا —— "پچھلے چالیس سال میں کوئی بیس لاکھ انسان نسل کشی کے اقدام میں تباہ ہوئے ہیں۔"

قرارداد کی اصل شرائط کا حوالہ دیتے ہوئے پروفیسر موصوف نے کہا:

"مسلمانوں کے لیے میں مزید کہوں گا کہ میں نے جس قرارداد کا مسودہ تیار کیا ہے وہ پوری طرح قرآن کے مطابق ہے کیونکہ انسانی علم کے مطابق اسی میں سب سے زیادہ رواداری اور بین الاقوامی شعور والا مذہب مذکور ہے۔ یہودیت اور نصرانیت کے پیغمبروں کو قبول کرنا اور دوسرے لوگوں کی عبادت گاہوں کی بے حرمتی سے منع کرنا اس دین (اسلام) کی انسان دوستی اور جذبۂ رواداری کی مثالیں ہیں۔"

Marfat.com

# اسلام اور بین الاقوامی قانون

اسلام سے قبل حقیقی معنی میں بین الاقوامی قانون ناپید تھا۔ کوتلیہ اور منو[1] نے صلح و جنگ کے جو قوانین وضع کیے وہ صرف ہنود کے لیے تھے اور یونان اور روما کے قوانین ان لوگوں کے لیے تھے جو ان کے مفتوحہ علاقوں میں رہتے تھے۔ لاریب صرف ایک سو سال ہوئے کہ یورپ کے بین الاقوامی قانون نے ۱۸۵۶ء میں جاپان اور ترکیہ کو پہچانا اور مغرب نے غیر نصرانی اقوام سے مل برتنے کے لیے خود کو تیار کیا۔ خلاف ازیں اسلام نے ابتدا ہی سے تمام اقوام کے حقوق پہچاننے میں آمادگی ظاہر کی۔ ہنوز اسلام تنہا تمام اقوام کے حقوق پہچانتا ہے کیونکہ مغرب کے بین الاقوامی کی مانند یہ مہذب اور غیر مہذب میں امتیاز تلاش نہیں کرتا۔

پروفیسر واکر نے اپنی کتاب "اقوام کے قانون کی تاریخ"[2] میں اس امر کا

---

[1] کوتلیہ (چانکیہ) اور منو ہندوؤں کے دو عظیم ترین مقنن تھے۔ بھارت میں آج بھی ان کے رسوائے عالم قوانین کی پابندی کی جاتی ہے۔ کوتلیہ نے سیاسی مصلحت کو فریب کی حد تک جائز قرار دیا۔ منو نے انسان کو چار طبقوں (برہمن، کشتری، ویش، شودر) میں بانٹا۔ انسانی تہذیب کی تاریخ میں منافرت کی اس سے بدتر مثال کم ہی ملے گی۔ بھارتی ہندو اس لیے بھی مسلمان کا دشمن ہے کہ اس کا مذہب یعنی اسلام طبقاتی تقسیم کا سخت ترین مخالف ہے۔ اسلام میں اخوت، مساوات اور بلاامتیاز عدل کو اساسی درجہ اول ہے مترجم

Marfat.com

اشارہ کیا ہے کہ بین الاقوامی قانون سے متعلق عربی تالیفات ازمنۂ وسطیٰ کی یورپین یونیورسٹیوں میں اشتیاق سے پڑھی جاتی تھیں۔ اکثر رومن کیتھولک پوپ اور پروٹسٹنٹ لوتھر[1] عربی کے سنجیدہ طالب علم تھے۔ قانونِ جنگ کے بارے میں ایالہ، وکٹوریہ، جنٹائلز اور گروٹیس کی تمام کتابیں جہاد کے بارے میں سامانی عربوں کی تصانیف کی بنیاد پر لکھی گئیں۔ یاد رہے کہ یونان اور روما میں جہاد وغیرہ کے انداز کی کوئی شئے نہ تھی۔ بین الاقوامی قانون بھی یورپ کی تحریک احیائے علوم و فنون کی پیداوار ہے اور اس تحریک کو اسلام کے ان اثرات نے جنم دیا جو اسلامی اُندلس میں گلفشاں ہوئے اور عیسائیت نے انہیں قبول کیا۔

عربوں کے بین الاقوامی قانون کی بنیاد تلاش کرنے کے لیے کسی کو اسلامی اُندلس سے رجوع کرنے کی ضرورت نہیں۔ ایک بار پھر قرآنِ مجید میں وہ تمام بنیادی اصول ملیں گے جو آج مروّج ہیں۔ قرآن تنبیہاً کہتا ہے ——

> "اے ایمان والو! تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جس پر عمل کرنے کی نیت نہیں رکھتے۔ اللہ اسے بہت ناپسند کرتا ہے کہ تم ایسی بات کہو جس پر عمل نہ کرو![2]"
>
> سورۃ ۶۱، آیات کریمہ ۲، ۳

## عہد و پیمان کا تقدّس

تمام بین الاقوامی قانون کی بنیاد لازمی طور سے عہد و پیمان اور معاہدوں پر رکھنی

---

[1] مارٹن لوتھر۔ معروف مصلح جو اسلامی تعلیمات سے متاثر ہوا۔ مترجم

[2] يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ۝

Marfat.com

چاہیے۔ اور اس سلسلے میں قرآن واضح تر انداز سے رہنمائی کر سکتا ہے۔ قرآن میں کہا گیا ہے ——

" جب آپس میں عہد کر لو تو اللہ کا عہد پورا کرو اور پکی کرنے اور اللہ کو گواہ بنانے کے بعد اپنی قسمیں نہ توڑو۔ تم جو کچھ کرتے ہو بے شک اللہ اسے جانتا ہے اور اس عورت کی طرح مت کرو جس نے بڑی محنت سے سوت کاتا اور پھر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ کیا تم اپنے معاملات میں دھوکا دینے کے لیے قسمیں کھاتے ہو تاکہ ایک قوم دوسری سے زیادہ دنیاوی نفع حاصل کرے۔ اللہ ان عہد و پیمان اور معاہدوں کے ذریعے تمہیں آزمائش میں ڈالتا ہے اور روزِ قیامت تم پر وہ بات واضح کر دے گا جس میں تم اختلاف کیا کرتے تھے[1]" سورۃ ۱۶، آیاتِ کریمہ ۹۱، ۹۲

---

[1] وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ط اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ہ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ط تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ط اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ط وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ہ

Marfat.com

## ذاتی دفاع کا حق

قوت کے ذریعے کسی قوم کے دفاعی حقوق کی نسبت بھی قرآن واضح ہے۔ نومبر ۱۹۵۶ء میں یہ نکتہ اقوام متحدہ کے زیر بحث رہا ہے۔ قرآن میں کہا گیا ہے

"جو تم سے لڑیں ان سے اللہ کی راہ میں لڑو اور زیادتی نہ کرو۔ بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"[1] سورۃ ۲، آیت کریمہ ۱۹۰

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے :۔

جو شخص اپنے دفاع میں لڑتا اور مارا جاتا ہے شہید ہے۔ جو اپنے کنبے کے دفاع میں لڑتا اور مارا جاتا ہے شہید ہے اور جو اپنے مال کے دفاع میں لڑتا اور اللہ کی راہ میں مارا جاتا ہے شہید ہے۔"

خلاف ازیں کسی موقعے پر بھی قرآن مجید میں مسلمانوں کو جارحیت پر اکسایا نہیں گیا۔

## سفیروں کے حقوق

مسلمانوں نے دوسری طاقتوں کے سفیروں اور ایلچیوں کے حقوق پہچاننے میں

---

[1] وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝

Marfat.com

بھی جلدی کی۔ ان کے عملوں کے تمام ارکان کامل طور پر امن و امان سے بہرہ یاب ہوتے، کبھی ہلاک نہ کیے جاتے، کسی طور ان سے بدسلوکی کی جاتی نہ ان کی بے عزتی کی جاتی۔ اگر کوئی سفیر کسی ایسے ملک کے خلاف سازش کرتا جس میں اسے متعین کیا جاتا تب بھی وہ ان مراعات سے نوازا جاتا۔ جعلی اور کاذب نبی کے سفیروں سے سلوک کا مسئلہ درپیش ہوا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا۔ "اگر تم ایلچی نہ ہوتے تو میں تمہارے قتل کا حکم دیتا۔"

## خارجہ پالیسی کے اصول

اسلامی ریاست کو جس خارجہ پالیسی پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔ قرآن اور سنت میں ان کے اصول یوں مرتب کیے گئے ہیں۔

۱۔ اسلامی ریاست نہ دوسری ریاستوں کو فریب دینے کی کوشش کرے نہ ایسی ذمہ داریاں قبول کرے جن سے عہدہ برآ ہونے کی نیت نہ رکھے۔

۲۔ اپنا عہد نہ توڑے۔

۳۔ اپنے پڑوسیوں پر اشتعال انگیز حملے نہ کرے۔

۴۔ اپنے فائدے کی خاطر دوسرے ملکوں میں سازشوں اور بغاوت کی حوصلہ افزائی نہ کرے۔

۵۔ ظلم و تشدد کے اقدامات میں کسی دوسری ریاست کی حمایت کرے نہ اس کی حوصلہ افزائی کرے۔

۶۔ جب یہ دشمن کو شکست دے چکے تو انتقامی جذبے کی تسکین کے لیے اسے ذلیل کرنے والی چوٹیں نہ لگائے۔ ایک آدمی کا انتقامی اور ذاتی نفرت

Marfat.com

کا جذبہ ریاست کی ناقص پالیسی کا آئینہ دار ہے کیونکہ یہ دشمنی کو طول دیتا اور آنے والی مشکلات کا بیج بوتا ہے۔

## مغربی قومیت لازماً بین الاقوامیت کو جگہ دے گی

مغرب میں ایسے مفکروں کا فقدان نہیں جو اس امر کے خواہاں ہیں کہ بین الاقوامیت کی طاقتیں احساس اور سوچ کے پیمانے قومی طریقوں کی جگہ لے لیں۔

ایک اشتراکی مفکر ولیم برینڈٹ نے ۱۹۴۴ء میں لکھا ــــ

"نام نہاد (مغربی) قوم پرستی ہی تمام جنگوں کی جڑ بنیاد ہے۔ لہٰذا قوم پرستی کے نظریے اور تخیل کو (جیسا کہ اسلام میں ہے) پاک صاف کر کے سچی بین الاقوامی اخوت میں منتقل کرنا پڑے گا۔ عالمی سیاست کو قوم پرستی نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔ جرمن مصنف فریڈرک ہرٹز کہتا ہے ــــ کیا المیہ ہے! انسانی اخوت کی راہ میں قوم پرستی کا جذبہ یا نام نہاد حب وطن ہی سب سے بڑی وہ رکاوٹ ہے جس نے لوگوں کو متعدد جیلوں کی طرح ہوا بند کمروں میں قید کر رکھا ہے۔ جارج اے ڈیزی اور فریڈک ہرٹز[1] اپنی کتاب 'انسانی تصادمات کی بنیادیں' میں لکھتے ہیں۔ میں اپنے امریکی ورثے پر فخر کرتا ہوں لیکن اس سے زیادہ مجھے اپنے آدمی ہونے پر فخر ہے۔ مجھے

---

[1] FOUNDATIONS OF HUMAN CONFLICT.

Marfat.com

پورا پورا یقین ہے کہ آج قوم پرستی کا جذبہ انسانیت کا سب سے بڑا دشمن ہے اور تہذیب اور ترقی کی راہ میں یہی خطرناک ترین رکاوٹ ہے۔"

## اسلام میں ــــ پہلی لیگ آف نیشنز

ایک مرتبہ پھر سر طامس آرنلڈ کا حوالہ دیا جاتا ہے ــــ "صرف اسلام میں صحیح اور قابلِ عمل طریقے سے لیگ آف نیشنز کے حقیقی تخیل تک رسائی ہوئی۔"
اسلام کے عظیم شاعر اقبال نے بیان کیا ہے کہ کس طور ایک بار پھر اسلام نے علمی اور روحانی حقیقتوں میں ہم آہنگی پیدا کی ہے اور وہ بھی اس انداز سے کہ اس سے لیگ آف نیشنز کا مثالی نظریہ عملی شکل اختیار کرے۔
مجھے ایسا لگتا ہے جیسے خدا ہم تک یہ صداقت پہنچا رہا ہو کہ اسلام میں قوم پرستی ہے نہ ملوکیت بلکہ 'لیگ آف نیشنز' کا وجود ہے جو مصنوعی سرحدوں اور نسلی امتیازات کو سہل تذکرے کی خاطر درخورِ اعتنا کرتا ہو نہ کہ اپنے ارکان کے معاشرتی افق کو تنگ کرنے کے لیے۔ اسلام کے نزدیک مثالی اور حقیقی ــــ دو مخالف و متضاد قوتیں نہیں جن میں ہم آہنگی پیدا نہ کی جا سکے۔ مثالی مقصد کی زندگی اس امر سے قائم نہیں کہ حقیقت سے کامل لاتعلقی رکھی جائے جو زندگی کے حیاتیاتی وجودِ کاملہ کو توڑ پھوڑ کر تضادات میں منتقل کر دے۔ بلکہ یہ تو مثالی زندگی کی دائمی کوشش ہے کہ انجام کار اسے جذب کر لینے، اسے اپنے میں بدل لینے اور اس کے پورے وجود کو منور کرنے کی غرض سے حقیقی زندگی کو موزوں بنائے۔ حقیقی اور مثالی زندگی کے رشتے کو پہچانتے ہوئے کہا گیا ہے۔ "زندگی کا حقیقی ضابطہ دریافت کرنے کی غرض سے دنیا کے اسلوب کو زیر کرنا چاہیے۔"

Marfat.com

اسلام کی روحانی بنیاد تمام دنیا کے لیے سرچشمۂ امید ہو سکتی ہے کیونکہ وہی جو بین الاقوامیت ہے وہ عالمگیر پیمانے پر وجہِ خیر و برکت ہے اور اسلام میں "آدمیوں کے درمیان امن قائم رکھنے" سے بڑھ کر موجب خیر اور کیا شے ہے۔

ڈاکٹر آر۔ آر۔ میرٹ نے اس نظریے کی عظمت و اہمیت کو ان الفاظ میں سمو لیا ہے ——

"صحیح ترقی وہ ہے جس سے خیر میں ترقی ہو۔ دوسری تمام ترقیاں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔ اسلام میں سخاوت کا مفہوم صرف مفلس اور حاجت مند کو بھیک دینا نہیں۔ اس کا مفہوم اپنے اندر سب کچھ سمو لینا اور جامع ہونا ہے۔ رسول اکرم (صلعم) نے کہا ہے —— ہر اچھا کام خیر ہے۔ اپنے بھائی کے روبرو تمہارا ہنسنا سخاوت ہے اور اپنے ساتھیوں کو نیک کام کی تاکید کرنا بھی سخاوت کے برابر ہے۔ کسی بھولے بھٹکے کو سیدھی راہ پر ڈالنا سخاوت ہے اندھے کی مدد کرنا سخاوت ہے۔ سڑک پر سے تمہارا پتھر، کانٹے اور دوسری رکاوٹیں دور کرنا سخاوت ہے پیاسے کو پانی دینا سخاوت ہے۔ آدمی کی اخروی زندگی کی دولت وہ نیکی ہے جو وہ اپنے ساتھیوں سے اس دنیا میں کرتا ہے۔ جب وہ مر جائے گا تو لوگ کہیں گے —— اس نے اپنے پیچھے کیا املاک چھوڑی ہیں؟ لیکن فرشتے پوچھیں گے

Marfat.com

——— "اس نے اپنی آمد سے پہلے کون سے نیک اعمال بھیجے ہیں؟" اس میں ایک عالمگیر نظریہ موجود ہے۔

Marfat.com

موخر الذکر علاقوں نے بڑھنا
اس کی ایک واضح
افریقہ میں پروان
نمایاں قوت
تھا

# تیسرا حصہ

Marfat.com

# احیاء

## اسلام ـــــ ایک جاں بخش قوت

قارئین نے پچھلے باب میں ملاحظہ کیا کہ اسلام نے دنیا کو حقوقِ انسانیت کا پہلا منشور دیا۔ اس نے وہ اعلیٰ اصول مرتب کیے جن پر آج اقوام متحدہ کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ مغربی دنیا نے انہیں عملی شکل دینے کی اب کوشش کی ہے اور اسلام نے اس سے کوئی تیرہ سو سال قبل یہ کارنامہ کر دکھایا۔ عہدِ حاضرہ میں متعدد مسلم اقوام میں قوم پرستی کا زبردست جذبہ ابھر رہا ہے اور نئی قوت اور تقدیر بدلنے کا عزم بھی ہے اگر اس نئی قوت کو اسلام کی نئی روحانی آگہی سے بالا اور جاندار کیا جا سکتا ہے تو پھر بنی نوعِ انساں کی بھلائی کے لیے ممکن حد تک اس کا اثر ہو گا۔

۱۷ جولائی ۱۹۵۵ء میں روزنامہ "ڈان" میں "تہذیب کا مستقبل" کے عنوان سے آر۔ سی مودت کا مضمون نقل کیا گیا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ عرب اقوام اپنی تہذیب کے ایک نئے اور فعال دور میں داخل ہو رہے ہیں۔ اس کے ممکن نتائج کا تجزیہ بھی کیا گیا۔ مسٹر مودت گرین وچ کے رائل نیوی کالج میں تاریخ کے معلم اعلیٰ ہیں۔ لکھتے ہیں ـــــ

"تہذیب نے بے شک بہ استقلال یکساں رفتار سے ترقی نہیں کی۔ چند

Marfat.com

علاقے آگے نکل گئے ہیں، باقی ساکن و جامد رہے ہیں۔ مؤخر الذکر علاقوں نے بڑھنا شروع کیا ہے۔ اول الذکر علاقے جمود کا شکار ہو گئے ہیں۔ اس کی ایک واضح مثال تابدار اسلامی تہذیب ہے جو اس وقت مشرقِ وسطیٰ اور شمالی افریقہ میں پروان چڑھی جب مغربی یورپ ابد ندگی کے عالم میں تھا لیکن مغرب کو ایک فعال قوت بنانے کے بعد مشرقِ وسطیٰ کی اسلامی تہذیب جامد ہو کر رہ گئی۔ اب پھر آثار بتا رہے ہیں کہ ایشیا کی تہذیبیں نئے فعال مرحلے میں داخل ہو رہی ہیں۔ ادھر افریقہ بے طور بیدار ہونے کے بعد زمانے کے انقلاب میں شامل ہو رہا ہے۔" آگے چل کر مسٹر مودت نے بتایا ہے کہ کسی تہذیب کے احیاء میں روحانی قوتیں جاندار عوامل کا کام کرتی ہیں ــــــ " اس کے یہ معنی ہیں کہ نئے نظام کی سمت جانے کے لیے تبدیلی کے آثار کے معاصرانہ منظر کا معائنہ کرنے پر فنی ایجادات اور اپنے وقت کے سیاسی انقلاب پر توجہ مرکوز کرنا کافی نہیں۔ مورخ کے لیے روحانی قوتوں کی نمود لازماً خاص معنویت رکھتی ہے ــــــ ایسی معنویت جو بعض نہایت واضح نظریات میں ظاہر ہوئی ہے۔ مثلاً یہ پہلی تاریخی تہذیب کی اساس تھی اور اس نے بعد کی تہذیبیں پروان چڑھائیں۔ یہ نظریاتی قوتیں مستقبل کے عالمی نظام کی تشکیل میں لابدی طور پر اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ آج ہمیں تین ممکن صورتیں درپیش ہیں ــــــ

۱۔ نئے سرے سے خانہ جنگی کا آغاز۔

۲۔ طویل دورِ زوال جس کی نمایاں خصوصیت نوکر شاہی یا مادیت پرستی کے انداز کی ایک یا ایک سے زائد مطلق العنان حکومتیں ہوں۔

۳۔ ایک یکسر نئے انداز کا عالمی معاشرہ جو اخلاقی اور روحانی نظریے کی بنیاد پر قائم ہو۔

ہم قیاس کر سکتے ہیں کہ اخلاقی اور روحانی قوتیں اس ترقی میں ہمہ گیر طور پر اہم

Marfat.com

کردار ادا کریں گی اور زمانے کا عظیم ترین انقلاب برپا کرتے ہیں لوگوں کو ابھاریں گی اور فعال ثابت ہوں گی ۔

یہ عظیم روحانی اور اخلاقی قوت صرف اسلام سے حاصل ہو سکتی ہے ۔ یہی وہ مذہب ہے جو آدمی کی زندگی کو غیر ترقی پذیر شعبوں میں تقسیم نہیں کرتا بلکہ روزمرہ کے ہر عمل میں اخلاقی اور روحانی قدر داخل کرتا اور فوری طور پر اس قدر قابلِ عمل اور ہمہ گیر ہے کہ تہذیب کے تمام مرحلوں پر بنی نوعِ انساں کی ضرورتیں پوری کرتا ہے ۔ قرآنِ مجید میں آیا ہے ____

" اور تم بہترین اُمت ہو جسے نسلِ آدم کی بھلائی کے لیے پیدا کیا گیا ۔ تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور بُرے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو ۔[1]" سورۃ ۳ ، آیت کریمہ ۱۰۹

اور قرآنِ مجید میں یہ بھی کہا گیا ہے ____

" ہم نے تمہیں افضل اُمت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہی دو اور رسول تم پر گواہی دیں ۔[2]"

سورۃ ۲ ، آیت کریمہ ۱۴۲

آج کی دنیا میں جبکہ ایک طرف تو ملحدانہ نظامِ اشتراکیت کی قوتیں ظاہر ہو

---

[1] کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۔

[2] وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ط

Marfat.com

ہی ہیں اور دوسری طرف مغرب کے غیر یقینی رشتے ہیں لاریب اس افضل امت کے ابھرنے کا وقت آگیا ہے جس کا حوالہ قرآنِ مجید میں آیا ہے۔ لیکن پیشتر ازیں کہ افریقہ، ایشیا اور مشرقِ وسطیٰ کے مسلمان خدا کے سچے راستے ــــ "راہِ اعتدال" پر گامزن ہونے کے لیے متحد ہوں انہیں پھر سے اپنے لیے اسلام کی روحانی و اخلاقی قدریں دریافت کرنی چاہئیں۔

بدقسمتی سے کتنے ہی نوجوان اس حقیقت پر یقین رکھنے کے آرزومند نہیں کہ اسلام میں نئی قوت اور نئی زندگی بخشنے کی حیرت انگیز صلاحیت پائی جاتی ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ کس بری طرح بے شمار مسلمان کسانوں کی زندگی پسماندگی اور محرومی کا شکار ہے پھر زقند لگا کر اس غیر قدرتی نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اسلام معاشرہ اور اسلام کا اقتصادی نظام نئی دنیا میں کسی قسم کی مفید خدمت سرانجام نہیں دے سکتا۔ بالآخر مغرب کی فنی مہارت اور اقتصادیات پر تان ٹوٹتی ہے۔ وہ بھول جاتے ہیں کہ اسلام کبھی ترقی کے خلاف رہا نہ اس نے فنی اختراعات و ایجاد سے گریز کیا بلکہ خلاف ازیں جیسا کہ اس کتاب کے پہلے حصے میں عیاں کیا گیا ہے۔ اسلام دنیا کا وہ پہلا مذہب ہے جس نے علم و فن کے تمام شعبوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے سائنس اور ٹیکنالوجی کی حوصلہ افزائی کی۔

نسلِ انسانی کو جدوجہد اور بحران کے دور میں صرف صنعت و حرفت کے فن کی پیشکش کافی نہیں۔ نسلِ انسانی کو اُمید پیش کرنی چاہیے ــــ اور اکثر غیر معمولی ذہانت کے اسکالر جن میں مغرب کے صفِ اوّل کے مفکر شامل ہیں۔ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اسلام ہی پوری دنیا کے مستقبل کی اُمید ہے۔

Marfat.com

# اِحیائے اسلام کے بارے میں مغرب کے چند دانشوروں کی آراء

ہنگری کا ممتاز معلّم پروفیسر جرمینس لکھتا ہے ـــــــ

" اسلام کی اخلاقی تعلیمات ہی اس کے اِحیاء کے لیے رہبری کرتی ہیں۔ یہ تعلیمات جو ہر مضبوط و مستحکم معاشرے کے ستون ہیں ـــــ عدم اعتماد، جھوٹ اور بد دیانتی کو مسترد کرتی ہیں۔ وہ بے کسوں کی خود غرضانہ لوٹ کھسوٹ کرنے والوں کی مذمت کرتی نیز چوری اور ڈاکے پر سخت سزا دیتی ہیں۔ ذہنی صلاحیتیں اور محنت کو فرد کی ذاتی مِلک سمجھا جاتا ہے کیونکہ یہ دیانتدارانہ مساعی کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ سُنّتِ نبوی سنجیدہ کام اور اپنی ذات کے نظم وضبط کو لازم قرار دیتی ہے نہ کہ نعروں اور نفرت کو۔ انہی کی بدولت مسلمانوں کے اِحیاء کا راستہ ہموار ہو گا۔

سر ولیم وِلفریڈ اپنی کتاب " اسلام کا مستقبل " میں کہتا ہے ـــــ

" اولادِ آدم کو دینے کے لیے اسلام کے پاس اتنا کچھ ہے کہ یہ ان کا دل موہ لینے میں ناکام نہ رہے گا۔ ترقی یافتہ یورپ اور عیسائیت کسی شکل میں اتنا نہیں دے سکتی۔

ڈبلیو۔ ای۔ ہاکنگ لکھتا ہے ـــــ

" میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ اسلام اپنی

Marfat.com

نشو و ارتقاء کے لیے بہ کثرت ضروری اصول و قوانین
رکھتا ہے۔ فی الواقع یہ کہا جا سکتا ہے کہ دنیائے
مغرب تہذیب و تمدن کی جس ترقی پر بھی فخر کر سکتی
ہے تیرھویں صدی کے وسط میں اسلام اس کا وسیلہ
تھا۔ میں یہ جتا دوں کہ یہاں میں صرف اسلامی
قانون شریعت کا ذکر کر رہا ہوں جو مسلمانوں کی
مملکت کے اصل قانون کا ایک حصہ ہے۔ مقامی
رسم و رواج اور مقامی حکمرانوں کے احکام کی بنیاد پر
اسلام عام زندگی میں بالخاصہ اپنا کام چلاتا رہتا ہے۔
اس کی شدت تو زیادہ تر ان ذاتی اور خانگی معاملات
میں پائی جاتی ہے جو مذہب کے اخلاقی شعور سے
واسطہ رکھتے ہیں۔"

مرمڈیوک پکتھال نے کہا ہے، "اسلام کا نصب العین ترقی ہے"۔ وہ مندرجہ ذیل سطور میں رقمطراز ہے ——

"اسلام ایسا مذہب ہے جو بطورِ خاص انسانی ترقی
کا نصب العین رکھتا ہے اور متعدد اوامر و نواہی کے
ذریعے اس کے حصول کا صحیح راستہ دکھایا ہے۔ یہ
امر امرونواہی آدمی کی روزمرہ کی زندگی کے ہر مشغلے،
اس کی معاشرتی زندگی اور سیاسیات نیز اس کے
ذہن اور اس کی روح کی ہر تحریک پر حاوی ہیں۔
"یہ احکامِ الٰہی —— اوامر و نواہی ایک مکمل معاشرتی و

Marfat.com

سیاسی نظام میں بہ شکلِ قانون نافذ کیے گئے ہیں۔ یہ حقیقت تاریخ کے لیے تحت حیرانی کی موجب ہے کہ اس نظام پر کامیابی سے عمل بھی کیا گیا ہے۔ کئی مصنفوں نے اسلام کی حیرت خیز کامیابی کو خارجی اسباب سے منسوب کرنے کی کوشش کی ہے لیکن وہ اس حقیقت کی کیونکر وضاحت کریں گے کہ مسلمان جب بھی مقدس قانونِ شریعت کے کسی خاص حکم پر دل سے عمل پیرا رہے وہ اس سے متعلقہ شعبے میں کامیاب رہے اور جب انہوں نے اس کی پیروی میں کوتاہی کی ناکام ہوئے۔"

تھیوڈور موریسن کا ایک مقالہ بہ عنوان "انگلستان اور اسلام" NINETEENTH CENTURY AND ISLAM کے جون ۱۹۱۹ کے شمارے میں چھپا تھا۔ اس میں وہ لکھتا ہے:۔

"سچ تو یہ ہے کہ اسلام مذہب نہیں ہے، اس سے زیادہ ہے۔ یہ ایک مکمل معاشرتی نظام ہے۔ یہ ایک تہذیب ہے جس کے پاس اپنا فلسفہ ہے، اپنا کلچر ہے اور اپنا آرٹ ہے اپنی حریف عیسائی تہذیب کے خلاف طویل جدوجہد کے دوران میں یہ ایک ایسی حیاتی وحدت بن گیا ہے جو اپنے آپ سے آگاہ ہے۔ کسی مسلمان کا یہ عقیدہ نہیں کہ اسلامی تہذیب مردہ ہو چکی یا مزید ترقی کے ناقابل ہو کر رہ گئی ہے۔"

Marfat.com

ایک عظیم امریکی عالم تو تھورپ نے ملٹوڈرڈ رنگ ونسل کے مسائل کا جائزہ لیتے ہوئے یہ ریمارکس دیے ہیں ——

"موٹی بات یہ ہے کہ مشرقِ قریب بنیادی وحدت یعنی اسلام کی حامل ہے۔ یہاں کی عیسائی اور یہودی اقلیتیں ماضی کے طویل ادوار کی مقامی باقیات ہیں۔ اب اسلام مذہب سے بڑھ کر ایک شے ہے۔ یہ ایک ثقافت ہے، ایک مسلکِ حیات ہے۔ تاہم مغربیت کے ذریعے اس کی ترمیم ہو سکتی ہے لیکن اسلام کی بنیاد پر نئی ترقی کا دارومدار رہے گا۔ اسلام جامد ہے نہ زوال پذیر جیسا کہ اکثر اہلِ مغرب فرض کرتے ہیں۔ یہ خوب جاندار ہے اور مدت سے صحیح طور ارتقار کے عمل سے دوچار ہے۔ دو صدی قبل اسلام انتہائی زوال یا ضعیفی کو پہنچا۔ اس کے بعد وہ تحریک شروع ہوئی جو اِحیائے اسلام کے نام سے معروف ہے —— یہی وہ روحانی عمل ہے جو کبھی رکتا تھمتا نہیں جو معروفِ کار رہتا ہے اور اہم نتیجہ پیدا کرنے کے لیے جاری و ساری رہتا ہے۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ تحریکِ احیاء مغرب کے اثرات کی مرہونِ منت نہ تھی۔ یہ اسلام کی اپنی توانائی سے نمودار ہوئی تھی۔"

نامور مصنف آنجہانی برنارڈ شا تمام مذاہب میں اسلام کو سب سے اہم مذہب سمجھتا تھا۔ وہ لکھتا ہے ——

Marfat.com

" میں نے ہمیشہ اسلام کو اپنی حیرت خیز توانائی کی بدولت وقیع ترین گردانا ہے۔ مجھے صرف یہی ایسا مذہب لگتا ہے جس میں زندگی کی بدلتی ہوئی صورتیں قبول کرنے کی صلاحیت ہے اور اس کا یہی وصف ہر زمانے کے لیے اپنے اندر کشش رکھتا ہے میں نے اس محیّر العقول انسان (حضرت محمدؐ) کی زندگی کا مطالعہ کیا ہے۔ میرے خیال میں وہ ذرا بھی خلافِ مسیح نہیں۔ اسے بالضرور نسلِ انسانی کا نجات دہندہ کہنا چاہیے۔ میرا عقیدہ ہے کہ اگر ایسا آدمی آج کی دنیا کی عنانِ آمریت سنبھال لے تو وہ اس کے مسائل بدیں طریق حل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا کہ اسے اپنا بہ شدت مطلوبہ امن اور مسرت مل جائے۔ میں نے دینِ محمد کی نسبت پیشگوئی کی ہے کہ جس طرح آج کے یورپ میں اس کی قبولیت شروع ہے۔ اسی طرح کل کے یورپ کے لیے یہ قابلِ قبول ہو گا۔

سچ پوچھیں تو جارج برنارڈ شا نے یہاں تک کہہ دیا کہ یورپ کی اسلام پسندی کا دَور شروع ہو چکا ہے۔ وہ لکھتا ہے، " انیسویں صدی ہی میں کارلائل، گبن اور گوئٹے ایسے دیانت دار مفکروں نے محمدؐ کے دین کی حقیقی قدر و منزلت جان لی تھی اس وقت کئی آدمیوں نے اس کا دین اختیار کر لیا ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ یورپ کے قبولِ اسلام کا عہد شروع ہو چکا ہے۔

مشہورِ زمانہ کثیر الاشاعت امریکی میگزین ' لائف ' نے ۱۹۵۵ء کے ایک شمارے

Marfat.com

میں اسلام کی قدر و منزلت اور گفتگو پر کئی صفحے صرف کیے۔ اس میں بھی اسلام کی توانائی اور لچک کی تعریف کی گئی ——

" اسلام آدمی کا سب سے کمن عظیم عالمگیر مذہب ہے کئی لحاظ سے یہ سادہ ترین اور واضح ترین ہے۔ یہ واحد قادرِ مطلق خدا کی تحسین و تکریم کرتا ہے۔ اس کا بانی محمدؐ تھا نہ کہ مسیحا لیکن خدا نے اسی کا انتخاب کیا اور اسی کے ذریعے بات کی۔"

" اسلام سادہ، صاف و صریح اور مثبت مسلک ہے اسی کشش کے سبب سے اسلام میں مسلسل قوت اور پائیداری آئی ہے۔ اسی کے طفیل تیرہ سو سال اسلام کی وحدت قائم رہی۔ اسلام مذہب سے کہیں زیادہ ہے۔ یہ ہمہ گیر نظامِ حیات ہے جو اس حد تک خیال و عمل کی رہبری کرتا ہے کہ دنیائے مغرب میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ یہ عقیدہ کہ خدا ہمہ گیر فرماں روا اور ہمہ داں مصنّف ہے۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کو ایسا وقار اور اعتماد بخشتا ہے جو عالمی سطح پر ان کے برتاؤ پر اثر ڈالنے سے نہیں چوکتا۔ یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ جس طور اسلام کروٹ لے گا اس سے دنیا کے مستقبل پر بڑا اثر پڑے گا اور اس کے زیادہ روشن خیال رہنما اس حقیقت سے حتمی طور پر آگاہ ہیں۔ سمت کا دارومدار بس اس آخری تجزیے پر ہے کہ اسلام

Marfat.com

کس قدر کامیابی سے وقت اور تاریخ کے بدلتے ہوئے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو جاتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ کتنے ہی مسلمان اپنے روحانی مسائل کو واقعی مشکل سمجھتے ہیں۔ یہ بات خود محمدؐ نے دیکھی۔ جب وہ جنگ سے لوٹے تو اپنے صحابہ سے کہا، 'تم ایک چھوٹی جنگ سے بڑی جنگ کی طرف آئے ہو'۔ انہوں نے پوچھا، 'اے خدا کے رسول! وہ بڑی جدّوجہد کیا ہے'۔ آپؐ نے جواباً کہا، 'داخلی کشمکش'۔"

ایک ممتاز عمرانیات داں جارج لِک اس اسلوب کی تعریف کرتا ہے جس سے اسلامی شریعت ہنوز ان اسلامی معاشروں کو بھی گرانقدر معاشرتی ڈھانچہ عطا کرتی ہے جن میں روحانی زوال نمایاں ترین ہوتا ہے۔

"تہذیب عالم میں اسلام کی اہمیت اتنی زیادہ اس کے غیر نمایاں عقیدوں کے باعث نہیں جتنی امتِ مسلمہ کی ہدایت کے لیے اس کے قانونی نظام اور معاشرتی ضابطے کی مربوط قوت کی بدولت پائی جاتی ہے جس کا آغاز خود پیغمبرِ اسلام نے کیا، قرآن میں یہ نظام و ضابطہ منضبط ہُوا اور خلفاء کے عہد میں اس نے روایات کی شکل اختیار کی۔

یہی وہ اصول اور ضابطے تھے جو سادہ عقیدوں کی بنیادوں پر مسلّط و نافذ کیے گئے۔ انہی نے انفرادیت پسند عرب قبیلوں کو فتحمند قوت کے طور پر متحد کیا

Marfat.com

جن سے دنیائے اسلام کے عظیم ترین دور میں اس کے قومی اور ثقافتی تنوع میں معاشرتی اتحاد استوار رہا نیز آج صدیوں کے زوال اور غفلت کے بعد بھی اسی سے وحدت کا شعور قائم ہے۔ موجودہ مشینی عہد نے مذہبی عقیدوں کے بارے میں مسلمانوں کا ایمان متزلزل کر دیا ہو گا اور اگرچہ وہ آزاد خیال بلکہ دہریہ تک ہو گئے ہوں گے تاہم وہ اسلام کے معاشرتی قومی دائرے ہی میں رہتے ہیں"۔

موسیو وینس سورت اپنی "تاریخ مذاہب" میں لکھتا ہے ــــ

"اسلام نئی دنیا میں زندہ رہنے کے معاملے میں بے سر و سامان نہیں۔ یہ عیسائیت اور بدھ مت کی نسبت کم دینی سرمایہ رکھتا ہے لیکن ایک دوسرے زاویے سے یہ مکمل مذہب ہے۔ یہ سیاسی زندگی میں اپنے پیروکاروں کے تقاضے پورے کرتا ہے دراں حالیکہ عیسائیت اور سیاست ایک دوسرے سے الگ الگ ہیں۔ عیسائیوں کی نسبت مسلمان اپنے مذہب سے زیادہ وابستہ ہیں۔ یہ ان سے کم کاوش طلب کرتا ہے اور ان کی فطرت پر کم بندشیں عائد کرتا ہے"۔

ان دو آخری حوالوں میں اسلام کی کم سے کم قدر و منزلت جانچی گئی ہے۔ بہرحال ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہنوز ایک ایسا گرانقدر معاشرتی ڈھانچہ موجود ہے جس میں نسبتاً آسانی اور سرعت سے روحانی احیاء ہو سکتا ہے۔ عربی کے نامور عالم پروفیسر

Marfat.com

ہورٹن نے ایک مختلف نظریہ پیش کیا ہے۔ وہ اس احیاء کو "تدریجی داخلی عمل اور آہنگ" کی شکل میں دیکھتا اور اسلام کو دائمی انقلاب برپا کرنے کے قابل سمجھتا ہے کیونکہ مسلمان نے ہمیشہ اپنے مذہبی نظریے کو ان ثقافتی عناصر سے ہم آہنگ رکھا جو اس نے گرد و پیش کے لوگوں سے اپنی ذات میں جذب کیے"۔

ایک دوسرا معروف مستشرق کہتا ہے ـــــ

"اسلام کی اسپرٹ اتنی کشادہ ہے کہ عملاً یہ غیر محدود ہے اس نے گرد و پیش کی تمام قوموں کے قابلِ حصول خیالات اپنا لیے ہیں اور انہیں اپنی مخصوص طرز کی ہدایت بخشی ہے"۔

اسلام کے پاس پیش کرنے کے لیے جو مثبت اور روحانی کارنامے ہیں ان کے بارے میں امریکی مسیحی چرچ کے بڑے پادری کینتھ ایچ گرینڈیل بی۔ ڈی نے اپنے سلسلۂ مضامین بہ عنوان "وہ ہماری نسبت کیا سوچتے ہیں" میں ایک خاص مضمون لکھا ـــــ "اسلام کا اثر عیسائیت پر" یہی مضمون "اسلامک ریویو" کے اپریل ۱۹۵۶ء کے شمارے میں شائع کیا گیا۔ اس میں ذیل کا پیرا شامل تھا ـــــ

"درحقیقت مسلمان ایسی قوم کے افراد ہیں جن کے پاس عالمی برادری کو دینے کے لیے ایک واضح اور مثبت شے ہے۔ وہ مغرب سے مساوات کی بنا پر عالمی شہریت کے سلسلے میں معقول جواب طلب کرتے ہیں۔ اپنی مخفی صلاحیت کے طفیل اسلام اور خدا اور آدمی کی ماہیت کے بارے میں مذہبی نظریات پیش کرتا ہے جو مسیحی شعور کا تکملہ ہیں اور عالمی سیاست کی تنظیم نو کے لیے

Marfat.com

حقیقی طور پر بڑی مدد دے سکتے ہیں۔ اگر عیسائیت کو اپنے آئیڈیل پر سچا اُترنا ہے تو اسے ان اسلامی نظریات کو اپنا لینا چاہیئے۔"

فرانسیسی عربی دان موسیو جاکوئز ریسلر اسلام کو آج کی دنیا میں "آزادی کے قلعے کا آخری پشتہ" سمجھتا ہے۔ پروفیسر موصوف نے اپنی کتاب "تہذیب عرب" میں لکھا ہے ـــــ

"ایسے وقت میں جبکہ اسلحہ کی قوت یا اقتصادی غلبے کے نفرت انگیز دباؤ سے نسلِ انسانی اپنی پیاری آزادیاں گنواتی ہوئی معلوم ہوتی ہے ایک غیر متعصب شاہد پر یہ امر بہت زیادہ واضح ہے کہ مستقبل کے باب میں اسلام متذبذب اور غیر یقینی ہوتے ہوئے بھی آزادی کے قلعے کا آخری پشتہ ہے۔"

مارچ ۱۹۵۶ء میں ڈھاکہ کے روٹری کلب کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے بھی نامور امریکی ماہرِ تعلیم ابراہم موزر نے ان الفاظ میں اسلام کی مستقل و پائیدار خوبیوں کا ذکر کیا ـــــ

"اسلام ہر دور اور ہر زمانے کا مذہب ہے۔ یہ عقیدوں نظریوں اور اصولوں کی اندھی تقلید کا پابند نہیں بلکہ ادھر ذہنی ریاضت کی حوصلہ افزائی کرتا اور ادھر وہ سہولتیں بڑھاتا ہے جو خدا نے نسلِ انسانی کو بخشی ہیں۔"

مسٹر موزر نے اس متحرک اثر کا بھی حوالہ دیا جو اسلام نے قرونِ اولیٰ میں اپنے زمانے کی سوچ پر ڈالا اور کوئی وجہ نہیں کہ بعد کے زمانے میں اسے جو زوال ہوا اسے

Marfat.com

ایک عارضی دھچکے سے زیادہ سمجھا جائے۔ کوئی بھی مذہب جو اسلام کی طرح حصولِ علم کی حوصلہ افزائی کرتا ہو فی نفسہٖ دوبارہ توانائی پانے کا سامان رکھتا ہے۔

برنارڈ شا نے مورخ گبن کے حوالے سے اسلام کی نسبت یہ الفاظ کہے۔

"یہ پروپیگنڈے کی بات نہیں بلکہ اس کی دائمی حیثیت ہے جو ہماری حیرت کی طلب گار ہے۔ اسلام نے مکہ اور مدینہ پر جو کھرا اور کامل نقش ثبت کیا تھا بارہ صدیوں کے انقلاب کے بعد بھی قرآن کے ہندوستانی، افریقی اور ترک نو مسلم پیروکاروں میں ہنوز محفوظ ہے"

ایک اور انگریز مستشرق بوسورتھ اسمتھ نے (انیسویں صدی کے آخر میں اسلام کی نسبت مختصر طور پر یہ کہا۔

"اسلام فی نفسہٖ فنا نہ ہونے والی قوت ہے"

اس کے ظاہری زوال کے چند اسباب کا حوالہ دیتے ہوئے بوسورتھ اسمتھ نے پیشگوئی کی اور کہا کہ "جب اسلام کو پیغمبر کے استنبول کے خلفاء کی شاندار بدعنوانیوں اور جھوٹے وقار سے نجات ملی تو یہ اور زیادہ ترقی پائے گا"

آئیے اس امر پر زیادہ تفصیل سے غور و خوض کریں کہ کیوں

(ا) اسلام پہلے پہل کامیاب ہوا۔

(ب) پھر تاریخ میں اپنا اعلیٰ مقام قائم رکھنے میں ناکام رہا۔

(ج) اور اب پھر عظمت کی ان بلندیوں تک پہنچے گا جہاں تک کوئی نہیں پہنچا۔

Marfat.com

## ابتدائی کامیابی کے اسباب

اسلام نے مذہبی فرائض کی حدود میں جو کامیابی حاصل کی ان کے بنیادی اسباب کی جستجو کرنی لازم ہے۔ اس تالیف میں پیچیدہ دینی گفتگو کے لیے گنجائش نہیں۔ البتہ اسلام کے بنیادی اصول کے نہایت مختصر بیان سے بہترین انداز سے مقصد پورا ہو سکتا ہے۔

ایک نامور ایجابی POSITIVIST[1] ڈاکٹر جے۔ ایچ۔ بریجز نے اسلام کی نسبت کہا ——

دینِ اسلام ایک لفظ میں سمویا ہوا ہے۔ اسلام یعنی عبودیت —— اپنی مرضی کو منشائے ایزدی کے تابع کر دینا۔ لفظ اسلام خود بخود ہم پر واضح ہو جاتا ہے جیسا کہ محمدؐ کے پیروکاروں پر واضح ہے۔ یہ زندگی کے الگ نہ ہونے والے دو رخ ظاہر کرتا ہے —— کام اور عبادت۔ محمدؐ نے کہا، عبادت —— اور سخاوت کرو! پیغمبرِ اسلام کے عطا کردہ مفہوم میں سخاوت کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔ اسے قابلِ قدر دانش سے سوچا گیا اور اس کے زمانے کی سادہ ضروریات سے متعلق ہے اور اس میں آدمی کی ہر نیکی آجاتی ہے۔ 'عبادت اور کام کرو! ازمنۂ وسطیٰ کے ایک بزرگ نے کہا۔ عبادت کرو جیسا کہ کام کے ذریعے کچھ ہو ہی نہیں سکتا اور کام کرو تو جیسے عبادت کے ذریعے کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ اسلام یا انگریزی زبان میں لفظ DEVOTION (عبودیت) ہے —— یعنی ارفع ترین ذات سے ہماری زندگی کی لگن، منشائے ایزدی سے اپنی مرضی

---

[1] POSITIVISM آگسٹس کومٹے کا ایسا نظامِ فلسفہ جس میں فقط معلوم اشیاء کے قدرتی عمل اور خواص نیز ان کی بقائے باہمی کے اصول سے بحث کی جاتی ہے۔ مترجم۔

Marfat.com

کو ہم آہنگ کرنا۔ یہ ہے لفظ اسلام جو ہر زمانے اور ہر ملک کے پاکباز لوگوں کی زندگی کا خلاصہ پیش کرتا ہے۔"

ہم دنیا کے عظیم مفکروں کی تالیفات میں اسلام کی ہمہ گیری کی تعریف میں بار بار یہی پڑھتے ہیں۔ اسلام واحد مذہب ہے جو آدمی آدمی میں ایک امتیاز کی شناخت کرتا ہے اور یہ ہر ایک کا انفرادی رویہ ہے۔ عیسائیت کے برعکس یہ پیدائشی گناہ ایسے کسی عقیدے کا شکار نہیں بلکہ اسلامی عقیدہ تو یہ ہے کہ مرد ہو یا عورت تمام انسان معصوم پیدا ہوتے ہیں اور تمام نیک لوگ نجات پا سکتے ہیں۔

اس سلسلے میں سر چارلس ایڈورڈ آرچی بالڈ ہملٹن کے ریمارکس یہ ہیں ——

"اسلام آدمی کی موروثی معصومیت کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ آدمی اور عورت ایک ہی جوہر سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان میں ایک ہی روح ہے اور دونوں دماغی، روحانی اور اخلاقی ترقی کے لیے یکساں صلاحیت رکھتے ہیں۔

اب یہاں امید کا بنیادی پیغام ملتا ہے۔ تمام لوگوں کے لیے اس دنیا اور آخرت میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے یکساں مواقع پائے جاتے ہیں بشرطیکہ وہ نیکی کی زندگی اختیار کرنے کے لیے کوشاں ہوں۔ عملی ہدایت کے لیے اسلام انہیں شریعت دیتا ہے۔ اچھی زندگی بسر کرنے کے لیے مفصل ہدایت اور درس دیتا ہے کیونکہ اسلام میں کسی کو زندگی ترک کرنے کو نہیں کہا گیا۔ کسی ایسے زاہدانہ عمل کی اجازت نہیں جس سے پاکبازی کے لیے کوئی خفیہ دروازہ کھلتا ہو —— نجات پانے کی غرض سے کسی قسم کے ناقابلِ فہم عقیدوں پر ایمان لانے کے لیے ذہن پر کوئی دباؤ نہیں ڈالا جاتا۔ تمام مذاہب میں سے اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو پل بھر کے لیے

Marfat.com

روحانی تزکیے کا شعور زائل کیے بغیر دنیوی اطمینان کے پورے دائرے میں آدمی کے لیے لطف اندوز ہونے کا امکان پیدا کرتا ہے۔

درحقیقت اسلام کا یہ عظیم الشان کارنامہ ہے کہ اس نے حیاتِ انسانی کے روحانی اور دنیوی پہلوؤں میں کامل ربط پیدا کر کے اسے ایک عظیم تر وحدت میں تبدیل کر دیا ہے۔ پروفیسر گبن کے الفاظ میں ———

"اسلام ایک مکمل معاشرہ ہے جو مذہب کی بنیاد پر قائم ہے اور حیاتِ انسانی کو ہر پہلو مجھتا ہے۔"

ڈاکٹر گستاف ویل اسلام کے بارے میں کہتا ہے کہ یہ "لافانی قوت سے قوی ہوا ہے۔"

ڈاکٹر ویل کہتا ہے، "مانا کہ اسلام کی سیاسی قوت زوال پا چکی ہے لیکن اس کی روحانی قوت آج بھی اسی طرح شباب پر ہے اور جاندار بھی، جس طرح اس وقت تھی جب یہ حیرت خیز عالمگیر اسلوبِ حیات کی پہلی مہم پر نکلا۔ اسلام کی کامیابی کا راز کیا ہے؟ راز یہ ہے کہ یہ پروہتی نظام کے بندھنوں سے قابلِ قدر انداز میں آزاد رہا۔ اسلام الہامی مذاہب میں سب سے زیادہ سادہ ہے۔ اسی لیے یہ ایسا مذہب ہے جو اعلیٰ ترین اور ادنیٰ ترین تہذیب سے لگا کھا جاتا ہے۔"

"یہ (اسلام) اس معنی میں استثنائی مسلک ہے کہ الہامی جواز کی مداخلت سے قطعِ نظر اس میں ٹھوس سیاسی

Marfat.com

مفہوم، ترقی پسند معاشرتی اصول اور ذاتی اسلوب زندگی کے بارے میں لائقِ تحسین ضابطے کی نسبت مذہبی عقائد اور ماوراء الطبیعات افکار کم ہیں۔ وہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) بے کار مابعد الطبیعات میں نہیں پڑا بلکہ ایسے قوانین وضوابط کے ذریعے لوگوں کی معاشرتی حالت سنوارنے میں لگا رہا جو ذاتی صفائی، سنجیدگی، روزے اور نماز سے متعلق تھے اس نے خیرات دینے اور سخاوت کرنے کو تمام امور پر بالاتر رکھا۔ ماضی کی دنیا اس آزادی سے ناآشنا تھی جس سے اس نے ہر مذہب کے لوگوں پر نجات کے دروازے کھول دیے بشرطیکہ وہ نیک ہوتے۔"

ایم این رائے نے اسلام کی کامیابی کے اسباب کا تجزیہ یوں کیا ہے ـــ

"اسلام کی غیر معمولی کامیابی بنیادی طور پر انقلابی معنویت اور عوام کو اس مایوس کن حالت سے مخلصی دلانے کی صلاحیت کے باعث تھی جو نہ صرف یونان اور روما بلکہ ایران، چین اور ہندوستان کی پرانی تہذیب کے زوال سے پیدا ہوئی تھی۔ اسلام کی تلوار عیاں طور پر فی سبیل اللہ متحرک رہی۔ درحقیقت یہ ایک نئی معاشرتی قوت کی فتح میں شریک ہوئی۔ اس نے نئی حیات دانش کے نکھرنے میں حصہ لیا جسے انجام کار تمام مذہبوں اور مسلکوں کی قبر ثابت ہونا تھا۔ اسلام کی توسیع و

Marfat.com

اشاعت معجزوں میں سب سے بڑا معجزہ ہے۔ آگسٹس کی سلطنتِ روما جسے بعد میں بہادر شاہ طروجن نے بڑھایا پھیلایا ان عظیم اور شاندار فتوحات کا نتیجہ تھی جو سات سو سال کی مدت میں حاصل کی گئیں لیکن یہ طول و عرض میں عربوں کی مملکت کی برابری نہ کر سکی جو ایک صدی سے بھی کم مدت میں قائم ہوئی۔ سکندرِ اعظم کی سلطنت خلفائے اسلام کی وسیع مملکت کا چھوٹا سا حصہ ظاہر کرتی ہے۔ ایک ہزار سال تک ایران کی سلطنت روما کے لشکروں کا مقابلہ کرتی رہی ایک دہائی سے بھی کم مدت میں شمشیرِ الٰہی کے سامنے جھک گئی۔

عظیم مورخ ایڈورڈ گبن توسیعِ اسلام کی تاریخ زور دار انداز سے ذیل کے پیرے میں ملخص کرتا ہے ــــــ

آدمی یہ سوچ کر بس دنگ ہی تو رہ جاتا ہے کہ دشتِ عرب کے بدّوؤں کے چھوٹے چھوٹے گروہوں نے نئے مذہب (اسلام) کے آتشیں جذبے سے شعلہ فشاں ہو کر کتنی غیر معمولی اور ناقابلِ یقین سرعت سے عہدِ قدیم کی دو سب سے زبردست سلطنتیں تہس نہس کر کے رکھ دیں۔ جب محمدؐ نے منفرد پیغمبر کی حیثیت سے پیامِ امن کی اشاعت کی تھی تو بہ مشکل پچاس برس ہوئے تھے کہ اس کے پیروکاروں نے ایک طرف بحرِ اوقیانوس کے ساحلوں پر اور دوسری طرف ہندوستان

Marfat.com

کی سرحدوں پر اسلام کے جھنڈے گاڑ دیے تھے۔ دمشق کا پہلا خلیفہ اتنی بڑی سلطنت پر حکمران تھا کہ اونٹوں کے قافلے پر سفر کر کے پانچ مہینے سے کم عرصے میں عبور نہ کی جا سکتی تھی۔ پہلی صدی ہجری کے آخر میں مسلمانوں کے سالار دنیا کے قوی ترین فرماں روا تھے"۔ [1]

ایچ۔ اے۔ ایل فشر نے بھی اپنی شہرۂ آفاق تالیف "ہسٹری آف یورپ" میں اسلام کی فتح ونصرت کی انقلاب آفریں نوعیت کا حوالہ دیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"کہیں بھی کسی عرب مملکت میں، باقاعدہ لشکر یا مشترکہ سیاسی صورت حال کا نشان تک نہ تھا۔ عرب شاعر تھے، خوابوں میں بسنے والے، جنگجو اور تاجر تھے لیکن سیاست دان نہ تھے۔ انہوں نے مذہب میں کوئی مستحکم یا اتحاد پیدا کرنے والا منصوبہ بھی نہیں گھڑا۔ وہ ادنیٰ درجے کی صنمیات پر عامل تھے۔ اسلام قبول کرنے کے ایک سو سال بعد ان گمنام وحشیوں نے عظیم عالمگیر قوت حاصل کر لی۔ انہوں نے مصر اور شام فتح کر لیے ـــــ انہوں نے ایران کو دبوچ لیا اور حلقہ بگوشِ اسلام کر لیا، مغربی ترکستان اور پنجاب کا ایک حصہ زیر کر لیا۔ انہوں نے بازنطینیوں سے افریقہ لے لیا، بربروں نے غربی غوطہ (وزی گوتھ) [2]

---

[1] اسلام نے ہندو سماج پر جو خاص اثر ڈالا اس کے لیے ضمیمہ ملاحظہ کیجیے۔

[2] غوط (گوتھ) وہ قوم ہے جس نے سن عیسوی کے شروع ہی میں روما کی سلطنت کا تختہ الٹ دیا۔ اس کے غربی (وزی گوتھ) اور شرقی (اوسٹرگوتھ) دو گروہ تھے۔ مترجم

Marfat.com

سے ہسپانیہ لے لیا۔ مغرب میں انہوں نے فرانس کو دھمکی دی اور مشرق میں قسطنطنیہ کو۔ ان کے سمندری بیڑے جو مصر یا شام کی بندرگاہوں میں بنتے، بحیرۂ روم کے پانیوں کو پامال کر گئے۔ انہوں نے یونانی جزیروں کو پامال کیا اور بازنطینی سلطنت کی بحری طاقت کو للکارا۔ انہیں اس آسانی سے کامیابی حاصل ہوئی کہ کوہِ اطلس کے بربر اور ایرانی ہی صرف سخت مزاحمت کے لائق رہ گئے اور آٹھویں صدی شمسی کے آغاز میں ایک کھلا سوال یہ تھا کہ کیا مسلمانوں کی فتح و نصرت کے راستے میں آخری بار کوئی رکاوٹ کھڑی ہو گی۔ بحیرۂ روم اب روما کی جھیل نہ رہا تھا یورپ کے ایک سرے سے دوسرے تک عیسائی مملکتوں کو نئے مشرقی دین ـــــ اسلام کی بنیاد پر قائم کی ہوئی نئی مشرقی تہذیب کا چیلنج ملا تھا۔"

عہدِ نو کا ایک اور مورخ کہتا ہے ـــــ

"اسلام کی بغاوت نے نسلِ انسانی کو بچا لیا۔ اسلام تاریخ کی لابدی پیداوار تھا، انسانی ترقی کا حربہ تھا۔ یہ نئے معاشرتی رشتوں کی آئیڈیالوجی بن کر اُبھرا اور اس نے ذہنِ انسانی میں انقلاب برپا کر دیا۔"

فلپ حتّٰی اگلی سطور میں اسلام کی اس توانائی کی واضح تصویر کھینچتا ہے جو اسے ابتدائی انقلابی دَور میں حاصل رہی ـــــ

Marfat.com

"اگر کوئی شخص ساتویں عیسوی صدی کی پہلی تہائی میں اس پیشگوئی کی جرأت کرتا تو دیوانہ قرار پاتا کہ ایک دہائی کے اندر اندر عرب کے کم معلوم ننھے سے دہشت پسند خطۂ ارض سے چپ چاپ ایسی قوت ابھرے گی جس کی بابت پہلے سے گمان بھی نہ کیا گیا ہو اور جو اپنے وقت کی دو عالمگیر طاقتوں ــــ ساسانیوں اور بازنطینیوں کو اپنی حسین ترین مملکتوں سے محروم کر دے گی۔ بہرحال بعینہٖ یہی کچھ ہو کر رہا۔ پیغمبرؐ اسلام کی وفات کے بعد ایسا لگتا ہے جیسے عرب کی بنجر زمین جادو کے زور سے ایسے زعیموں کی کھیتی بن گئی کہ ایسے اوصاف والے زعیموں کا اتنی تعداد میں اور کہیں ملنا مشکل ہے۔ جنگ کی تاریخ میں خالدؓ ابن ولید اور عمروؓ ابن العاص کی العراق، ایران، شام اور مصر کی مہمات ایسی ہیں جو انتہائی شاندار طریقے سے سر انجام دی گئیں اور بڑی عمدگی سے نپولین، ہنی بال اور سکندر کے کارناموں سے مقابلہ کرتی ہیں۔"[1]

لیکن یہ صرف اسلام کے انقلابی نظریات تھے نہ کہ اس کے رہنماؤں کی فوجی ذہانت تھی جس نے ان نظر افروز کامیابیوں میں حصہ لیا۔ اہلِ دنیا نے بار بار اسلام کا پیامِ امید قبول کرنے کے لیے رضامندی اور آرزو ظاہر کی اور یہی کامیابی کی آخری

---

[1] فلپ کے حِتّی کی HISTORY OF THE ARABS صفحہ ۱۴۲۔

Marfat.com

وجہ ثابت ہوئی۔

پروفیسر فنلے نے اپنی تالیف "بازنطینی سلطنت کی تاریخ" میں لکھا ہے۔

"تقریباً ہر موقعے پر جب سارا سینوں (عربوں) نے عیسائیوں پر فتح پائی، تاریخ بدقسمتی سے اس امر کا انکشاف کرتی ہے کہ ان کی کامیابی بیشتر اس جذبۂ شوق کے باعث تھی جو مفتوحین کے نزدیک اس ترقی کا سبب تھا۔

بیشتر عیسائی حکومتوں کے لیے اس بات کا انکشاف شرم کا موجب ہے کہ عرب فاتحین کی نسبت ان کا نظم و نسق زیادہ جابرانہ تھا۔

شام کے باشندوں نے محمدؐ کے پیروکاروں کا خیرمقدم کیا، مصر کے قبطیوں نے اپنے ملک کو عربوں کے زیرِ تسلط لانے کی سعی میں حصہ لیا اور مسیحی بربروں نے افریقہ کی فتح میں دستِ تعاون بڑھایا۔ ہر کہیں بازنطینیوں کی بدعنوانیوں، ایرانیوں کی مطلق العنانی اور عیسائیوں کی اوہام پرستی کے مارے ہوئے مقہور و مجبور لوگوں نے نجات دہندوں کے طور پر سارا سین حملہ آوروں (عربوں) کا استقبال کیا۔ اپنے پیغمبر کی انقلابی تعلیمات سے جنون کی حد تک سرشاری اور اپنے خلفاء کی شاندار، دانشمندانہ اور نمایاں طور پر عملی ہدایات کی اطاعت کی بدولت سارا سین حملہ آوروں نے بآسانی مفتوحہ قوموں کی ہمدردی اور مدد حاصل کر لی۔ کوئی حملہ آور مفتوحہ قوموں کی موثر

Marfat.com

مدد یا خاموش رواداری کے بغیر پائیدار طریقے سے اپنا تسلُّط نہیں جما سکتا۔"

ایچ۔ جی۔ ویلز نے "تاریخِ عالم" میں قبولِ اسلام کے سلسلے میں مفتوحہ قوموں کی رضامندی کی یوں وضاحت کی ہے ــــــــ

" اگر کسی کے دل میں ایک نفیس تہذیب کے بارے میں غلط خیال ہو تو بہتر یہی ہے کہ وہ جلد از جلد اسے ترک کر دے۔ ایرانی، رومن، ہیلینی (یونانی) یا مصری حکومتیں اسلام کے ریل کی نذر ہو گئیں۔

اسلام اس لیے غالب آیا کہ یہی وہ بہترین معاشرتی اور سیاسی نظام تھا جو وقت پیش کر سکتا تھا۔ یہ غالب آیا کہ ہر کہیں اسے سیاسی لحاظ سے بد دِل لوگ ملے جو لُٹ رہے تھے، ظلم وستم کا نشانہ تھے، ڈرائے دھمکائے جا رہے تھے، اَن پڑھ اور غیر منظم تھے ــــ اور اسے ایسی خود غرض اور غیر مستحکم حکومتیں ملیں جو لوگوں سے بالکل تعلق نہ رکھتیں۔ اسلام وسیع ترین، تازہ ترین اور صاف ترین سیاسی خیال لایا جس نے ہنوز دنیا میں عملی شکل اختیار کی تھی اور اس نے نسلِ انسانی کے عوام کو سب سے بہتر شرطیں پیش کیں۔ اسلام کے اُبھرنے سے قبل ہی سرمایہ داری اور غلاموں والی رومن سلطنت کا نظام تباہ ہو گیا اور یورپ کا ادب، تہذیب و تمدُّن اور اس کی روایات یکسر ختم ہو گئیں۔

Marfat.com

پھر جب نسلِ انسانی کا اپنے نمائندوں کے خلوص پر اعتماد نہ رہا تو اسلام بھی روبہ زوال ہوا"۔

ایک دوسری جگہ ایچ۔جی۔ ویلز اپنی تالیف میں اسلام کی ناگزیر کشش کا تجزیہ کرتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری خطبہ پیش کرنے کے بعد وہ لکھتا ہے

"روزمرہ کی زندگی میں رحم و کرم اور فکر و تردّد اسلام کے اہم اوصاف ہیں لیکن بات یہیں تک نہیں رہتی۔ اسی قدر اہم توحید ہے جسے قرآن میں برقرار رکھا گیا ہے اور جو تنہا یہودیت کی خصوصیت نہیں۔ شروع ہی سے اسلام ان دینی تشریحات کے خلاف خاصی عمدہ رکاوٹ بنا رہا ہے جس نے حیران و پریشان کیا، عیسائیت میں تفرقہ ڈالا اور مسیح کی اسپرٹ تباہ کر دی۔ اس کی قوت کا تیسرا سرچشمہ عبادت اور پرستش کے وہ محتاط طریقے اور مکہ سے منسوب کی ہوئی اہمیت کی وہ محدود اور روایتی معنویت ہے جو واضح طور پر قرار پائی۔ تمام قربانی اہلِ ایمان کے لیے مخصوص کی گئی۔ پرانے دینی ضابطے سے تعلق رکھنے والے قربانی کے نگران پروہت کے لیے ایسا کوئی رخنہ نہیں رکھا گیا جو نئے دین (اسلام) میں پھر سے ڈالا جا سکتا۔ یہ صرف نیا دین نہ تھا۔ خالصۃً ایک پیغمبر کا لایا ہوا دین جیسا کہ دینِ مسیحی یہودیوں کے زمانے میں تھا یا گوتم بدھ کا دین اس کی زندگی میں

Marfat.com

تھا بلکہ یہ اس انداز سے بیان کیا گیا کہ اسی صورت میں جوں کا توں رہے۔ آج بھی اسلام میں متبحر عالم، معلّم اور مبلّغ موجود ہیں لیکن ایک بھی پروہت نہیں۔ یہ مہر و کرم، فیّاضی اور اخوت کی اسپرٹ سے معمور تھا۔ سادہ اور قابلِ فہم مذہب[1] تھا اور اس نے براہِ راست معمولی آدمی کی ہیئت میں عام جبلّتوں کو متاثر کیا۔

اس کے مقابلے پر کئی دین ڈٹے ہوئے تھے ـــــ یہودیت نے خدا کا ایک نسلی بورڈ بنا دیا، عیسائیت تثلیثی عقیدوں اور کفر و الحاد کے بارے میں دائماً گفتگو اور وعظ کرتی ہے لیکن عام آدمی کو اس کا سر پاؤں نہیں ملتا۔ پھر زرتشتی مُغ کا دین تھا جس نے مانی کو سولی چڑھانے کی تحریک کی لیکن محمدؐ نے جس اللہ کی تبلیغ کی وہ شعوری تجربے کی بنا پر لوگوں کے دلوں میں موجود تھا ـــــ یہ خدا راستبازی کے لیے تھا۔ دیانت داری سے اس دین کی قبولیت اور طریقِ کار نے غیر یقینی، دغا فریب اور ناقابلِ برداشت تفرقوں والی دنیا میں بھروسے والے لوگوں کے لیے زمین پر عظیم اور بڑھنے والی اخوت کے لیے دروازے کھولے۔ پھر جنّت جانے

---

[1] قابلِ فہم اور قابلِ عمل بھی۔ مترجم

Marfat.com

کے لیے حمد و ثنا اور عبادت کی دائمی کثرت روا نہیں
رکھی جس میں اولیاء، پروہت اور خدا کے جانشین
بادشاہ بلند و بالا مقام رکھتے بلکہ ایسی مساوات اور قابلِ
فہم مسرتوں کا اہتمام کیا لوگوں کی روح جن کی طلب گار
تھی۔

مبہم علامتوں، تاریک قربان گاہوں اور پروہتوں کے
بھجنوں کے بغیر محمدؐ نے ایسے دلفریب عقیدے پیش کیے
جو لوگوں کے دل لگتے تھے۔"

جی۔ٹی۔ڈینی سن نے اپنی تالیف "جذبہ بطورِ بنائے تہذیب"[1] میں بھی اسلام
کو اتحاد قائم کرنے والی نئی قوت جانا ہے۔

"ایسا لگتا ہے کہ وہ عظیم تہذیب جس کی تعمیر میں
چار ہزار سال صرف ہوئے پارہ پارہ ہونے اور نسلِ
انسانی درندگی کی ایسی حالت میں لوٹنے کو تھی جس
میں ہر قبیلہ اور ہر فرقہ ایک دوسرے کے خلاف کھڑا
ہو جاتا۔ عیسائیت نے جو نئی پابندیاں ایجاد کی تھیں
وہ اتحاد اور ہم آہنگی کی بجائے تفرقے ڈال رہی اور
تباہی و بربادی لا رہی تھیں۔ پھر کیا کوئی ایسا جذباتی
کلچر تھا جو ایک بار دوبارہ نسلِ انسانی کو متحد کر لیتا اور
تہذیب کو مٹنے سے بچا لیتا؟ یہ تھے وہ حالات جن

---

ص۱ EMOTION AS THE BASIS OF CIVILIZATION

Marfat.com

میں وہ شخص پیدا ہوا جس کا نام نبیٔ اکرم محمدؐ تھا اور جسے
دنیا کو متحد کرنا تھا۔"

جس زمانے میں اسلام کے عروج کا آفتاب نصف النہار پر تھا، اس زمانے کی اسلامی تاریخ یہ حقیقت عیاں کرتی ہے کہ کبھی کبھی کامرانی کے دور کے بعد جمود کا دور آتا لیکن ماضی میں کسی وقت بھی اسلام ان احیائی قوتوں کی نمود میں ناکام نہیں ہا جن پر بیسویں صدی کی دنیا کو ایک بار پھر اعتماد کر لینا چاہیے جیسا کہ ایک ناموَر ترین مورخ، گبن لکھتا ہے ـــــــ

"اسلام کی مادّی قوت کے عروج و زوال کے مطالعے سے ایک درخشاں حقیقت نمودار ہوتی ہے اور وہ یہ کہ جہاں کہیں اسلامی سلطنت کو زوال آیا وہیں اسلام کی ماند پڑتی ہوئی شان و شوکت کے اِحیاء کی خاطر کوئی نئی نسل لشکرِ اسلام میں ہجوم کر آئی ۔ تاریخ اسلام میں ایک بار نہیں بلکہ کئی بار ایسا ہوا۔ جب عباسی خلفاء کی قوت قریب قریب معدوم ہو گئی تو ۱۰۶۰ شمسی میں سلجوقی طغرل کے عہد میں (۱۰۳۷ سے ۱۰۶۰ شمسی تک) اس کے بھتیجے اَلپ اَرسلان اور بعد ازاں (۱۰۷۲ سے ۱۰۹۲ شمسی تک) سلطان مَلِک شاہ کو اسلامی حکومت کا تابناک ترین دور دیکھنا نصیب ہوا۔ اب وسطِ ایشیا کی ایک نئی نسل دنیا پر غلبہ پانے کے لیے اسلام کی جدوجہد میں اپنا لہو ٹپکا رہی تھی ۔ اسلام کی متنوّع تاریخ میں یہ کوئی لاثانی مثال نہیں کہ وہی دہشت پسند کافر جو پیغمبر کے پیرِدکاروں

Marfat.com

کی گردنوں پر پاؤں رکھتے تھے اسی آن اسلام قبول کرکے اس کے جوشیلے حامی بن جاتے ہیں۔ انہی کے عمزادوں ـــــ تیرھویں صدی کے مُغلوں اور ان کے دوسرے عزیزوں عثمانی ترکوں نے اسی لائحہ عمل کو دہرایا اور اسلام کی مٹتی ہوئی شان و شوکت کے احیا میں یہی کردار ادا کیا۔ سیاسی اسلام کی تاریک ترین ساعت میں بھی مذہبی اسلام میں چند درخشاں ترین فتوحات پانے کی صلاحیت رہی۔"

ایک اور نامور مورخ تیرھویں صدی میں احیائے اسلام کے عمل کے بارے میں خاصی جاندار تفصیل پیش کرتا ہے ـــــ

"ایک جانب مشرق میں وحشی مغلوں کے گھڑ سوار تیر اندازوں کا زور تھا اور دوسری جانب مغرب میں زرہ پوش صلیبی لشکری تھے۔ تیرھویں صدی کے آغاز میں اسلام ان دونوں کے درمیان بھنچا پھنسا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا ہے لیکن اسی صدی کے آخری حصے میں صورتِ حال کتنی مختلف ہو چکی تھی! ققنس کی طرح اسلام پھر جی اُٹھا جبکہ سب کچھ دائمی طور پر مٹتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ اس وقت تک آخری صلیبی سپاہی کو سمندر میں دھکیلا جا چکا تھا۔ کئی ایلخان عیسائیت کے دامِ محبت میں گرفتار ہو چکے تھے لیکن ساتویں ایلخان نے اسلام کو ریاست کا مذہب بنا لیا

Marfat.com

—— اسلام کی یہ فتح آنکھوں میں چکا چوند پیدا کرنے والی تھی۔ سلجوقوں کے معاملے میں جہاں ان کی تلواریں ناکام رہیں وہاں مسلمانوں کا دین کامیاب رہا۔ اسلامی تہذیب وثقافت کو بے دردی سے برباد کرنے کے لیے ہلاکو نے جو کوشش کی تھی اسے آدھی صدی بھی نہیں ہوئی تھی کہ اس کا پڑپوتا غازان جو بڑا پکا مسلمان تھا۔ اسی اسلامی تہذیب کے احیاء میں خوب وقت اور قوت صرف کر رہا تھا۔ اگرچہ مسلمانوں کی عسکری شان کو ازسرنو دوبالا کرنا اور نئے اور وسیع وعریض خطوں پر اس کی فتح و نصرت کے پرچم لہرانا منگولوں کے لیے مقدر نہ تھا۔ یہ کام ان کے عزیزوں عثمانی ترکوں کے کرنے کو رہ گیا جو اسلام کے نئے سربراہ تھے۔ سلیمان ذی شان کے عہد میں ترکی مملکت (۱۵۲۰ سے ۱۵۶۶ء تک) دجلہ کنارے بغداد سے لے کر دریائے ڈینوب پر بوڈاپسٹ تک اور نیل کی پہلی آبشار کے قریب اسوان[1] سے لے کر تقریباً جبل الطارق تک پھیلی ہوئی تھی۔

---

[1] مصر کا وہ اہم شہر جو قدیم تہذیب کے باعث تاریخی اور بین الاقوامی شہرت پا چکا ہے۔ دریائے نیل کی تسخیر اور آبی منصوبوں کی تعمیر کے سلسلے میں بھی اسے اہمیت حاصل ہے عہد قدیم سے یہاں بند باندھے جا رہے ہیں۔ اب یہاں سد العالی (ہائی ڈیم) بنایا گیا ہے۔ یہ ایک کثیر المقاصد منصوبہ ہے۔ اس کی مدد سے نیل کا پانی جمع بھی کیا گیا ہے اور بن

Marfat.com

## زوالِ اسلام کے اسباب

پچھلے چند سال میں بعض مورخوں میں یہ فیشن ایبل نظریہ چل رہا ہے کہ کوئی قوم یا تہذیب جب تاریخ کے ایک زمانے میں غلبہ حاصل کر لیتی ہے تو یہ ناگزیر طور پر اپنے لیے زوال اور پامالی لاتی ہے۔ پہلی نظر میں یہ زاویۂ خیال اسلامی سلطنت کے زوال اور سقوط پر ٹھیک بیٹھتا معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت تو یہ ہے اور تاریخ نے بار بار اسے عیاں کیا ہے کہ اسلام نے ہمیشہ اپنے دامن میں دوبارہ جنم لینے کے بیج رکھے ہیں۔

اسلام دوسری تہذیبوں کی طرح اساسی قوانینِ زوال کے تابع کیوں ہو؟ یہ بات بھول نہ جائیے کہ اسلام آدمی کی اختراع نہیں۔ اسے اللہ نے ہر زمانے کے لیے نازل کیا ہے۔ تاریخ کے جن زمانوں میں لوگوں نے اللہ کے قوانین کی نافرمانی کی اور انہیں نظر انداز کیا، اسلام زوال پذیر ہوتا دکھائی دیا لیکن جونہی لوگوں نے اپنے سچے دین سے رجوع کیا اسلام نے ہمیشہ کی طرح اپنے تئیں قوی ثابت کیا۔

اسی بناء پر فرانسیسی مورخ پیری لوتی زوال کے ان زمانوں کو "خواب کے زمانے" سمجھتا ہے۔ اسلامی تہذیب نے اقوام میں جس طور ارتقاء پایا اور عروج کو پہنچی اور قدیم خلفاء کے عہد میں اس نے لوگوں کو جو محرک دیا اس کی تعریف کرتے ہوئے موسیولوتی نے لکھا ہے ـــــــ

"دنیائے اسلام کے موجودہ زوال کو اسلام سے منسوب کرنا نہایت طفلانہ خیال ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ قوموں کا

---

بجلی بھی پیدا کی جا رہی ہے (مترجم)

Marfat.com

اپنا زمانہ ہوتا ہے اور عظیم القدر شان و شوکت کے عہد کے بعد غفلت اور خواب کا وقت آتا ہے۔"

جرمن مورخ دان کریمر اسباب زوال کو مسلمان حکمرانوں کی داخلی لڑائیوں پر محمول کرتا ہے۔

اسلامی مملکتیں چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ گئی تھیں۔ ان کے فرماں روا آپس میں لڑتے اور مسلسل خانہ جنگی میں مصروف رہتے ـــ گیارہویں صدی کے آخر میں جب صلیبی لشکر ایشیائے کوچک میں سے گزرے تو دنیائے اسلام کے معاملات کی یہی کیفیت تھی۔" مسلمان شہزادوں کے نفاق نے یروشلم کی شکست آسان بنا دی۔[1]

جیسا کہ دان کریمر بتاتا ہے ٹھیک ایک سو سال کے بعد جب چنگیز خاں کے لشکر سے اسلام کو خطرہ لاحق ہوا اور سب کچھ ہمیشہ کے لیے ضائع جاتا دکھائی دیا، مسلمانوں نے گمشدہ قوت حاصل کی، خواب غفلت اور نیند سے بیدار ہوئے، انہوں نے اپنی فوجیں اکٹھی کیں اور آنکھوں کو چندھیانے والی فتوحات کا نیا سلسلہ شروع

---

[1] آج بھی ویسے ہی بدتر اور افسوسناک حالات ہیں۔ عربوں اور دوسرے اسلامی ممالک میں نفاق زیادہ اور اتفاق کم ہے چنانچہ فلسطین پر یہودی قابض ہیں۔ یروشلم ان کی گرفت میں ہے۔ کشمیر میں بھارت دندناتا رہا ہے اور اری ٹیریا حبشہ کے عیسائی حکمران کے چنگل میں ہے۔ منتشر دنیائے اسلام۔ بے بس ہے اور اپنے محکوم بھائیوں کو سامراجی طاقتوں سے نجات دلانے سے قاصر۔ مترجم۔

Marfat.com

کیا۔ وان کریمر آگے چل کر کہتا ہے ـــــــ

"ہتھیاروں کے ذریعے نہیں بلکہ مذہبی مثالی نظریے کے ذریعے اسلام نے شمالی فاتح کو نیست و نابود کیا۔ واقعی اس سامانی مذہب میں کچھ ایسی زبردست قوت پنہاں ہے جو اسے نہ صرف دنیا کو پارہ پارہ کرنے والے طوفانوں کے مقابلے کی تاب دلاتا ہے بلکہ مستحکم تر، قوی تر اور جاندار تر حالت میں ابھرنے کی صلاحیت بخشتا ہے۔"

ان سطور میں وان کریمر بیک وقت اسلام کی کامیابی اور ناکامی کے صحیح سبب کی نشاندہی کرتا ہے۔ ابتدائی ایام میں اسلام کی کامیابی بدیں وجہ تھی کہ مسلمانوں میں جنون کی حد تک مذہبی ولولہ پایا جاتا تھا اور وہ معاملاتِ زندگی میں اسلامی تعلیمات سے وابستہ رہتے تھے۔ اس مذہبی جوش و خروش اور نظم و ضبط میں قومی افتخار، نسلی وقار اور انفرادی اعتماد ایسے جذبات کا اضافہ ہوا لیکن ان تمام سرگرمیوں کا سرچشمہ تو مذہب ہے۔

بہر حال وقت کے ساتھ ساتھ اسلام کی سچی اسپرٹ کے برعکس غیر معتدل عصبیت اور بعض جزئیات پر غیر ضروری حد تک زور دینے سے دین میں انتشار پیدا ہوا اور متعدد فرقے بن گئے۔ پیروں پروہتوں کے راج نیز یونانیوں اور ایرانیوں سے مانگی ہوئی اجنبی روایتوں سے اسلامی معاشرہ بگڑا اور ذلیل ہوا۔ اس کے نتیجے میں اسلام کے صحیح اصول کے عین خلاف مطلق العنانی کی نشو و نما، بڑی حد تک اجتماعی توہم پرستی کی ترویج اور کئی غیر اسلامی رسوم کے لیے راہ پیدا ہوئی جس سے مذہب کا سچا روپ چھپ گیا۔ ازمنۂ وسطیٰ کے انتہائی درجے کی مسیحی درسی تعلیمات نے مزید

Marfat.com

پیچیدگیاں پیدا کیں اور اسلام کی اصل پاکیزگی پر پردے ڈال دیے۔ اس سے بالآخر نئے علم کی ہر نوع کے حصول کے خلاف انحطاط کی کیفیت رونما ہوئی اور دل و دماغ اور روح میں جمود آگیا۔ بعض انتہائی رجعت پسندوں نے جنون و تعصب کے جس نظریے کی تبلیغ کی اس سے بھی موجودہ بے عملی اور سکوت کی کیفیت نے جنم لیا۔ بعض مسلمان جس قدر مذہبی دیوانے اور رجعت پسند ہوئے دوسرے لوگ اسی قدر لادین ہوئے اور ان کے دل شک و شبہ سے معمور۔ انجام کار مشترکہ مذہب کے مشترکہ رشتے کمزور پڑ گئے پھر سیاسی اور مذہبی تخریب کے عمل کا آغاز ہوا۔ خلافت پارہ پارہ ہوگئی اور جہاں پہلے رابطہ قائم تھا وہاں مذہب اور سیاست دونوں میں ابتری و پراگندگی کے سوا اور کچھ نہ رہا۔

چھوٹے چھوٹے نئے مطلق العنان حکمران غیر اسلامی اسلوب اختیار کرنے اور عیش و عشرت سے زندگی گزارنے کے خواہاں تھے جبکہ اسلام کے ابتدائی ایام میں ــــــ جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ[1] کے عہد میں ــــــ مخلصانہ خدمت اور معصومانہ دیانتداری تھی وہاں اب بدی، بدعنوانی اور مطلق العنانی کا دور دورہ تھا۔ ایچ۔ جی۔ ویلز بتاتا ہے کہ جب نسلِ انسانی کو اپنے نمائندوں کے خلوص پر اعتماد نہ رہا تو اسلام بھی زوال پذیر ہونے لگا۔

قرآنِ حکیم کے احکام نظر انداز کرکے یہ چھوٹے چھوٹے فرماں روا اپنی رعایا پر محصولات کا کمر توڑ بوجھ ڈالنے لگے۔ بوجھ اتنا ناقابلِ برداشت ہوگیا کہ نبی اکرمؐ کی وفات کے کوئی تین سو سال کے بعد بارہ ہزار سے زائد افراد پر مشتمل بنو حبیب نام کے ایک عربی قبیلے نے عیسائیت کا انتخاب کیا اور اٹھ کر رومن سلطنت میں

---

[1] حضرت ابوبکر صدیقؓ کی دیانتداری کی مثال کے لیے ضمیمہ دیکھیے۔

Marfat.com

چلے گئے۔

اس میں ذرا بھی تعجب نہیں کہ ان حالات میں اسلام اپنی قوت کھو بیٹھا اور تباہی کے گڑھے میں گر گیا۔ اگر مسلمانوں نے صرف قرآنِ پاک کے احکام پر عمل کیا ہوتا تو عروج و کمال کا ردِّ عمل کبھی نہ ہوتا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد کیا، "علم ___ عبادت سے افضل ہے" اور اگر احکامِ قرآنی نظر انداز نہ کیے جاتے تو آج مسلمان دنیا کی پسماندہ ترین اور جاہل ترین اقوام میں سے نہ ہوتے۔

عظیم مسلمان مفکر و مصلح سیّد جمال الدین افغانی نے بڑی دانشمندی اور سوجھ بوجھ سے ملّتِ اسلامیہ کی ناکامی کے اسباب کا خلاصہ پیش کیا ہے۔ ایک مرتبہ ایک بہت بڑے اجتماع میں کسی نے پوچھا ___

"مسلمانوں کے انحطاط و زوال کی بڑی وجہ کیا ہے؟"

اس کے جواب میں سیّد جمال الدین افغانی نے کہا ___

"ترکِ مذہب"

پھر سائل نے دوسرے سوال کے جواب پر اصرار کیا،

"عیسائیت کے عروج و کمال کی بڑی وجہ کیا ہے؟"

پھر سیّد جمال الدین افغانی نے کہا ___

"ترکِ مذہب"

بھرا جلسہ یہ جواب سُن کر دنگ رہ گیا۔ لوگ پوچھنے لگے کہ ترکِ مذہب سے دو مختلف اور ایک دوسرے کے برعکس نتائج کیونکر برآمد ہو سکتے ہیں۔ اس پر مصلحِ اعظم نے یہ تشریح کی ___

"اسلام ترقی کا مذہب ہے۔ پس جب مسلمان اپنا مذہب ترک کر دیتے ہیں۔ تو ترقی کرنے سے معذور رہ

Marfat.com

جاتے ہیں۔ رہی عیسائیت کی بات۔ سو یہ صرف ایک دینی اور روحانی نظام ہے جو زندگی کا دنیادی و مادی پہلو نظر انداز کر دیتا ہے۔ انجیل چھوڑ کر عیسائی طاقت حاصل کرنے اور مادی ترقی کرنے کے قابل ہو گئے لیکن مسلمانوں نے قرآنِ پاک کو چھوڑ کر زوال اور انحطاط کا سامان پیدا کیا۔"

## مسلمان مُبلّغوں کا جذبۂ اسلامی

اسلام کے آغاز سے آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ روئے زمین پر اس کی روشنی بالکل بجھ گئی ہو۔ اکثر یوں ہوا کہ دنیا کے ایک حصے میں یہ ہمیشہ کے لیے معدوم نظر آیا تو دوسرے حصے میں نہایت آب و تاب سے جگمگا اٹھا۔ لاریب قرونِ اولیٰ میں اسلام کو پوری طرح پاکیزہ رکھنے میں ایشیا اور افریقہ میں جاں نثار مبلّغوں نے جو کوشش کی وہ کسی دوسرے مسلمان نے نہیں کی۔ اسی قسم کی مساعی کا نتیجہ ہے کہ آج انڈونیشیا اسلام کا گڑھ ہے جو مختلف نسلوں کے معاشرے میں ایسی رواداری اور بردباری کا مظاہرہ کرتا ہے جس کے لیے قرآنِ پاک نے پابند کیا ہے۔ جب نامور سیاح مارکوپولو ۱۲۹۲ء میں انڈونیشیا آیا تو ابھی ابھی ہندوستان سے جو نیا مذہب آیا تھا اس کی نسبت اس نے کہا کہ "تیزی سے جزیروں پر چھا رہا ہے۔" آج انڈونیشیا کا نام پاکستان کے بعد لیتے ہیں جو دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت ہے۔[ل] فلپائن بھی اسلام کی اِحیائی قوت کی واضح ترین شہادت پیش کرتا ہے۔ فلپائن میں

---

ل اب انڈونیشیا بڑی اسلامی مملکت ہے۔ ہندو اقلیت نے بھارت اور روس کی مدد سے مشرقی بنگال کو پاکستان سے الگ کر لیا۔ اس کا سبب مسلمانوں کی غفلت اور اسلام سے بے نیازی تھا۔ مترجم

Marfat.com

اسلام کسی فاتح لشکر کی بدولت نہیں پھیلا بلکہ یہ مٹھی بھر امن پسند مسلمان مبلغوں کا کرشمہ ہے۔ یہ سولہویں صدی کی بات ہے جب ہسپانیہ کے حکمران لوگوں کو زبردستی عیسائی بنانے پر تلے ہوئے تھے۔ تاریخ کے ایسے نازک وقت میں جبکہ مسلمانوں کو ہسپانیہ میں سے نکالا جا رہا تھا اور بحیرۂ روم کے تمام ممالک میں اسلام کی طاقت کو زوال آچکا تھا دنیا کے دوسرے حصوں میں مسلمان مبلغ بڑی بے باکی سے اللہ کے پیغام کی اشاعت کر رہے اور ہولناک مخالفت کے باوجود زبردست کامیابی حاصل کر رہے تھے۔ آج یہاں کے تیرہ لاکھ سے زائد باشندے مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں۔ یہ اسلام کی حقیقتاً شاندار فتح ہے۔

افریقہ میں بھی اسلام مستقل طور پر اسی جذبے اور ولولے سے پھیل رہا ہے۔ جو قرونِ اولیٰ میں عرب اور شام میں اشاعتِ اسلام کی خصوصیت تھا۔ افریقہ کے لوگ وہی مذہب قبول کر رہے ہیں جو انہیں آدمی اور خدا کی نظر میں سچی مساوات عطا کرتا ہے۔

> لاگوس، مغربی افریقہ کے ایک مسیحی اخبار کی ۸ فروری ۱۹۵۶ء کی اشاعت کے بموجب نائیجیریا میں عیسائیت کی نسبت اسلام دس گنا پھیل رہا ہے۔

وسطی افریقہ کی بابت سر ولفریڈ بلنٹ نے "اسلام کے مستقبل"[1] میں لکھا ہے۔

> "وہ دن دور نہیں جب وسطی افریقہ کا شمار اسلام کے ورثے میں کیا جائے گا۔"

مشرقی افریقہ میں اسلام نے جو کامیابی حاصل کی ہے بوس ورتھ سمتھ نے مؤثر ترین انداز سے اس کا حال لکھا ہے اور طویل حوالے کے لائق ہے۔

---

[1] FUTURE OF ISLAM

# مشرقی افریقہ میں اشاعتِ اسلام

بوس ورتھ اسمتھ لکھتا ہے۔

"چودھویں صدی کی صبح طلوع ہونے تک اسلامی تہذیب و تمدن کے قلعے مشرقی افریقہ کے سرسبز و شاداب ساحل کے ہرے گدّے پر تابدار موتیوں کی تسبیح کے مانند پڑے تھے۔ ان کے ہاٹ سوداگروں اور بحری مسافروں سے معمور رہتے۔ کاروان ہاتھی دانت، گرم مصالحے، گوند اور صوفیلان کی کانوں کے سونے کی تجارت کرتے۔ بار بروسہ نے اسلامی تہذیب کے عہدِ کمال میں مشرقی افریقہ کی پھلتی پھولتی ہوئی بندرگاہوں کا جو حال بیان کیا ہے وہ اس زبردست تجارتی و صنعتی خوشحالی، اعلیٰ معیارِ حیات اور خانگی تعلیم کا کافی ثبوت ہے جو اسلامی تہذیب و تمدن کی جلو میں مشرقی افریقہ میں بروئے کار آئی۔ یہ شاندار شہر سوداگروں کے ہاٹ سے زیادہ اہمیت و معنویت رکھتے۔ یہ فنون کے گہوارے بن گئے تھے۔ ان کے ایوانوں کے دیوان (اسمبلی ہال) میں علم و ادب کو قابلِ فخر مقام حاصل تھا۔ مال گودام کی دولت سے آدمی کی حیثیت کا اندازہ تو لگایا جا سکتا لیکن یہاں تو بطورِ شاعر، فقیہ اور عالمِ دین اس کے ذہنی مال خانے کی دولت کے باعث اسے وہ

Marfat.com

شہرت، احترام اور عزت ملتی جسے حشمت کہتے۔ ایرانی عرب آبادکار پورے تاریک افریقہ میں شعور پیدا کرنے کے لیے علم سیکھنے کا ہنر لائے۔"

"مشرقی افریقہ میں اور واقعتہً ہر کہیں اسلامی تہذیب کا ہمیشہ ایک سب سے بڑا وصف رہا ہے۔ اس نے ہمیشہ بلا امتیاز تمام لوگوں کی حوصلہ افزائی کی ہے کہ ذوقِ اظہار پیدا کریں، اپنا مافی الضمیر ظاہر کریں، اپنے گلہائے فکر اور روح میں لپٹے ہوئے خزانے عیاں کریں۔ پھر آزادیٔ تقریر صرف شعری رجحان تک بھی محدود نہ تھی جس نے اس ساحل پر بڑی زوردار اور دلفریب رومانی اور رزمیہ نظم تخلیق کی ——— مذہبی اور تبلیغی شاہکاروں کو وجود بخشا۔ اس سلسلے میں پاکبازی اور روح و قلب کے محسوس کیے ہوئے ایمان نے تحریک دی۔ سفر کے دوران سلاطین اور غلاموں کی یکساں طور پر حوصلہ افزائی کی جاتی کہ سب کے سامنے اپنے نظریات پیش کریں۔ ان حقوق کا ذکر سنیں جن کی بابت فرماں روا محسوس کرتا کہ اس کی ملت کا حق ہے اور ایسی غلطیاں علانیہ ترک کریں جن کا وہ شکار سمجھے جاتے۔ اس عہد کی رواداری بڑی شدت سے لوگوں کی حریت اور جمہوریت کی اسپرٹ، نئے وطن کی محبت، ظلم و تشدد کے خلاف ان کی نفرت اور ہر

Marfat.com

مزاحمت کے باوجود آزادی برقرار رکھنے کے عزم کی عکاسی کرتی ہے۔"

"ذہنی آزادی اور آزادیٔ تقریر کا یہ شدید جذبہ پورے مشرقی افریقہ میں اسلامی تہذیب کا گراں مایہ حق خصوصی رہا ہے۔ لیکن افسوس اسلام نے تہذیب اور جمہوریت کا جو شاندار ایوان تعمیر کیا تھا مغربی تہذیب کے پیروکاروں ——— حملہ آور پرتگیزوں نے اسے مشرقی افریقہ میں کھنڈر کر دیا۔ ممباسہ میں سب سے زیادہ دولت کی ریل پیل تھی۔ اپنی تہذیب سمیت پانچ بار یہاں کے لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا یا پھر غلام بنا لیا گیا۔"

"لیکن اسلامی تہذیب کی اسپرٹ اور حیات افروز قوت اس قدر دوامی اور برقرار رہنے والی تھی کہ ققنس[1] کی مانند بار بار اپنی جلتی ہوئی راکھ سے اُبھرتی رہی اور پامال ہوتی رہی۔ شیوخ کو تہ تیغ کیا گیا۔ آگ، تلوار، ظلم و ستم اور قتل و غارت سے فن اور تجارت کی وہ عالیشان عمارت جو مسلمانوں نے صدیوں میں اس جرأت

---

[1] ایک خیالی پرندہ جس کے بارے میں کہا جاتا کہ یہ ایسا راگ الاپتا ہے جس سے اسے آگ لگ جاتی ہے۔ اس آگ سے جل کر خاک ہو جاتا ہے اور پھر جب اس خاک پر مینہ پڑتا ہے تو اس میں دوبارہ جان پڑ جاتی ہے۔ یوں ققنس اپنی ہی خاک سے دوبارہ پیدا ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

و بے باکی، یقین اور فخر سے بنائی تھی، حقیقتاً پامال کر دی گئی۔ اسلام کو آزمائش میں ڈال دیا گیا۔"

"پرتگیزوں کا دو سو سالہ عہدِ ظلم و ہیبت خوابِ پریشان کی طرح گزر گیا اور ۱۶۸۹ شمسی میں اسلام پھر ابھرا۔ تباہ شدہ شہروں کی خاکستر سے نئے شہر نمودار ہوئے۔ سوداگروں بحر نوردوں اور ساحلی تاجروں نے پھر عمّان، ایران، ہند اور عرب سے پرانی آمد و رفت کا احیاء کیا اور یورپ کی تجارت پر نظریں جمائیں جس کا وعدہ کیا گیا تھا۔ نئی آزادی کی اسپرٹ نے آدمی کی روحیں متحرک کیں اور عظیم ادبی احیاء میں اپنی صدا سنی۔ جوش و ولولہ اور شوق کی لہر نے اسلام میں جان ڈالی اور اسے متحرک کیا۔ اس کے نتیجے میں حمزیہ جیسے شاندار کارنامے بروئے کار آئے۔" آج ٹانگانیکا کے ہر شہر اور قصبے میں مسلمان پھر بیدار ہو گئے ہیں۔

"ہم افریقہ میں اسلام کی کامرانی میں افکار کے ذریعے فتح کا وہی انداز اور قتل و غارت کے باوجود اس کی وہی بقا دیکھتے ہیں جو تاریخِ اسلام کے دوسرے پہلوؤں کی خصوصیت ہے۔ محولہ بالا بیان پڑھنے کے بعد کون اس بات پر سنجیدگی سے شبہ کر سکتا ہے کہ ققنس کی مانند اس میں دوبارہ جی اٹھنے کی قوت اور ناقابلِ شکست سکت موجود نہیں؟"

Marfat.com

# اسلام کے مستقبل کا دارومدار ہر مسلمان پر ہے

پھر مستقبل کا کیا بنے گا ؟ دینِ متین کے کامیاب احیاء ، اس کی عظیم روحانی بیداری اور نئی عالمی قیادت کی نسبت کیا کیا امیدیں وابستہ کی جا سکتی ہیں ؟

مستقبل کی کامیابیوں کی ذمّہ داری انفرادی طور پر ہر مسلمان کے شانوں پر ہے اسلام کی رو سے ہر آدمی اپنے فعل میں آزاد ہے ۔ برے بھلے تمام اعمال کی ذمّہ داری بالآخر آدمی پر عائد ہوتی ہے ۔

قرآنِ پاک میں آیا ہے ـــــــ

"اللہ تعالیٰ تب تک کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود ( اپنے اعمال اور کردار کے ذریعے ) اپنی حالت نہ بدلے ۔ اللہ کسی قوم سے اپنا دستِ کرم نہیں کھینچتا اور اس کی حالت نہیں بدلتا ( جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلے ) ۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ صرف نیک کاموں میں کسی قوم کی مدد کرتا ہے ایک دوسری جگہ قرآنِ پاک میں کہا گیا ہے " آدمی کو ایسی کوئی شے نہیں ملے گی جس کے لیے وہ کوشش نہیں کرے گا ۔ " اور پھر ـــــــ

" پھر ہم زمین پر تمہیں دوسروں کا جانشین بنائیں گے تاکہ ہم تمہارا عمل دیکھ سکیں " ۔

پس آج مسلمان سے کیسے عمل کی توقع رکھی جا سکتی ہے ؟ اس کا جواب صاف اور سیدھا ہے ۔ وہ قرآن پاک کے احکام کے مطابق عمل کرے ۔ یہی سبب ہے کہ اسلام کے شاعرِ اعظم اقبالؒ نے ملی اجتماع کے لیے " قرآن سے رجوع کرو " کا نعرہ لگایا ۔

Marfat.com

# قرآن سے رجوع کرو!

## جدید طرزِ زندگی کے لیے ترقی پسند ضابطہ

اقبالؒ سے بڑھ کر کسی کو علم نہیں کہ کس افسردہ دلی سے اسلام کے سچے مثالی نظریات نظر انداز کیے گئے ہیں اور مستقبل کے لیے مسلمانوں کی تمام امیدیں دینِ متین پر سچا ایمان لانے میں مضمر ہیں۔

علامہ موصوف یوں رقمطراز ہیں ــــــ

"صرف اسلام ہی نئی دنیا تخلیق کر سکتا ہے۔ ایشیا کبھی اطاعت نہیں کر سکتا کسی ایسے نظام کی جو کاملاً سیاسی ہو اور جس نے آدمی کو لوٹ کھسوٹ کی شے سمجھا ہو جیسا کہ سوویٹ روس میں ہو رہا ہے" نہ ہی یہ کبھی جدید مغربی سرمایہ داری نظام کو اس کی غیر منظم انفرادیت پسندی سمیت سمجھ سکتا ہے۔"

اقبالؒ نے اسلام میں ایسا نظام دیکھا جو مذہب کی بنیاد پر قائم ہوا اور جس نے بہ عجلت فرد کی قدرومنزلت کا بھی اعتراف کیا اور اللہ کی خدمت کے لیے خود میں نظم و ضبط پیدا کرنے کی بھی تاکید کی۔

"یہ دینِ متین ایک ایسی نئی دنیا کی تخلیق کر سکتا ہے

Marfat.com

جس میں آدمی کے معاشرتی مرتبے کا تعیّن اس کی قومیت اس کے رنگ یا روپے کی اس مقدار سے نہیں کیا جاتا جو وہ کما لیتا ہے۔ اس کا تعیّن تو اس کی طرزِ زندگی سے ہوتا ہے —— جہاں مفلس دولت مندوں پر محصول لگاتے ہیں، جہاں انسانی معاشرہ نسلی عدل کی اساس پر نہیں بلکہ روحانی مساوات پر قائم کیا جاتا ہے جہاں ایک اچھوت، دخترِ شاہ سے بیاہ کر سکتا ہے جہاں نجی ملکیت ایک امانت ہے اور سرمائے کو اس حد تک اکٹھا ہونے کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ دولت کے اصل پیدا کاروں پر مسلّط ہو جائے۔"

اس سیاق و سباق میں "قرآن سے رجوع کرو!" کا نعرہ شاید ہی رجعت پسندانہ سمجھا جا سکے۔ خلاف ازیں وہ واحد راستہ جس پر مسلمان آگے بڑھ سکتے اور ترقی کر سکتے ہیں "خدا کا راستہ ہے۔ اس راستے پر وہ صرف اسی صورت میں چل سکتے ہیں کہ وہ اپنے تئیں ان قوانین و ضوابط سے رجوع کریں جو قرآنِ پاک میں موجود ہیں۔"

بدقسمتی سے ہمارے اکثر نوجوان ترقی کے لیے اس قدر بے تاب ہیں کہ صرف "لوٹنے" (رجوع کرنے) کے تذکرے سے لرز اٹھتے ہیں۔ وہ تو اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ چلتے رہیں خواہ انہیں منزل کا علم ہو نہ راستے اور سمت کا۔ تاہم اگر وہ صرف اتنی دیر کے لیے رُک تھم جائیں کہ سوچ سکیں۔ اتنی مدت میں اپنی یادداشتیں تازہ کر سکیں اور اسلام کے احکام پھر سے دریافت اور از سرِ نو ان کی قدر و منزلت معلوم کر لیں، تب یقیناً وہ اندازہ

لگا سکیں گے کہ "قرآن سے رجوع کرو"! یہی نئی طرز زندگی کا سب سے زیادہ ترقی پسند فارمولا ہے۔

دنیا میں ایسے کوئی آثار نہیں پائے جاتے جن سے پتا چلے کہ مغربی تہذیب نے اسلام سے بہتر ضابطۂ اخلاق وضع کیا ہو۔ یہ انسانی اخوت یا نسلِ انسانی کی عالمگیر اخوت کے تخیّل کو عملی طور پر پیش کرنے کے قابل نہیں ہوا جیسا کہ اسلام نے اپنا نظریہ "امّت" پیش کیا۔ مغربی دنیا غیر طبقاتی انسانی معاشرے والا ایسا معاشرتی نظام معرضِ وجود میں لانے سے قاصر رہی ہے جس میں تمام جھگڑوں، مفادات کے تصادمات، تنازعوں اور لڑائیوں کو موثر طور پر کم یا ختم کیا جا سکتا تاہم آج سے کوئی تیرہ سو سال پہلے اسلام نے ایسا معاشرتی نظام پیش کیا تھا۔ مغرب کا کلچر اس قابل نہیں ہوا کہ جس طرح اسلام نے کیا، اسی طرح یہ بھی تمام بنی نوعِ آدم کے لیے مساوات کا حق حاصل کرتا۔ ان تمام پہلوؤں سے مغرب کی نئی تہذیب تمام مخلوقِ خدا کو عالمی مشترکہ ملت کے پیرائے میں مربوط کرنے میں ناکام رہی ہے۔ درحقیقت اس نے خلافِ ازیں ایک طرف تو شدید حسد، حریفانہ کشمکش، علیحدگی پسندی کے رجحانات قومیت پرستی کے تُند جذبات، طبقاتی اور نسلی برتری کے احساس کو ہوا دی اور دوسری طرف احساسِ کمتری پیدا کیا۔ بہ الفاظِ دیگر مغرب کی نام نہاد تہذیب کے کارنامے اسلام کے لائحۂ عمل سے کہیں پیچھے رہ جاتے ہیں۔ پھر اس نظریے اور اس قول کا جواز کہاں پایا جاتا ہے کہ اسلام فرسودہ ہو چکا ہے۔ مغرب کی اقوام نے علوم و فنون میں زبردست ترقی کی ہے لیکن اس ترقی نے انہیں امن و سکون نہیں بخشا۔ مستقبل کی جانب بہ اشتیاق دیکھنے کی بجائے تباہ کن جنگ کا ہولناک بھوت مستقلاً اہلِ مغرب کے سر

Marfat.com

پر سوار رہتا ہے۔ صرف اسلام بنی آدم کو امن دے سکتا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوا ہے، "انسان کی تباہی و بربادی خود آدمی کے اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے نہ کہ بدبختی کا"۔ انسان کو جو فائدے حاصل ہوتے ہیں وہ بھی یکساں طور پر افراد اور اقوام کے اس عزم و استقلال کا نتیجہ ہوتے ہیں جو اچھی زندگی بسر کرنے کے لیے پایا جاتا ہے۔ اگر آئندہ جنگوں سے بچنا ہو تو آدمی کو اپنے نفس کی اصلاح کرنی پڑے گی۔ اسلام ایسے محرکات اور ضابطۂ کار فراہم کرتا ہے جس سے ایسی اصلاح ممکن ہو جاتی ہے۔

اسلام بنی نوع انسان کو ربانی اقتدار اعلیٰ اور ربوبیت کا تصور پیش کرتا ہے جس کے سامنے وہ جوابدہ ہو جس سے جائز صلے کی توقع کی جا سکے۔

اسلام ہر شخص کے وقار اور اس کے لیے برابری کا دعویدار ہے۔ اسے قومیت پرستی کے تخیل سے نفرت ہے کہ آج یہی عالمی کھچاؤ کا بڑا سرچشمہ ہے۔ یہ نسلی تفرقوں پر اظہار افسوس کرتا اور ان کی بجائے ایک عالمگیر برادری کا پرچار کرتا ہے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

"نسل آدم کامل طور پر اللہ کا کنبہ ہے۔ اس کا پیغام یہ ہے کہ اللہ کے سچے بندے بنو اور آپس میں بھائی بھائی بن کے رہو"۔

"اللہ کے بندے بنو!" یہ وہ پیغام ہے جو اسلام کی بنیاد ہے لیکن اس کا مطلب بندگی اور اطاعت ہے۔ ضبطِ نفس اور مسلسل جدوجہد کی زندگی ہے اسلام جادو کی چھڑی نہیں جسے ہلایا جائے تو دنیا آنکھ جھپکتے میں کامل ہو جائے گی۔ یہ تو

Marfat.com

ایک باضابطہ، باقاعدہ، ترقی پسند نظام ہے جو خواہش رکھتے ہوں وہ آسانی سے اس پر چل سکتے ہیں بشرطیکہ قرآنِ پاک اور حدیثِ نبوی کی نصیحت وہدایت قبول کرنے کے لیے آمادہ ہوں۔

مدت ہوئی، ایک مسلمان سفیر کو شہنشاہِ ایران کے دربار میں بھیجا گیا تاکہ اسے اطاعت کے لیے کہے۔ اس پر شہنشاہِ ایران نے چلّا کر کہا، "تم کون ہوتے ہو میری سلطنت پر حملہ کرنے والے تم تو تمام اقوام میں سب سے زیادہ مفلس، سب سے زیادہ غیر متحد اور سب سے بڑھ کر جاہل ہو۔" سفیر نے جواب دیا ——

"تم نے جو کچھ کہا تھی وہ سچ تھا۔ عرب چوپایوں کے بالوں سے تیار کیا ہوا لباس پہنتے، چھپکلیاں ان کی خوراک تھی۔ اپنی معصوم بچیوں کو زندہ دفن کر دیتے۔ مُردوں کو کھا لیتے اور گرم گرم خون پیتے۔ عزیزوں کو قتل کر ڈالتے اور چوری کے مال پر فخر کرتے —— ہم نیک وبد کی تمیز نہ کر سکتے۔ نہ یہ بتا سکتے کہ جائز کیا ہے اور ناجائز کیا ہے۔ ہم لڑتے جھگڑتے رہتے۔ خون خرابہ، چوری چکاری، لوٹ مار، شراب خوری، عورتوں سے دغا بازی، جھوٹ یہ سب کچھ ہماری زندگی کی عظیم ترین متاع تھا لیکن تعلیماتِ اسلامی اور نبی اکرمؐ کی ہدایات کی بدولت ہم یہ تمام بدعات ترک کر چکے ہیں۔ اللہ نے اپنی کمال مہربانی سے ہماری طرف رسول پاک کو بھیجا جس نے ہمیں مقدس کتاب دی، زندگی گزارنے کا صرف ایک راستہ بتایا اور ہماری زندگیوں کی کایا پلٹ

Marfat.com

دی "

جرمن مورخ ڈیوش اس مقدس کتاب کے بارے میں لکھتا ہے۔

" قرآن وہ کتاب ہے جس کی مدد سے عرب یورپ میں بادشاہ بن کر آئے تاکہ نسلِ آدم کو روشنی دکھائیں جبکہ گردوپیش اندھیرا ہی اندھیرا چھایا ہوا تھا "

قرآنِ پاک بدلا نہیں ۔ یہی وہ کتاب ہے جس کی بدولت آج کے مسلمان ایک بار پھر بنی نوعِ انسان کو روشنی دکھا سکتے ہیں ۔ دنیا کے تمام مذاہب میں سے تنہا اسلام تمام انسانوں کو امید دلاتا ہے ۔ مسلمان نوجوان اپنے اعلیٰ ورثے پر بجا طور سے فخر اور یہ جان کر خود کو طاقتور محسوس کر سکتے ہیں کہ اسلامی جاہ و جلال کے سچے کارنامے پائیدار اور دائمی ہیں ۔ انہیں مستقبل کا مقابلہ بہ اطمینان نہیں بلکہ ولولہ انگیز عزم و استقلال سے کرنا چاہیے۔

Marfat.com

# ضمیمہ

Marfat.com

# قرونِ اولیٰ میں دیانتداری کی دو مثالیں

خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ بے حد دیانتدار تھے اور اس بات کی سخت کوشش کرتے کہ اپنی کمترین ضرورتوں کے علاوہ مرکزی بیت المال سے کچھ نہ لیں۔

تاریخ بتاتی ہے کہ ایک موقع پر ان کی اہلیہ محترمہ نے انہیں مٹھائی خریدنے کو کہا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ان کے پاس روپیہ نہیں۔ اس پر وہ بولیں: "آپ اجازت دیں تو میں یومیہ وظیفے میں سے کچھ رقم بچاؤں اور الگ رکھ لوں"۔ انہوں نے اجازت دے دی۔ چند دن کے بعد ان کی اہلیہ نے تھوڑی سی رقم بچا لی اور مٹھائی لانے کے لیے شوہر کے حوالے کی۔ اِس پر خلیفۂ اعظم کی یہ بات سن کر وہ حیران و پریشان ہو کر رہ گئیں کہ روپیہ بچانے کے قابل ہونے سے ایک یہ حقیقت عیاں ہے کہ وہ اپنی کم از کم ضرورتوں کے لیے زائد وظیفہ حاصل کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے جھٹ روپیہ بیت المال کو لوٹا دیا۔ اس کے بعد وظیفے کی اتنی رقم وصول کی جو بچائے ہوئے روپے کو منہا کرنے سے بنتی تھی۔

مورخ گبن حضرت ابوبکر صدیق کا بڑا مداح ہے۔ ان کے بارے میں لکھتا ہے۔

"تاریخ میں خلیفۂ اوّل امیر المومنین حضرت ابوبکرؓ سے بڑھ کر حیرت خیز جاں نثار، مخلص اور سادگی پسند شخص بہت کم ملیں گے۔ انہوں نے خدائی لشکر کے نام جو فرمان جاری

Marfat.com

کیا وہ یوں رقم ہوا ـــــ "عادل رہو کیونکہ غلط کار کبھی نہیں پنپتا۔ جری رہو۔ مر جاؤ لیکن شکست مت کھاؤ۔ ترس کھاؤ۔ بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کو قتل مت کرو۔ پھل والے درخت اور اناج برباد نہ کرو! جانوروں کو ہلاک نہ کرو! دشمن سے بھی وعدہ کرو تو اس کا پاس کرو! جو لوگ ترکِ دنیا کر چکے ہوں انہیں ضرر نہ پہنچاؤ۔"

"خدائی شکر جو بے روک ٹوک رواں دواں رہا اس فرمان کا نمایاں ثبوت ہے جو لائق احترام سربراہ نے بہ خلوص جاری فرمایا اور پاکباز پیروکاروں نے جس پر سختی سے عمل کیا۔"

یہ بھی مرقوم ہے کہ ایک روز حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے اپنی صاحبزادی اور رسول اکرم صلعم کی بیوہ حضرت عائشہ رضؓ سے پوچھا کہ انہوں نے بیت المال سے کتنا روپیہ لیا ہے۔ حضرت عائشہ نے جواب دیا کہ انہوں (حضرت ابوبکر صدیق رضؓ) نے اپنے عہدِ خلافت میں صرف چھ ہزار درہم (تقریباً چودہ سو روپیہ) وصول کیے ہیں۔ اس پر خلیفہ اول نے حکم دیا کہ ان کے پاس زمین کا جو صرف ایک ہی ٹکڑا رہ گیا ہے اسے فوراً بیچ کر بیت المال میں روپیہ جمع کروا دیا جائے۔ "اور کیا ہے میری ملکیت میں؟" انہوں نے بیٹی سے پوچھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے جواب دیا: "ایک حبشی غلام ہے جو گھر کے کاموں کے علاوہ مجاہدینِ اسلام کی تلواریں صیقل کرتا ہے۔ ایک اونٹ پانی لانے کو ہے۔ کپڑے کا صرف ایک ٹکڑا ہے جو خلیفہ نے اپنے مشاہرے

Marfat.com

میں سے بچائی ہوئی رقم سے خریدا ہے۔"

اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی صاحبزادی سے فرمایا کہ ان کی وفات کے بعد یہ چند چیزیں خلیفۂ ثانی کی تحویل میں دے دی جائیں۔ جب یہ چیزیں ان کے جانشین حضرت عمرؓ کے سامنے لائی گئیں تو وہ انہیں دیکھ کر رو پڑے اور چلّا کر بولے: "اے ابوبکرؓ! تم نے واقعی اپنے جانشین کا کام دشوار بنا دیا ہے۔"

حضرت عمرؓ نے خود کو یکساں طور پر پرہیزگار اور قابلِ قدر حاکم ثابت کر دکھایا ان سے متعلق ایک روایت ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ اوّلین خلفاء نے کس اسپرٹ میں بھاری ذمہ داریاں قبول کیں۔ ایک دن چند عرب مشائخ نے حضرت عمرؓ کو شدید اضطراب کے عالم میں اِدھر اُدھر دوڑتے بھاگتے دیکھا۔ جب پوچھا گیا، کیا معاملہ ہے تو وہ بولے: "بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا ہے۔" عرب بولے "لاریب اس اونٹ کو تلاش کرنے کے لیے آپ کے پاس کئی غلام ہیں۔" اس پر حضرت عمرؓ نے غضب ناک ہو کر کہا: "مجھ سے بڑھ کر لوگوں کا غلام کون ہے؟"

حضرت عمرؓ انسانیت کا عظیم جذبہ رکھنے والے آدمی تھے۔ ایک دن وہ تیزی سے منبر پر چڑھے اور فرمانے لگے ـــــ

"ایک وقت تھا جب میں مفلس و محتاج تھا اور عام بہشتی کی طرح پانی بھر بھر کر گزارے کے لائق دام اکٹھے کر لیتا تھا۔"

پھر وہ ایک دم منبر سے نیچے اُتر آئے تاکہ سامعین کے اس سوال کا جواب دیں کہ انہوں نے یوں تیز تیز خطاب کیوں کیا ہے۔ اس سلسلے میں ان کا جواب یہ تھا ـــــ

"مجھ میں کچھ غرور آگیا تھا۔ پس میں نے سمجھا کہ اپنے ماضی کی

Marfat.com

حالتِ زار بیان کروں تاکہ میرا غرور دُور ہو جائے۔"

ایک اور خلیفۂ اسلام جو کئی سال بعد گزرے ہیں لیکن جنہوں نے قرونِ اُولیٰ کے خلفاء کے مثالی کرداروں پر عمل کیا وہ عمر بن عبدالعزیز تھے۔ اگرچہ ان کی سلطنت بحرِ اوقیانوس کے ساحلوں سے پامیر کی سطح مرتفع تک پھیلی ہوئی تھی لیکن وہ عجز و انکسار اور دیانتداری کی اس مثال کو کبھی نہ بھولے جو اولین خلفائے اسلام نے قائم کی۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ جب وہ اپنے نجی حجرے میں سرکاری دستاویزوں کا مطالعہ کر رہے تھے تو انہی کی طرح ان کی پرہیزگار اہلیہ محترمہ جنابہ فاطمہ جو خلیفہ عبدالملک کی صاحبزادی تھیں ان سے نجی باتیں کرنے آئیں۔ خلیفۂ وقت نے ان سے کہا کہ فوراً سرکاری چراغ کی جگہ گھر کا چراغ رکھا جائے تاکہ سرکاری روشنی نجی گفتگو میں صرف نہ ہو۔ خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرح خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے بھی سادہ زندگی بسر کی اور بڑے محتاط رہے۔ انہوں نے اپنی ساری دولت بیت المال میں جمع کرا دی اور ضرورت کے لائق روپیہ لیا۔ ایک دن کنبے کے ایک رکن نے انہیں خمیدہ سر اور افسردہ دیکھا۔ اس حالت کا سبب پوچھنے پر جواب ملا: "تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا یہ میرے لیے شدید پریشانی کی بات نہیں کہ مجھے اتنی بڑی سلطنت کی خوشحالی اور بھلائی کا کام سونپا گیا ہے؟ کیا تم نہیں سمجھتے کہ اگر میں ہر حاجت مند کی حاجت روا نہ کروں تو اپنے فرض کی ادائی میں ناکام رہوں گا؟"

ایک اور موقعے پر ان کی بیوی فاطمہؓ نے انہیں نماز کے بعد روتے پایا۔ پوچھنے پر انہوں نے جواب دیا: "اے فاطمہؓ! مجھے مسلموں اور غیر مسلموں کی بھاری تعداد پر حکمران کیا گیا ہے۔ میں اپنی سلطنت میں مفلسوں، بھوکوں، ننگوں، بیماروں، مصیبت زدوں، تباہ حالوں، مظلوموں، مجروحوں، اسیر اجنبیوں، قابلِ احترام بزرگوں، تھوڑی آمدنی اور بڑا کنبہ رکھنے والوں اور ایسے ہی لوگوں کا خیال کرتا رہا ہوں۔ میں محسوس

Marfat.com

کرتا ہوں کہ میں نے اپنے لوگوں کی بھلائی کے لیے جو کام کیے ہیں روزِ محشر اللہ مجھ سے ان کا حساب مانگے گا۔ ڈرتا ہوں کہ اللہ کو ٹھیک ٹھیک حساب دینے میں کہیں ناکام نہ ہوں۔

یحییٰ اسلامی ریاست میں بدعنوانی اور ظلم وستم کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ لاریب رہبرانِ ملت اپنے عاجز لوگوں کی خدمت یہ جانتے ہوئے پرہیزگاری اور سخاوت سے کریں گے کہ اللہ کی نظر میں سب لوگ برابر پیدا کیے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شاندار نظیر قائم کی تھی۔

Marfat.com

# پیغمبرِ اسلام اہلِ مغرب کی نظر میں

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈاکٹر گستاف ویل سے بڑھ کر زریں الفاظ میں کسی نے خراجِ تحسین پیش نہیں کیا۔ موصوف کے الفاظ درج ذیل ہیں۔

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لوگوں کے سامنے تابناک مثال پیش کی۔ اس کا کردار پاکیزہ اور بے داغ تھا۔ اس کا مکان، لباس اور کھانا پینا سادگی کا کمیاب نمونہ تھا۔ وہ اس قدر بے ریا تھا کہ وہ اپنے اصحاب سے خاص احترام چاہتا نہ اپنے غلام سے ایسا کام لیتا جو وہ خود کر سکتا۔ لوگ اکثر اسے ہاٹ سے کھانے پینے کی چیزیں خریدتے دیکھتے۔ اکثر اسے اپنے حجرے میں بیٹھے کپڑوں کی مرمت کرتے یا صحن میں بکری کا دودھ دوہتے دیکھتے۔ ہر وقت ہر ایک کو اس تک رسائی حاصل ہوتی۔ وہ بیماروں کی تیمارداری کرنے جاتا اور اس کا دل ہر ایک کی ہمدردی کے جذبے سے معمور ہوتا۔ جس طرح اس کی سخاوت اور فیض بے پایاں تھا اسی طرح اپنی قوم کی بہبود کے لیے اس کی بے قراری

Marfat.com

بے پایاں تھی۔ باوجودیکہ اس کے لیے ہر طرف سے بے شمار تحائف چلے آتے ان میں سے ایک بھی نہ بچتا اور یہ سب بیت المال کا اثاثہ سمجھے جاتے ــــــ اور محمدؐ بطورِ آدمی "انسانیت کا" مینار بن کر ایستادہ ہے اور لافانی قوت سے مستحکم ہے۔"

امریکی مصنف واشنگٹن اِرونگ کے ریمارک یہ ہیں ــــــ

"اس کی تمام درخشندہ کامیابیاں جن میں وہ تاباں ترین فتوحات شامل ہیں جو اس نے اپنی زندگی میں پائیں، اس میں کسی قسم کی نخوت یا کھوکھلی شان و شوکت نہ پیدا کر سکی جیسی کہ خود غرضانہ مقاصد کی موجودگی میں پیدا ہوتی ہیں۔"

فرانسیسی شاعر لامارتین نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کہا ــــــ

"ان تمام پیمانوں کے پیشِ نظر جن کے ذریعے انسانی عظمت ناپی جا سکتی ہے ہم پوچھ سکتے ہیں ــــــ کیا اس سے بڑا کوئی آدمی ہے؟ بلاشبہ محمدؐ وہ بڑا آدمی ہے جس کے بغیر دنیا نامکمل لگے گی۔ سچ تو یہ ہے کہ آج بھی اور آنے والے ہر زمانے میں بھی محمدؐ انسانیت کی سب سے اونچی چوٹی کے مثیل ہوگا۔"

یہ تابناک خراج پیش کرتے ہوئے لامارتین کے ذہن میں قرآنِ پاک کے یہ الفاظ گونج رہے تھے۔

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ ۝

Marfat.com

اور آپ (محمد صلعم) کردار کی عظیم رفعت پر پہنچے ہیں۔ (سورہ ۶۸، آیت کریمہ ۴)

اور قرآن پاک میں یہ بھی آیا ہے ــــــ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن
كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ٥

بے شک تم میں اللہ کے پیغمبر میں اس کے لیے نیک نمونہ ہے جو اللہ اور روزِ آخر کی توقع رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرے۔

(سورہ ۳۳، آیت کریمہ ۲۱)

بوسورتھ سمتھ دوسرے عظیم انگریز عالموں کی طرح نبی اکرم صلعم کا پرجوش مداح تھا جن کی نسبت اس نے یہ لکھا ہے ــــــ

چرواہے کے طور پر دشت میں، شامی تاجر کے روپ میں، غارِ حرا کی تنہائیوں میں بطورِ مصلح، تنہا ایک کی اقلیت میں، مدینہ کی ہجرت میں، ایک مسلمہ فاتح کے طور پر، خسروِ ایران اور یونانی ہرقل کی برابری میں الغرض ہر حال اور ہر زمانے میں ہم زبردست اکائی پاتے ہیں۔ مجھے شبہ ہے کہ کوئی دوسرا آدمی جس کے خارجی حالات اتنے بدل گئے ہوں ان حالات کا مقابلہ کرنے کی غرض سے اتنا کم بدلا ہو۔ واقعات و حادثات بدل جاتے ہیں لیکن ان سب میں روح وہی رہتی ہے ــــــ اس حیرت خیز ذہنی کیفیت کی بڑی وجہ کیا تھی؟ یہ طب دماغی کے باقاعدہ علم کی بجائے اللہ کی ذات پر اعتقاد رکھنے کے باعث تھا۔ تاریخ

Marfat.com

میں مرقوم ہے کہ کس طرح اسلام کے اس ان پڑھ بانی نے امن اور ترقی کی سمت کتنے ہی انسانوں اور کتنی ہی قوموں کی رہنمائی کی اور ان کی قسمت بدلی۔ اس کی تعلیمات اور اس کا نمونۂ حیات تاحشر قائم رہے گا نیز ترقی، مسرت اور امن کی راہ پر چلنے کے لیے اُبھارتا رہے گا ــــ بنی نوعِ انسان کے لیے یہ ہدایت بھی رہے گی اور رحمت بھی۔"

فرانسیسی عمرانیات دان موسیو لیبان نے نبیٔ اکرم صلعم کی نسبت کہا ــــ

"ہمارے علم کی رُو سے محمدؐ ہی عظیم ترین انقلابی قائد تھے۔ انہوں نے پوری انسانی تاریخ پر ایسا نشان چھوڑا ہے جسے کوئی شخص ان کے بعد مٹا نہ سکا۔ بلاشبہ وہ انسانی تاریخ کے دوراہے پر نمودار ہوتے اور پھر انہوں نے انسانی تاریخ کا رُخ موڑ دیا۔"

ہندو راہنما گاندھی کو بھی پیغمبرِ اسلام صلعم کی ذات کے بارے میں یہ کہنا پڑا ــــ

"وہ ایک عظیم پیغمبر تھے، وہ بے باک تھے اور خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرتے تھے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ انہوں نے کہا کچھ ہو اور کیا کچھ ہو۔ انہوں نے وہی کیا جو محسوس کیا۔ یہ ان میں زبردست سادگی تھی۔ انہوں نے اپنی ہستی (خدا کی راہ میں) مٹانا۔ اپنے معاہدوں کی سختی سے پابندی، انہیں اپنے دوستوں اور پیروکاروں سے غضب کی لگن اور ان کی بے باکی تھی نیز خدا کی ذات اور اپنے

Marfat.com

کام پر یقینِ کامل تھا نہ کہ تلوار تھی جو ہر کامیابی اس کے سامنے لائی اور اس نے ہر رکاوٹ دُور کی۔"

## اسلام کا اثر ہندو سماج پر

ہیول اپنی تالیف "آریائی راج ہندوستان" میں کہتا ہے کہ مسلمانوں کے عمرانی و سیاسی مسلک کا ہندوؤں کی زندگی پر دوہرا اثر پڑا۔" اس نے ذات پات کی تمیز کی شدت دور کی اور اس کے خلاف لوگوں کو بغاوت پر اُبھارا۔ اس نے شُودر کو مردِ آزاد کیا اور مخفی طور پر اسے برہمن کا آقا بنا دیا۔ یورپ کی تحریکِ احیائے علوم و فنون کی مانند اس نے ذہانت کے دریاؤں میں حرکت پیدا کی، کتنے ہی طاقتور لوگ پیدا کیے اور ان میں سے بعض تو نمایاں تخلیقی صلاحیت رکھتے اور اس نوع کی نسلِ انسانی پیدا کی جس کا دل مسرّت سے لبریز تھا۔"

Marfat.com

# تاریخ ، سوانح ، اِسلامیات

| | |
|---|---|
| تاریخ اسلام | عبدالحلیم شرر |
| تمدّنِ عرب | سیّد علی بلگرامی |
| تمدّنِ ہند | سیّد علی بلگرامی |
| عبرت نامہ اُندلس | مولوی عنایت اللہ دہلوی |
| تاریخِ مدینہ | شیخ عبدالحق محدث دہلوی |
| اُندلس کا تاریخی جغرافیہ | محمد عنایت اللہ |
| خلفائے راشدین | یونس ادیب |
| صحائف | قمر نقوی |
| مُسلمانوں کا عروج و زوال | مولانا سعید احمد |
| رُسوم جاہلیت | مولانا نجم الدین |
| اسلام اور جادوگری | رحمان مذنب |
| فتوح الشام | علامہ واقدی |
| فتوح المصر | علامہ واقدی |
| دنیائے اسلام | سیّد ہاشم فرید آبادی |
| مسلمان یورپ میں | محمد احسان الحق سلیمانی |
| حیاتِ جوہر | عشرت رحمانی |
| جنگِ آزادی کے مُسلم مشاہیر | محمد صدیق قریشی |

Marfat.com

## تاریخی، اسلامی ناول

| | |
|---|---|
| زہرۃ الروم | محمد سعید |
| الجزائر | محمد سعید |
| صقلیہ | محمد سعید |
| تیمور | محمد سعید |
| استنبول | محمد سعید |
| ہمایوں | محمد سعید |
| القاہرہ | محمد سعید |
| مدینۃ الیہود | محمد سعید |
| اطلس | محمد سعید |
| پاکستان کا سٹالن گراڈ | محمد سعید |
| بحری عقاب | محمد سعید |
| الموت | محمد سعید |
| اکبر اعظم | محمد سعید |
| بغداد | محمد سعید |
| اشبیلیہ | محمد سعید |
| یزید | رئیس احمد جعفری |
| یورش | رئیس احمد جعفری |
| تغلق | رئیس احمد جعفری |
| شہاب الدین غوری | رئیس احمد جعفری |

Marfat.com

# تہذیب و تمدن اور اسلام

رحمان مذنب

Marfat.com